فہرست مضامین کتاب سیرۃ النعمان

هو المستعان

سیرۃ النعمان رحمہ اللہ

یعنے

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری

کا

حصہ اول و دوم

مؤلفہ

مولانا محمد شبلی نعمانی

حسب فرمایش سید ظہور الحسن مالک قومی پریس چھتہ لال میاں دہلی

جامعہ پریس دہلی میں چھپوائی

بسم الله الرحمن الرحیم

حمد و ثنائش که بعنوان خوشست
شیفتگان نسیم و پیمبر پرست
تا نخوری پا به نگهدار باش
هرچه زبیش است و زکم باروال
در ره الفت که بود پیچ پیچ
من که درین دائره از دیر باز
باز برآنم که درین راه رسے
خواسته ام طرح دیگر ریختن
بزم دگر هست و تماشا دگر
زهره تازه لب ساز افگنم
باده فرستم بحریفان دگر
زخمه که بر تار سخن میزنم
قاعدهٔ سحر طرازیست این
پا چو درین معرکه افشرده ام
حرمت این کار نگهداشتن ✻
کار من است این حد هر خام نیست
دست اگر سوی قدح برده ام
کان معانی همه کاویده ام
غارت تا نجا نه چنین کرده ام
خاک در میکده ها بیختم
وا به اگر درد گران خواستم
فن سیر گرچه بود دلپذیر

نعت همانگونه همانسان خوشست
سجده اگر نیست زمین بوس هست
دم ز شریعت زن و هشیار باش
سجده و تعظیم زهم باز دان
پا چو نهی بر تو نگیریم هیچ
پاے ز خلوت نه نهادم فراز
دل برم از خلق با فسون گرے
شعبدهٔ تازه بر انگیختن
باده دگر آرم و مینا دگر
غلغله در حلقهٔ راز افگنم
از می دوشین قدرے تند تر
پان بنگر تا بچه فن میزنم
نیک نگه کن که چه بازیست این
پا به فن تا بکجا برده ام ✻
ق
نامه به لعل و گهر انباشتن
این بود آن مے که به هر جام نیست
جائے عنب لخت دل افشرده ام
کین گهرے چند فراچیده ام
تا صنمے چند گزین کرده ام
کین مے صافی بقدح ریختم
چاره نه زد بود ازان خواستم
نیست درو خود ز روایت گزیر

گرچه متاع از دگر آورده ام | قطره ز بودم گهر آورده ام
گرچه مرا شیوهٔ فن این نبود | حرف به آرد و زدن آئین نبود
پیشتر از گرم طلب بوده ام | بادیه پیمائے عرب بوده ام
بزم چو آں فرہ و آں ساز داشت | ساغر من بادهٔ شیراز داشت
لیک چو آں مطرب و ساقی نماند | بوئے از آں میکده باقی نماند
بزم بطرز دگر آراستم | خوشتر ازاں نیز که میخواستم
گرچه سرو برگ سخن دیگر است | شمع همانست لگن دیگر است
باده گوارا به عزیزاں تمام | بادهٔ گلگوں به سفالینه جام

ناموران اسلام جسکا ایک حصہ المامون چھپکر شائع ہوچکا ہے اول اول جب مجھکو اسکا خیال پیدا ہوا تو نہایت وسیع بنیاد پر ہوا جسطرح میں نے خلافت و سلطنت کے مختلف خاندانوں کے ہیرو انتخاب کئے ارادہ تہا کہ اسی طرح علوم و فنون کے جدا جدا خاندان قائم کئے جائیں اور جو لوگ اُن خاص خاص فنوں میں بے نظیر سمجھے گئے تہے انکو اس سلسلہ کا ہیرو قرار دیا جائے۔ مگر اتنا بڑا کام تنہا میرے بس کا نہ تہا مجبوراً حیثیت حکومت کی قید لگا کر میں نے اس وسیع خیال کو بہت کچھہ محدود کر دیا۔ بلکہ سلسلہ حکومت سے بہی بہت سے خاندان چھوڑ دیئے تاہم وہ خیال دل سے نہ گیا کہ فرصت ہو تو اہل کمال کا دربار بہی سجایا جائے کہ السیف والقلم توامان

المامون کے بعد میں نے الفاروق لکہنی شروع کی تہی اور ایک معتدبہ حصہ لکہہ بہی لیا تہا لیکن بعض مجبوریوں سے چند روز کیلئے اُسکی تالیف سے ہاتہہ اُٹھانا پڑا۔ اسپر کوتاہ بینوں نے عجیب عجیب بدگمانیاں کیں حالانکہ باعث اسکی یہ تہی کہ بعض نادر کتابیں جو اس تصنیف کیلئے نہایت ضروری ہیں اور یورپ میں چھپ بہی رہی ہیں ابتک پوری چھپکر نہیں آچکیں اس زمانہ انتظار میں بیکار بیٹھنا تو مشکل تہا۔ خیال ہوا کہ کسی اور نامور کی لائف شروع کروں لیکن یہ دیکہکر کہ الفاروق نا تمام ہی طبیعت رُک جاتی تہی اور اس حجاب میں ایک قدم آگے نہ بڑہ سکتا تھا ادھر خلش چین نہ لینے دیتی تہی کہ علمی نام آوروں کے کارنامے دکھانے بہی ضرور ہیں کیونکہ اسلام میں تیغ و قلم کا ہمیشہ ساتہہ رہا ہے

آخر یہ خیال غالب آیا اور چند روز کے لیئے خاندان حکومت کو چھوڑ کر علمی سلسلہ کیطرف توجہ کرنی پڑی فقہ حدیث۔ ادب۔ منطق۔ فلسفہ۔ ریاضی مختلف خاندان سامنے تہے بعض وجوہ سے فقہ کو ترجیح دی اور امام ابوحنیفہ جو فقہ کے بانی ہیں اُسکا ہیرو قرار دیا۔ امام ابوحنیفہ کے اجتہادی مسائل قریباً بارہ سو برس سے تمام ممالک اسلام میں پہیلے ہوئے ہیں۔ بڑی بڑی عظیم الشان اسلامی سلطنتوں میں انہی کے مسائل قانون سلطنت تہے اور آج بہی ہیں۔ اسلامی دنیا کا غالب حصہ آج انہی کے مسائل کا پیرو ہے عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ بلکہ یورپ کی زبانوں میں ان کی فقہ

سوانح عمریاں لکھی گئیں۔ ظلم تھا۔ اگر انکی لائف خود اردو میں لکھی جاتی جو بلحاظ ان ہی کے پیرووں کی زبان ہے۔

امام ابوحنیفہ کو اسلام میں جو رتبہ حاصل ہے اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس کثرت سے انکی سوانح عمریاں لکھی گئیں مسلمانوں میں علم رجال کو جو ترقی ہوئی دنیا میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں۔ تراجم۔ طبقات۔ قرون۔ وفیات۔ اعیان۔ سنین۔ وغیرہ کے نام سے جدا جدا عنوان قائم ہوئے اور ایک ایک عنوان کے ذیل میں اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں کہ انکا شمار بھی مشکل ہے لیکن خاص سیرت (لائف) کے فن کو چنداں ترقی نہیں ہوئی۔ علماء شعراء قضاۃ حکماء میں سے بہت کم ایسے خوش قسمت ہیں جنکے حالات مستقل تصنیفوں میں لکھے گئے جہاں تک ہمکو معلوم ہے صرف امام ابوحنیفہ ایک شخص ہیں جنکے واقعات زندگی کے ساتھ معمول سے زیادہ اعتنا کیا گیا۔ نہایت کثرت کے ساتھ انکی سوانح عمریاں لکھی گئیں اور ان نامور مورخوں نے لکھیں جو اس قابل تھے کہ انکی مستقل سوانح عمریاں لکھی جائیں۔ اس خصوصیت میں اگر کوئی شخص امام ابوحنیفہ کا ہمسر ہے تو صرف امام شافعی ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے حالات میں جسقدر کتابیں لکھی گئیں ان میں سے جسقدر ہم تحقیق کر سکے حسب ذیل ہیں۔

نام کتاب[1]	نام مصنف	کیفیت
عقود المرجان	امام احمد بن محمد طحاوی المتوفی سنہ ۳۲۱ ہجری	امام طحاوی حدیث و فقہ کے مشہور امام اور صرف ایک واسطہ سے امام شافعی کے شاگرد ہیں ان کی تصنیفات میں سے معانی الآثار چھپ گئی ہے یہ عقود المرجان کا خلاصہ ہے۔
قلائد عقود الدرر والعقیان	امام احمد بن محمد طحاوی	
الروضة العالیة المنیفة	امام محمد بن احمد بن شعیب المتوفی سنہ ۳۵۷ ہجری	امام محمد بن احمد حدیث میں حاکم کے استاد ہیں یہ کتاب بیس جلدوں میں ہے (الجواہر المضیئہ ترجمہ محمد بن احمد)۔
مناقب النعمان	شیخ ابو عبد اللہ الصیمری حسین بن علی	قاضی صیمری بڑے فقیہ اور فن حدیث میں دارقطنی کے شاگرد تھے مورخ خطیب نے ان سے روایت کی ہے قاضی ابو الولید باجی نے انکو امام الحنفیہ کہا ہے سنہ ۴۳۶ھ میں وفات پائی یہ تصنیف ایک ضخیم کتاب ہے اور امام ابوحنیفہ کے متعلق تصنیفات کا زیادہ تر ماخذ یہی کتاب ہے (الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ)
مناقب النعمان	ابو العباس احمد بن الصلت الحمانی المتوفی سنہ ۳۰۸ھ	نہایت مفصل کتاب ہے صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نے ابو العباس کی تضعیف کی ہے جیسا کہ حنفیہ کی نسبت انکی عام عادت ہے

[1] یہ فہرست زیادہ تر کشف الظنون سے ماخوذ ہے بعض کتابوں کا نام یا مصنفین اور ان کے زمانہ کے حالات دوسری کتابوں سے لئے گئے ہیں ان موقعوں پر خاص تصریح کر دی گئی ہے

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
شقائق النعمان فی مناقب النعمان	علامہ جار اللہ زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ ہجری	زمخشری ایک نامور مصنف ہیں تفسیر کشاف انکی مشہور کتاب ہے
مناقب النعمان	موفق الدین بن احمد المکی الخوارزمی المتوفی ۵۶۸ھ	یہ کتاب چالیس بابوں میں ہے موفق الدین علامہ زمخشری کے شاگرد فقہ و ادب میں کامل تھے حافظ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں انکا ذکر کیا ہے۔
کشف الآثار	امام عبداللہ بن محمد الحارثی	مشہور مصنف ہیں ابن جوزی نے ابو سعید سے روایت کی ہے کہ حدیث میں انکا اعتبار نہیں ہے صاحب جواہر المضیہ فرماتے ہیں کہ امام عبداللہ کا رتبہ ابن جوزی و ابو سعید دونوں سے بڑھکر ہے
مناقب النعمان	امام ظہیر الدین المرغینانی المتوفی ۵۰۶ھ	مشہور فقیہ ہیں جواہر المضیہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ قاضی خاں انہیں کے شاگرد تھے۔
مناقب النعمان	امام محمد بن محمد الکردری المتوفی ۸۲۸ھ	گیارہ بابوں میں ہے امام کے حالات کے ساتھ انکے مشہور تلامذہ یعنی قاضی ابو یوسف امام محمد عبداللہ بن المبارک امام زفر داود طائی وکیع بن الجراح حفص بن غیاث یحییٰ بن زکریا حسن بن زیاد کے حالات بھی جدا جدا بابوں میں لکھے ہیں یہ کتاب روم میں بہت متداول ہے سلطان مراد ثانی کے حکم سے محمد بن عمر نے ترکی زبان میں اسکا ترجمہ کیا عقود الجمان میں اس کتاب کے اکثر حوالے ہیں۔
مناقب النعمان	ابو القاسم بن کاس	
کتاب الانتہاء فی مناقب الثلاثۃ الفقہاء	قاضی بن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ	امام ابوحنیفہ امام مالک و امام شافعی کے حالات ہیں علامہ ابن خلکان نے قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے قاضی بن عبدالبر بہت بڑے محدث اور امام ہیں آپکی کتاب الاستیعاب صحابہ کے حالات میں ایک مشہور اور مستند کتاب ہے۔
مناقب النعمان	ابو القاسم عبداللہ بن محمد احمد المعروف بابن ابی العوام	
مناقب ابی حنیفہ	علامہ ذہبی	علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کے مناقب ایک جداگانہ رسالہ میں لکھے ہیں علامہ ذہبی بہت

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
		بڑے محدث تھے اس فن میں آپ کے بعد کوئی اس رتبہ کا نہیں ہوا میزان الاعتدال وکاشف وغیرہ ودول الاسلام وتذکرۃ الحفاظ انکی مشہور کتابیں ہیں
المواہب الشریفہ		اسکا ترجمہ ہو گیا ہے جسکا نام تحفۃ السلطان فی مناقب النعمان ہے
بستان فی مناقب النعمان	شیخ محی الدین عبد القادر القرشی المتوفی ۷۷۵ھ	الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ انہیں کی تالیف ہے حدیث میں حافظ تقی الدین سبکی کے شاگرد ہیں۔
تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ	حافظ جلال الدین سیوطی	مشہور مصنف ہیں۔
عقود الجمان فی مناقب النعمان	محمد بن یوسف بن علی الدمشقی	زیادہ تفصیل آگے آئیگی۔
الخیرات الحسان فی مناقب النعمان	حافظ ابن حجر مکی مصنف صواعق محرقہ	مشہور مصنف ہیں۔
قلائد عقود العقیان مناقب النعمان	شمس الدین احمد بن محمد السیواسی	مؤلف کا نام معلوم نہیں دیباچہ سے معلوم ہوا کہ یمن کا کوئی عالم ہے ترکی میں ہے اور نظم ہے۔
مناقب الامام الاعظم	شیخ ابو سعید	
رسالہ فی فضل ابی حنیفہ	عتیق بن داود الیمانی	فارسی زبان میں ہے۔
نظم الجمان	شیخ صارم الدین ابراہیم بن محمد بن دقماق المتوفی ۸۰۹ھ	تین جلدوں میں ہے۔ امام ابوحنیفہ قاضی ابو یوسف وامام محمد ہر ایک کے حال میں الگ الگ جلد ہے۔
مناقب الامام الاعظم	مولانا محمد کامی آفندی قاضی بغداد المتوفی ۱۱۳۶ھ	ترکی میں ہے۔
مناقب الامام الاعظم	مستقیم زادہ سلیمان سعد الدین آفندی	ضخیم کتاب ہے ۱۱۷۸ھ میں تالیف ہوئی ترکی زبان میں ہے

افسوس ہے کہ یہ کتابیں ہمارے ملک میں ناپید ہیں۔ میرے پاس عقود الجمان والخیرات الحسان موجود ہیں اور قلائد العقیان کا ایک عتیق نسخہ نظر سے گزرا ہے۔ الخیرات الحسان اگرچہ اس وجہ سے کہ ابن حجر مکی کی طرف منسوب ہے زیادہ مشہور ہے لیکن وہ خود کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ تمام تر عقود الجمان کا خلاصہ ہے اور خود مصنف نے

دیباچہ کتاب میں اسکا اعتراف کیا ہے۔ قلائد العقیان کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ تر قاضی صیمری کی تصنیف سے ماخوذ ہے۔ عقود الجمان جو نہایت جامع اور مفصل کتاب ہے اور میری تالیف کا عام ماخذ وہی ہے حافظ ابو المحاسن محمد بن یوسف بن علی الدمشقی الصالحی نزیل بر قوقیہ کی تصنیف ہے حافظ ابو المحاسن جلال الدین سیوطی کے شاگرد اور فن حدیث میں ممتاز ہیں یہ کتاب جیسا کہ خود مصنف نے خاتمہ میں تصریح کی ہے ربیع الثانی ۹۳۹ھ میں تمام ہوئی۔ دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے حالات میں بہت سی کتابیں دیکھی ہیں جن میں سے موافق بن احمد خوارزمی کی تصنیف سب سے عمدہ تر اور جامع ہے کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ میں نے اس بحث میں جس قدر کتابیں دیکھیں اگر ان سے لکھنا چاہتا تو یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں تیار ہوتی۔

امام ابو حنیفہ کے حالات میں تصنیف تو مجھکو ایک ہی مل سکی لیکن رجال و تاریخ کی مستند کتابیں جنمیں امام کا ذکر ہے اکثر میری نظر سے گذریں جن میں تاریخ صغیر بخاری۔ معارف ابن قتیبہ۔ مختصر تاریخ خطیب بغدادی انساب سمعانی۔ تہذیب الاسماء واللغات للنووی۔ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی۔ دول الاسلام للذہبی عبر فی اخبار من غبر للذہبی۔ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال للعلامہ صفی الدین الخزرجی خاصۃً قابل ذکر ہیں کیونکہ یہ وہ کتابیں ہیں جن پر آج فن رجال کا مدار ہے اور حدیثوں کی تنقید کے لیے زیادہ تر انہیں تصنیفات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

میری کتاب کا پہلا حصہ جس میں امام ابو حنیفہ کے عام حالات ہیں انہیں تصنیفات سے ماخوذ ہے لیکن دوسرا حصہ جس میں امام صاحب کی طرز اجتہاد و اصول استنباط سے بحث ہے اسکے لیے یہ تمام دفتر بیکار تھا کیونکہ قدیم زمانہ میں سوانح عمریوں کا یہ ڈھنگ ہی نہ تھا کہ حالات زندگی کے ساتھ اس شخص کی تصنیفات یا مسائل سے بھی بحث کرتے۔ مناظرہ اور مذہبی حمایت کے پیرایہ میں البتہ ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ان سے مسائل اور تصنیفات پر تفصیلی ریویو لکھا جا سکتا ہے۔

مثلاً ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے مسائل پر جو اعتراضات کئے اور ثابت کیا کہ وہ حدیث کے مخالف ہیں۔

قاسم بن قطلوبغا المتوفی ۸۷۹ھ نے اس کا مفصل جواب لکھا شمس الائمہ کردری نے منخول کے جواب میں ایک مستقل کتاب لکھی۔ اسی طرح ترجیح مذہب ابی حنیفہ کے نام سے شیخ اکمل الدین محمد بن البابرتی المتوفی ۷۸۶ھ اور شیخ ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ الجرجانی المتوفی ۳۹۷ھ نے مستقل کتابیں لکھیں۔

مورخ سبط ابن جوزی نے ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں لکھی جس کا نام الانتصار لامام ائمۃ الامصار ہے اسی مورخ کی ایک اور تصنیف ہے جو تیس بابوں میں ہے اس میں تفصیلاً امام ابو حنیفہ کے مسائل کی حمایت کی ہے صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ یہ کتاب اپنے باب میں بے نظیر ہے اسی مضمون پر [illegible] بن محمد سدید الموصلی کی ایک تصنیف ہے جس کا نام الانتصار والترجیح ہے سب سے مفصل کتاب الابانۃ ہے جو قاضی ابو جعفر احمد بن عبداللہ بن القاسم کی تصنیف ہے اور چھ بابوں پر منقسم ہے پہلے باب میں ثابت کیا ہے کہ امام کا مذہب اصول سلطنت سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ دوسرا باب اس بحث میں ہے کہ انکے مسائل حدیث و آثار سے ثابت ہیں چھٹے باب میں ان مسائل کا ذکر ہے جن پر مخالفوں نے اعتراض کئے ہیں۔ پھر نہایت تفصیل کے ساتھ انکے جواب دیئے ہیں۔

جواہر المضیہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب دیکھی ہے نہایت عمدہ کتاب ہے اور جو دعویٰ کیا ہے اسکے ثبوت میں بہت سی مثالیں دی ہیں۔

بے شبہ اس قسم کی تصنیفات سے بہت بڑی مدد مل سکتی تھی لیکن میں مصنف کشف الظنون کی سی قسمت کہاں سے لاؤں کہ ان نایاب تصنیفات پر دسترس پا سکتا۔ بڑی تلاش سے شمس الائمہ کردری کا رسالہ بہم پہنچا کہ اس ناداری میں وہ بھی غنیمت ہے بعض باتیں اس رسالہ سے لیں باقی میرا تتبع اور تحقیق ہے جسکے لیئے خوش قسمتی سے حدیث و فقہ کا بڑا ذخیرہ میرے پاس مہیا تھا۔

یہ بات بھی لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ امام ابو حنیفہ کی زندگی کی مختلف حیثیتیں ہیں ولادت نشوونما طریقہ معاش طرز معاشرت وغیرہ اس قسم کے حالات کو تاریخی پیرایہ سے کہتے ہیں روایت میں انکا ثقہ ہونا نہ ہونا محدثانہ بحث ہے انکے مسائل و طریقہ اجتہاد پر رائے قائم کرنی مجتہد کا کام ہے اس لیئے جو کتاب ان تمام حیثیتوں پر شامل ہوگی ضرور ہے کہ مختلف بحثوں میں خود اسکی حیثیتیں بھی بدلتی جائیں اسکا طرز تحریر کہیں مورخانہ ہوگا کہیں محدثانہ اور کہیں دونوں پہلوؤں سے الگ فقیہانہ روش ہوگی۔ اس کتاب میں میں نے ان مختلف حیثیتوں کا لحاظ رکھا ہے جو حالات تاریخ سے متعلق ہیں ان میں شہادتیں کافی سمجھی ہیں جو عام مورخوں کے نزدیک مسلم ہیں۔ جو واقعہ محدثانہ پہلو رکھتا ہے انہیں زیادہ تر تدقیق کی ہے اور تمام تر ان اصول سے کام لیا ہے جو محدثین نے اخبار و روایت کیلئے قرار دیئے ہیں عام ناظرین کو شاید ان بحثوں میں مزہ نہ آئے مگر ایسے ضروری حصے کو میں کیونکر چھوڑ سکتا تھا عام تاریخی واقعات میں گو رواۃ حدیث کیطرح بال کی کھال نہیں نکالی ہے تاہم کوئی ایسا واقعہ نہیں لکھا جس کی سند [illegible] بھی اسکا التزام کیا ہے کہ ایسی کتاب کا حوالہ نہ دیا جائے جو خود میری نظر سے نہ گذری ہو [illegible]

روایتیں اپنی حالت پر قائم نہیں ہیں ان احتیاطوں کے ساتھ بھی ممکن بلکہ ضروری ہے کہ مجھ سے مسامحات اور غلطیاں ہوئی ہوں لیکن میں اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا وقال اللہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا ۔

امام ابوحنیفہ کا نام ونسب وولادت

نعمان نام ۔ ابوحنیفہ کنیت ۔ امام اعظم لقب شجرہ نسب یہ ہے نعمان بن ثابت بن زوطی ابن ماہ یہ امر جیسا کہ خود ناموں کی ترتیب سے ظاہر ہے مسلم ہے کہ امام صاحب عجمی النسل تھے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کس نسل سے تھے اور عرب میں کیونکر آئے خطیب صاحب تاریخ بغدادی نے امام کے پوتے اسمٰعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں اسمٰعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں ہم لوگ نسل فارس سے ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے ہمارے دادا ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ثابت بچپن میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے انہوں نے انکے اور انکے خاندان کے حق میں دعائے خیر کی تھی ہمکو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں ہے اسمٰعیل نے امام صاحب کے دادا کا نام نعمان بتایا اور پردادا کا نام مرزبان حالانکہ عام طور پر زوطی اور ماہ مشہور ہے غالبا جب زوطی ایمان لائے تو انکا نام نعمان سے بدل دیا گیا اسمٰعیل نے سلسلہ نسب جو بیان کیا ہے زوطی کا وہی اسلامی نام لیا اور حمیت اسلام کا مقتضا بھی یہی تھا زوطی کے باپ کا نام غالبا کچھ اور ہوگا اور ماہ مرزبان لقب ہونگے کیونکہ اسمٰعیل کی روایت سے استقدر اور بھی ثابت ہے کہ انکا خاندان فارس کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا فارس میں رئیس شہر کو مرزبان کہتے ہیں اسی لئے نہایت قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں امام حافظ ابوالمحاسن نے بھی قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہونگے انہوں نے قیاسا کہا کیونکہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے لیکن میں یقینا کہتا ہوں کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان کے ایک معنی ہیں ماہ دراصل وہی مہ ہے جسکے معنے بزرگ اور سردار کے ہیں مشہور مصرع ہے ؏ نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را عربی لہجہ نے مہ کو ماہ کر دیا ہے ۔

بعض مورخوں نے زوطی کی نسبت لکھا ہے کہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے اور قبیلہ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خرید لیا کچھ دنوں تک غلامی میں رہے پھر اسنے آزاد کر دیا اسی لئے امام کا خاندان موالی بنی تیم اللہ کہلاتا ہے مخالفوں نے جنکو امام کی تنقیص میں مزہ آتا ہے اس روایت کو زیادہ چمکایا ہے حالانکہ اس قسم کی غلامی ثابت بھی ہو تو شان کی کیا بات ہے زمانہ نے خاندان کسریٰ پر اس لقب کا داغ لگایا ہے ہمارے علماء حضرت ہاجرہ کو کنیز تسلیم کرتے ہیں اگرچہ توریت سے ثابت نہیں اسلام کے قریب زمانہ میں اکثر وہ لوگ حدیث و روایت کے امام نظر آتے ہیں جن پر اس قسم کی غلامی کا اطلاق ہو چکا تھا امام حسن بصری ابن سیرین طاؤس عطا بن یسار نافع عکرمہ مکحول جو اپنے زمانہ کے مقتدائے عام تھے خود یا انکے باپ دادا غلام رہ چکے تھے زوطی کا غلام ہونا بھی ثابت ہو تو کچھ عار نہیں لیکن تاریخی شہادتیں اسکے خلاف ہیں امام کے نسب میں اور بھی اختلافات ہیں ابو مطیع نے انکو نسل عرب سے شمار کیا ہے اور سلسلہ نسب یوں بتایا ہے نعمان بن ثابت بن زوطی بن یحییٰ بن زید بن اسد بن راشد الانصاری حافظ ابو اسحاق نے شجرہ نسب کے

۵ مختصر تاریخ بغداد ولابن حجر ۔ تذکرہ ترجمہ امام ابوحنیفہ

متعلق یہ روایت نقل کی ہے نعمان بن ثابت بن کاؤس بن ہرمز بن بہرام زوطی کے مقام سکونت میں بھی اختلاف ہے اور یہ اختلاف
ضرور ہے تھا جیسا کہ زوطی اوّل اوّل جب عرب میں آئے ہوں گے تو برسوں تک انکی حالت بیگانگی کی حالت رہی ہوگی لوگوں کو
انکے حالات کے ساتھ چنداں اعتنا نہوگا اور ہوگا تو زبان کی اجنبیت کیوجہ سے صحیح حالات معلوم ہوسکے ہونگے معاشرت کی ضرورت نے
زوطی کو مجبور کیا ہوگا کہ وہاں کے رہنے والوں سے دوستانہ تعلق پیدا کریں یہ طریقہ عرب میں عام طور پر جاری تھا اور
اس قسم کے تعلق کو ولاء کہتے تھے جسکا مشتق مولی ہے مولی غلام کو بھی کہتے ہیں اسیطرح لفظی شارکت سے بعضوں نے
زوطی کو غلام سمجھ لیا اور رفتہ رفتہ یہ خیال روایت کی شکل پکڑ کر کسی قدر عام ہوگیا جسکی وجہ سے اسمٰعیل کو دفع دخل کرنا پڑا کہ
”واللہ ہمارا خاندان کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آیا“ اسمٰعیل نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے اسوجہ سے دقیقہ سنج مورخوں نے
اس بحث میں انہی کی روایت پر اعتماد کیا ہے صاحب لبیت ادر لی بجا فیہا قاضی صیمری نے جو بڑے پایہ کے مصنف ہیں
صاف تصریح کی ہے کہ زوطی بنی تیم اللہ کے حلیف[1] یعنی ہم قسم تھے اس روایت کا جس میں زوطی کی غلامی کا ذکر ہے یہ حصہ بھی
غلط ہے کہ وہ کابل سے گرفتار ہوکر آئے زوطی کے باپ دادا کے نام فارسی زبان کے ہیں خود امام ابوحنیفہ کی نسبت ثابت
ہے کہ وہ خاندانی حیثیت سے فارسی زبان جانتے تھے یہ ظاہر ہے کہ کابل کی زبان فارسی نہ تھی۔

زوطی کی نسبت ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ خاص کس شہر کے رہنے والے تھے مورخوں نے مختلف شہروں کے نام لئے ہیں جنمیں سے
کسی کی نسبت ترجیح کا دعوی نہیں کیا جا سکتا یقینی طور پر جو ثابت ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ اقلیم فارس اور فارسی
نسل سے تھے یہ ممالک اس زمانہ میں اسلامی اثر سے معمور تھے اور اکثر بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کرتے جاتے تھے غالباً زوطی
اسی سلسلے میں اسلام لائے اور جوش شوق یا خاندان والوں کی ناراضی سے جسکا باعث تبدیل مذہب تھا عرب کا رخ کیا
یہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت کا زمانہ تھا اور شہر کوفہ دار الخلافہ ہونیکا شرف رکھتا تھا اس تعلق سے زوطی نے کوفہ کو
پسند کیا اور وہیں سکونت اختیار کی کبھی کبھی جناب امیر کے دربار میں حاضر ہوتے اور خلوص عقیدت کے آداب بجالاتے ایک بار
نوروز کے دن کہ پارسیوں کی عید کا دن ہے فالودہ نذر کے طور پر بھیجا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ”نوروزنا کل یوم“ یعنی ہمارے ہاں
ہر روز نوروز ہے ثابت امام ابوحنیفہ کے پدر بزرگوار کوفہ ہی میں پیدا ہوئے زوطی نے نیک فال لڑکے کو حضرت علی کی
خدمت میں حاضر کیا آپ نے بزرگانہ شفقت فرمائی اور انکے اور انکی اولاد کے حق میں دعائے خیر کی۔

ثابت کے حالات زندگی بالکل نامعلوم ہیں۔ قرائن سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ تجارت کے ذریعہ سے زندگی بسر کرتے تھے
چالیس برس کی عمر ہوئی تو خدا نے فرزند عطا کیا جسکا نام والدین نے نعمان رکھا لیکن زمانہ نے آگے چلکر امام اعظم کے لقب سے پکارا
اسوقت عبدالملک بن مروان جو دولت مروانیہ کا دوسرا تاجدار شمار کیا جاتا ہے مسند آرائے خلافت تھا یہ وہ عہد تھا۔ کہ
رسول اللہ صلعم کے جمال مبارک سے جن لوگوں کی آنکھیں روشن ہوئی تھیں انمیں سے چند بزرگ موجود تھے جن میں سے

---

[1] دیکھو قلائد عقود العقیان باب اول علامہ نووی نے تہذیب الاسماء واللغات کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ مولی کا لفظ زیادہ تر حلیف ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے ۱۲

بعض امام ابوحنیفہ کی آغاز شباب تک زندہ ہی انس بن مالک نے جو رسولؐ کے خادم خاص تھے ۹۳ھ میں وفات پائی
سہل بن سعد نے ۹۱ھ میں انتقال کیا اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ تو سو ہجری تک زندہ رہی لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ
امام ابوحنیفہ نے کسی سے بھی کوئی حدیث روایت کی اسپر لوگونکو نہایت تعجب ہے اور مورخوں نے اسکی مختلف
اسباب خیال کئے ہیں بعضوں کی رائے ہی کہ امام ابوحنیفہ نے اسوقت تک کسی قسم کی تعلیم نہیں حاصل کی تھی انکے
باپ دادا تجارت کرتے تھے اسلئے انکی نشو و نما بھی ایک عام تاجر کی حیثیت سے ہوئی بڑے ہوئے امام شعبی کی ہدایت
سے علم کی طرف متوجہ ہوئے اسوقت موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا یعنی صحابہ میں سے کوئی باقی نہیں رہا تھا لیکن میرے
نزدیک اسکی ایک وجہ اور ہی محدثین میں باہم اختلاف ہی کہ حدیث سیکھنے کیلئے کم از کم کیا عمر مشروط ہی اس امر میں اہل
کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درسگاہ میں شامل نہیں ہو سکتا تھا[1] انکی نزدیک
چونکہ حدیثیں بالمعنی روایت کی گئی ہیں اس لئے ضرور ہی کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کے سمجھنے
اور اس کے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہی غالباً یہی قید تھی جس نے امام ابوحنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا اور سچ
پوچھو تو یہ قید مصلحت سے خالی بھی نہیں جن لوگوں نے دس بارہ برس کے سن میں صحابہ سے حدیثیں سنیں انکی روایتیں اس لحاظ
سے تو نہایت قابل اعتماد ہیں کہ رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہی لیکن اثبات کا قوی احتمال موجود ہی کہ کمسنی کی
وجہ سے مضمون حدیث کی تمام خصوصیتیں خیال میں نہ آئی ہوں جسکی وجہ سے ادائے مطلب میں عظیم الشان غلطیاں پیدا
ہو جاتی ہیں بہر نوع وجہ جو کچھ ہو واقعہ یہ ہی کہ امام ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی تاہم یہ شرف
انکی قسمت میں تھا کہ جن آنکھوں نے پیغمبر کا جمال دیکھا تھا انکے دیدار سے عقیدت کی آنکھیں روشن کیں یہ واقعہ ایک تاریخی
واقعہ ہے لیکن چونکہ اس سے تابعیت کا رتبہ حاصل ہوتا ہے اسلئے یہ مسئلہ مذہبی پیرایہ میں آگیا ہی اور اسپر بڑی بحثیں
قائم ہو گئی ہیں بے شبہ امام ابوحنیفہ کو اس شرف پر ناز تھا اور بجا تھا۔ کہ انہوں نے حضرت انس صحابی کو اپنی
آنکھوں سے دیکھا تھا۔ غیر قومیں ان باتوں کو معمولی امر خیال کرینگی۔ لیکن ان واقعات سے اس محبت
اور جوش عقیدت کا اندازہ ہوتا ہی جو مسلمانوں کو رسول اللہ اور انکے تعلق کی وجہ سے صحابہ کیساتھ تھا سچ ہی شعر

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا — بلبل ہمیں کہ قافیہ گل بود بس ست

ہمارے زمانہ کے بعض مصنفوں نے امام کی تابعیت سے انکار کیا ہی اور یہ کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی لوگوں کو
شبہہ ہوا تھا لیکن محدثین نے جنکو اس قسم کی بحثوں کے طے کرنیکا سب سے زیادہ حق حاصل ہی امام کے موافق فیصلہ
کیا حافظ ابن حجر عسقلانی سے کہ فن حدیث کے ایک عنصر ہیں فتویٰ لیا گیا انہوں نے یہ جواب لکھا امام ابوحنیفہ کے
زمانہ میں کئی صحابی موجود تھے اسلئے کہ امام ۸۰ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے اور اسوقت وہاں صحابہ میں

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۸ ۔ ۱۲۷۵ھ۔

سے عبد اللہ بن ابی اوفی موجود تھے کیونکہ وہ ۸۲ھ میں یا اسکے بعد مرے اور ابن سعد نے روایت کی ہے جسکی سند میں کچھ نقصان نہیں کہ امام ابو حنیفہ نے انس بن مالک کو دیکھا تھا۔ ان دو صحابہ کے سوا اور اصحاب بھی مختلف شہروں میں موجود تھے۔ بعض لوگوں نے ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جو امام نے صحابہ سے روایت کیں لیکن ان حدیثوں کی سندیں ضعف سے خالی نہیں اور صحیح یہی ہے کہ امام انکے ہمزمان تھے اور بعض صحابہ کو دیکھا تھا جیسا کہ ابن سعد نے روایت کی ہے پس اس لحاظ سے امام ابو حنیفہ تابعین کے طبقہ میں ہیں اور یہ امر اور اماموں کی نسبت جو انکے ہمعصر تھے مثلاً اوزاعی شام میں حماد بن سلمہ بصرہ میں ثوری کوفہ میں مالک مدینہ شریف میں لیث مصر میں ثابت نہیں ہوا واللہ اعلم

ابن سعد کی جس روایت کا حافظ ابن حجر نے حوالہ دیا ہے وہ صرف ایک واسطہ یعنی سیف بن جابر کے ذریعہ سے امام ابو حنیفہ تک پہنچتی ہے یعنی ابن سعد نے سیف بن جابر سے سنا اور سیف نے خود امام ابو حنیفہ سے۔ ابن سعد وہ شخص ہیں جنکی نسبت علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ اگرچہ انکا شیخ واقدی ثقہ نہیں مگر وہ خود نہایت ثقہ ہیں۔ سیف بن جابر بصرہ کے قاضی اور صحیح الروایت تھے اس لحاظ سے یہ روایت اس قدر صحیح اور مستند ہے کہ قوی سے قوی حدیث بھی اس سے زیادہ صحیح نہیں ہو سکتی اسی بنا پر تمام بڑے بڑے محدثین مثلاً خطیب بغدادی علامہ سمعانی مصنف کتاب الانساب علامہ نووی شارح صحیح مسلم علامہ ذہبی حافظ ابن حجر عسقلانی زین الدین عراقی سخاوی ابو المحاسن دمشقی نے جن پر اب حدیث و روایت کا دارومدار ہے قطعاً فیصلہ کر دیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا تھا۔

ابن خلکان نے بھی خطیب بغدادی کا یہ قول نقل کیا ہے لیکن چونکہ مورخ مذکور نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو کسی صحابی سے ملاقات اور روایت حاصل نہیں ہوئی اسلئے لوگوں کو دھوکا ہوا کہ ابن خلکان تابعیت کے منکر ہیں حالانکہ ابن خلکان کو ملاقات اور روایت سے انکار ہے نہ رویت سے لیکن اگر ابن خلکان کی عبارت کا وہی مطلب ہو جو بعض ظاہر بینوں نے قرار دیا ہے تاہم کون کہہ سکتا ہے کہ ایسے بڑے بڑے محدثین کے مقابلہ میں انکی شہادت کچھ بھی اعتبار کے قابل ہوگی اصول روایت میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ اگر کسی واقعہ کے اثبات و نفی میں برابر درجے کی شہادتیں موجود ہوں تو اثبات کا اعتبار ہوگا۔ یہاں نفی کی شہادت ثبوت کے مقابلہ میں بالکل کم رتبہ ہے۔

بعض حنفیوں نے رویت سے بڑھکر روایت کا بھی دعوی کیا ہے اور تعجب ہے کہ علامہ عینی شارح ہدایہ بھی اس غلطی کے حامی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ دعوی ہرگز پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں ان تمام حدیثوں کو مع سند نقل کیا ہے جنکی نسبت یہ خیال ہے کہ امام نے صحابہ سے سنیں تھیں پھر اصول حدیث سے انکی جانچ کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ ہرگز ثابت نہیں۔ محدثانہ بحثیں اس وقت مطلب نہیں صاف بات یہ ہے کہ امام نے صحابہ سے

لہ اس فتوی کو حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں بعینہ نقل کیا ہے اور ہم نے اسی کا لفظی ترجمہ کیا ہے ۱۲ سلہ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ۱۲ سلہ ان سب کی تصریحیں ۱۲ [illegible] تاریخ خطیب بغدادی کتاب الانساب تہذیب الاسماء واللغات [illegible] [illegible] برقی خیارات [illegible] ہی و تہذیب التہذیب [illegible] ابو حنیفہ کا ترجمہ دیکھو ۱۲

ایک بھی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے تلامذہ خاص اسکو شہرت دیتے لیکن قاضی ابو یوسف امام محمد حافظ عبد الرزاق
بن ہمام عبداللہ بن المبارک ابو نعیم فضل بن دکین مکی بن ابراہیم۔ ابو عاصم النبیل وغیرہ سے کہ امام کے مشہور
اور با اخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھئے تو زیادہ تر انہیں لوگوں نے انکی نام آوری کے سکے بٹھائے ہیں ایک حرف بھی
اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں۔

صحابہ از روایت نہیں

امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے حقیقی کنیت نہیں ہے امام کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا یہ کنیت وصفی
معنی کے اعتبار سے ہے ابو الملۃ الحنیفۃ قرآن مجید میں خدا نے مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا ہے واتبعوا ملۃ ابراہیم حنیفا
امام ابو حنیفہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابو حنیفہ اختیار کی۔

سن رشد تعلیم و تربیت شیوخ و اساتذہ

امام کے بچپن کا زمانہ نہایت پر آشوب زمانہ تھا حجاج بن یوسف خلیفہ عبد الملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا اور
ہر طرف ایک قیامت برپا تھی چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کی وجہ سے عرب و عراق میں ابتک مروانی حکومت کے پاؤں
نہیں جمے تھے حجاج کی سفاکیاں زیادہ تر انہیں لوگوں پر مبذول تھیں جو ائمہ مذہب اور علم و فضل کی حیثیت سے
مقتدائے عام تھے حضرت عمر بن عبد العزیز نے نہایت سچ کہا ہے اگر اور پیغمبروں کی امتیں سب ملکر اپنے زمانہ کے بدکاروں
کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو پیش کریں تو واللہ ہمارا پلہ بھاری رہیگا عبد الملک نے ۸۶ھ میں وفات کی اور اسکا
بیٹا ولید تخت نشین ہوا ولید کے زمانہ میں اگرچہ فتوحات نے نہایت ترقی کی اسپین و سندھ دو بڑی مملکتیں اسلام کے
قبضہ میں آگئیں خوارزم و سمرقند سے گزر کر کابل و فرغانہ پر علم اسلام نصب ہوا مغرب کی طرف جزائر منورقہ و میورقہ
فتح ہوئے لیکن اسلام کی روحانی برکتوں کا نشان نہ تھا ملکی عہدہ داروں میں سے جو لوگ جسقدر زیادہ معزز اور با اختیار تھے
اسی قدر ظالم اور سفاک تھے اسی زمانہ کی نسبت حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ ولید شام میں حجاج عراق
میں عثمان حجاز میں۔ قرہ مصر میں واللہ تمام دنیا ظلم سے بھر گئی" اس عالمگیر آشوب میں بھی اگرچہ درس و
تعلیم کا سلسلہ بند نہیں ہوا تھا۔ جا بجا حدیث و روایت کی درسگاہیں موجود تھیں۔ اور فقہا و محدثین
باوجود بے اطمینانی کے درس و تدریس میں مشغول تھے تاہم اسلام کی حوصلہ مندیوں اور جوش کے
لحاظ سے جس قدر تھا نہایت کم تھا۔

ملک کی خوش قسمتی تھی کہ حجاج ۹۵ھ میں مر گیا ولید نے بھی ۹۶ھ میں وفات پائی ولید کے بعد سلیمان بن
عبد الملک نے مسند خلافت کو زینت دی جسکی نسبت مورخین کا بیان ہے کہ خلفائے بنی امیہ میں سب سے افضل تھا سلیمان
نے اسلامی دنیا پر سب سے بڑا یہ احسان کیا کہ عمر بن عبد العزیز کو مشیر سلطنت بنایا اور مرتے دم تحریری وصیت کی
کہ میرے بعد عمر بن عبد العزیز تخت نشین ہوں سلیمان نے ۹۹ھ میں وفات پائی اور وصیت کے موافق عمر بن عبد العزیز

مسند خلافت پر بیٹھے انکی خلافت نے دفعتہً حکومت مروانی کا رنگ بدلدیا۔ اور تمام ملک میں عدل و انصاف
علم و عمل خیر و برکت کی جان تازہ ڈالدی ایک مدت سے حضرت علیؓ پر خطبوں میں جو لعن طعن پڑھا جاتا تھا یکلخت
موقوف کردیا شہزادگان بنو اُمیہ کے ہاتھوں سے جاگیریں چھین لیں۔ جہاں جہاں ظالم عمال تھے یک قلم معزول
کردئے سب سے بڑھکر یہ کہ علوم مذہبی کو وہ رونق دی کہ گھر گھر یہی چرچے پھیل گئے امام زہری کو حکم دیا کہ حدیثوں کو یکجا
کریں یہ مجموعہ تیار ہوا تو ممالک اسلامیہ میں اسکی نقلیں بھیجوائیں غرض حجاج اور ولید کے عہد تک تو امام ابو حنیفہ
کو تحصیل علم کی طرف متوجہ ہونیکی نہ رغبت ہو سکتی تھی نہ کافی موقع مل سکتا تھا تجارت باپ دادا کی میراث تھی
اسلئے خز بافی کا کارخانہ قائم کیا اور حسن تدبیر سے اسکو بہت کچھ ترقی دی لیکن سلیمان کے عہد خلافت میں جب
درس و تدریس کے چرچے زیادہ عام ہوئے تو انکو دلمیں بھی ایک تحریک پیدا ہوئی حسن اتفاق یہ کہ ان ہی دنوں میں
ایک اتفاقی واقعہ پیش آیا جس سے ارادہ کو اور بھی استحکام ہوا۔

ایک دن بازار جاتے تھے امام شعبی جو کوفہ کے مشہور امام تھے انکا مکان راہ میں تھا سامنے سے نکلے تو انہوں نے یہ سمجھکر
کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے پاس بلالیا اور پوچھا کہ کہاں جاتے ہو انہوں نے ایک سوداگر کا نام لیا امام شعبی نے کہا
میرا مطلب یہ تھا تم پڑھتے کس سے ہو؟ انہوں نے افسوس کیساتھ جواب دیا کہ کسی سے بھی نہیں شعبی نے کہا کہ مجھکو تم
میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں تم علما کی صحبت میں بیٹھا کرو" اس نصیحت نے انکے دلمیں گھر کرلیا اور نہایت اہتمام
سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے اسوقت تک علم جس چیز کا نام تھا۔ وہ ادب انساب ایام العرب فقہ حدیث کلام تھا
کلام اگرچہ آجکل کا علم کلام نہ تھا۔ کیونکہ اس عہد تک مسائل اسلام پر فلسفہ کا پرتو نہیں پڑا تھا تاہم ان علوم
میں وقت نظر بلندی خیال زور طبع کیلئے اس سے وسیع تر میدان نہ تھا۔ اسلام جب تک عرب کی آبادی میں
محدود رہا اسکے مسائل نہایت سادہ اور صاف رہے لیکن فارس اور مصر و شام پہنچکر ان میں رنگ آمیزیاں
شروع ہوگئیں ان ملکوں میں اگرچہ حکمت و فلسفہ کا وہ زور باقی نہ رہا تھا تاہم فلسفہ کے بگڑے بگڑائے
مسائل عام لوگوں میں پہیلے ہوئے تھے اور طبیعتیں عموماً باریک بینی اور احتمال آفرینی کی عادی تھیں قرآن پاک
میں خدا کی ذات و صفات مبدا و معاد وغیرہ کے متعلق جو کچھ مذکور ہے عرب نے اسکو اجمالی نگاہ سے دیکھا اور
خلوص اعتقاد کے لئے وہی کافی تھا بخلاف اسکے فارس و شام میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہوگئیں جو وسعت
تمدن اور ترقی خیالات کے لحاظ سے ضرور پیدا ہونی چاہئیں تھیں تنزیہ و تشبیہ صفات عینیت و غیریت
حدوث و قدم غرض اس قسم کے بہت سے مضامین نکل آئے جن کو بحث و تدقیق کی وسعت نے مستقل
فن بنادیا رفتہ رفتہ عام اعتقادی مسائل میں بھی موشگافیاں شروع ہوگئیں اور رایوں کے اختلافات سے
مختلف فرقے بنتے گئے جو قدری مرجی معتزلی جہمی خارجی رافضی کہلائے۔ یہ فتنہ یہاں تک بڑھا کہ اہل حق جو

تحصیل علم کی تحریک

عقود الجمان باب سادس ۱۲

ابتک ان بحثوں سے الگ تھے انکو بھی مخالفت کی ضرورت سے اس طرف متوجہ ہونا پڑا اسطرح علم کلام پیدا ہو گیا
جسکو تدوین و ترتیب کی وسعتنے اس رتبہ کو پہنچایا کہ بڑے بڑے آئمہ مذہب (مثلاً امام اشعری و ابو منصور ماتریدی) کا مایہ ناز ٹھہرا

علم کلام کی طرف توجہ

علم کلام زمانہ مابعد میں اگرچہ مدون و مرتب ہو کر اکتسابی علوم میں داخل ہو گیا لیکن اسوقت تک اسکی تحصیل کیلئے
صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں قدرت نے امام ابوحنیفہ میں یہ تمام باتیں جمع کردی تھیں رگوں
میں ایرانی خون اور طبیعت میں زور اور جدت تھی مذہبی روایتیں اور مسائل کوفہ میں ایسے عام تھے کہ ایک معمولی شخص بھی
تعلیم یافتہ لوگوں میں اٹھ بیٹھکر حاصل کرسکتا تھا امام ابوحنیفہ نے اس فن میں وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذہ فن
بحث کرتے ہوئے انسے جی چراتے تھے تجارت کی غرض سے اکثر بصرہ جانا ہوتا تھا جو ان تمام فرقوں کا دنگل اور خاصکر خارجیوں کا
مرکز تھا۔ اباضیہ صفریہ حشویہ وغیرہ سے اکثر بحثیں کیں اور ہمیشہ غالب رہے اگرچہ آخر ان جھگڑوں کو چھوڑکر وہ علم فقہ
پر مائل ہوئے اور تمام عمر اسکی نذر کردی لیکن اخیر تک یہ مذاق طبیعت سے نہ گیا خارجیوں وغیرہ سے انکے مناظرے علم کلام
کی جان ہیں انکی علمی زندگی کے تذکرے میں ہم بعض واقعات کی تفصیل بیان کریں گے۔

شروع میں تو امام صاحب اس فن کے بہت دلدادہ رہے لیکن جس قدر عمر اور تجربہ بڑھتا جاتا تھا انکی طبیعت رکتی جاتی
تھی خود انکا بیان ہے کہ آغاز عمر میں اس علم کو سب سے افضل جانتا تھا کیونکہ مجکو یقین تھا کہ عقیدہ و مذہب کی بنیاد انہیں
باتوں پر ہے لیکن پھر خیال آیا کہ صحابہ کبار ان بحثوں سے ہمیشہ الگ رہے حالانکہ ان باتوں کی حقیقت انسے زیادہ کون
سمجھ سکتا تھا انکی توجہ جس قدر تھی فقہی مسائل پر تھی اور یہی مسائل وہ دوسروں کو تعلیم دیتے تھے ساتھ ہی خیال
گزرا کہ جو لوگ علم کلام میں مصروف ہیں انکا طرز عمل کیا ہے اس خیال سے اور بھی تبدیلی پیدا ہوئی کیونکہ ان لوگوں میں
وہ اخلاقی پاکیزگی اور روحانی اوصاف نہ تھے جو اگلے بزرگوں کا تمغائی امتیاز تھا۔ اسی زمانہ میں ایکدن ایک عورت
نے آکر مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے طریقے پر طلاق دینی چاہتا ہے کیونکر دے خود تو بتا نہ سکا عورت کو
ہدایت کی کہ امام حماد جنکا حلقہ درس یہاں سے قریب ہے جاکر پوچھے یہ بھی کہدیا کہ حماد جو کچھ بتائیں مجھ سے کہتے جانا تھوڑی
دیر کے بعد واپس آئی اور کہا حماد نے یہ جواب دیا مجکو سخت عبرت ہوئی اسیوقت اٹھ کھڑا ہوا اور حماد کے حلقہ درس میں جا بیٹھا

حماد کی شاگردی

امام کی ابتدائی تحصیل کے متعلق ایک اور روایت ہے جسکا سلسلہ سند خطیب نے امام تک پہنچایا ہے یعنی امام صاحب کا بیان ہے کہ
جب میں نے تحصیل علم پر توجہ کی تو بہت سے علوم پیش نظر تھے اور میں متردد تھا کہ کسکو اختیار کروں سب سے پہلے کلام کا خیال آیا
ساتھ ہی دل میں گزرا کہ یہ کوہ کندن و کاہ برآوردن ہے ایک مدت کی محنت و دردسری کے بعد کمال بھی پیدا کیا تو علانیہ اظہار
نہیں کرسکتے کہ لوگ الحاد کی تہمت نہ لگائیں ادب اور قرأت کا بجز اسکے کہ مکتب پڑھائیں اور کچھ فائدہ نہ تھا۔ شعر و
شاعری میں ہجو اور جھوٹی مدح کے سوا اور کیا دھرا تھا۔ حدیث کیلئے اولاً تو ایک مدت درکار ہے اس کے علاوہ

لہ عقود الجمان باب سادس ۱۲

کم سنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہ فکر رہتی کہ لوگ جرح و تعدیل کا نشانہ نہ بنائیں آخر فقہ پر نظر پڑی اور دنیا و دین
کی حاجتیں اس سے وابستہ نظر آئیں لیکن یہ روایت محض غلط ہے تمام معتمد روایتیں اسکے خلاف ہیں جو ریمارک امام صاحب
کی طرف منسوب کئے ہیں ایسے جاہلانہ ریمارک ہیں کہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی نسبت نہیں کیجا سکتی اس روایت
کو صحیح مانیں تو ماننا پڑیگا کہ حدیث و کلام کی طرف امام ابوحنیفہ نے توجہ ہی نہیں کی حالانکہ ان فنون میں امام ابو
حنیفہ کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے یہ ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کس فن کو اپنا خاص
فن بنائیں اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتیں فقہ سے وابستہ دیکھیں اسی کو ترجیح دی یہی بات طرز بیان کی رنگ آمیزیوں
سے اس حد تک پہنچ گئی جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ روایت باایں ہمہ کہ قید کتابت میں آ چکی تھی عقود الجمان
کے مصنف نے نقل کی تو بہت سے اختلافات پیدا ہو گئے ابن حجر نے تاریخ بغداد کا جو اختصار کیا ہے ہمارے پیش نظر
ہے اس میں اس روایت کا جہاں ذکر ہے ہر علم کے متعلق جو ریمارک ہیں دوسروں کی طرف منسوب ہیں امام ابوحنیفہ
کی نسبت صرف انکا تسلیم کرنا بیان کیا ہے۔

حماد کوفہ کے مشہور امام اور استاد وقت تھے حضرت انسؓ سے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے
تابعین کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے اسوقت کوفہ میں انہیں کا مدرسہ مرجع عام سمجھا جاتا تھا مسعر و شعبہ
نے جو ائمہ فن خیال کئے گئے ہیں انہیں کے حلقہ درس میں تعلیم پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (صحابی) سے
جو فقہ کا سلسلہ چلا آتا تھا اسکا مدار انہیں پر رہ گیا تھا۔ ان باتوں کے ساتھ زمانہ نے بھی انکا ساتھ دیا تھا یعنی دولتمند
اور فارغ البال تھے اور اسوجہ سے نہایت اطمینان اور دلجمعی کیساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے ان وجوہ سے امام
ابوحنیفہ نے علم فقہ پڑھنا چاہا تو استادی کیلئے انہی کو انتخاب کیا اسوقت درس کا طریقہ یہ تھا کہ استاد کسی خاص
مسئلہ پر زبانی گفتگو کرتا تھا جسکو شاگرد یاد کر لیتے اور کبھی لکھ بھی لیا کرتے تھے امام ابوحنیفہ پہلے دن بائیں صف
میں بیٹھے کیونکہ مبتدیوں کیلئے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا لیکن چند روز کے بعد جب حماد کو تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقہ
میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں انکا ہمسر نہیں ہے تو حکم دیدیا کہ ابوحنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں۔

امام نے اگرچہ اسی زمانہ میں حدیث پڑھنی شروع کر دی تھی جسکا تفصیلی بیان آگے آتا ہے تاہم حماد کے حلقہ درس میں
ہمیشہ حاضر ہوتے رہے خود انکا بیان ہے کہ میں دس برس تک حماد کے حلقہ درس میں حاضر ہوتا رہا پھر خیال ہوا کہ اب
خود درس و تعلیم کا سلسلہ قائم کروں لیکن استاد کا ادب مانع ہوتا تھا اتفاق سے انہیں دنوں حماد کا ایک رشتہ دار جو
بصرہ میں رہا کرتا تھا مر گیا حماد کے سوا اور کوئی اسکا وارث نہ تھا اس ضرورت سے انکو بصرہ جانا پڑا چونکہ مجھکو اپنا جانشین
کر گئے تھے تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں استاد
سے میں نے کوئی روایت نہیں سنی تھی اسلئے اپنے اجتہاد سے جواب دئے اور احتیاط کے لئے ایک یادداشت لکھتا گیا۔

دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے میں نے وہ یادداشت پیش کی کل ساٹھ مسئلے تھے انمیں سے بیس میں غلطیاں نکالیں باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں میں نے عہد کیا کہ حماد جب تک زندہ ہیں انکی شاگردی کا تعلق کبھی نہ چھوڑونگا۔ حماد نے سنہ ۱۲۰ھ میں انتقال کیا۔ امام ابو حنیفہ نے اگرچہ حماد کے سوا اور بزرگوں کی خدمت میں بھی فقہ کی تحصیل کی لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن خاص میں وہ حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ انکی تعظیم کرتے تھے۔

حدیث کی تحصیل

حماد کے زمانہ میں ہی امام نے حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق جو امام کو مطلوب تھی حدیث کی تکمیل کے بغیر ممکن نہ تھی۔ اُسوقت تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے زور شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ سند اور روایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے صحابہ جنکی تعداد کم از کم دس ہزار ہو تمام ممالک میں پہنچ گئے تھے اور ان کی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ لوگ جہاں کسی صحابی کا نام سُن پاتے تھے ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ چلکر رسول اللہ صلعم کے حالات سنیں یا مسائل شرعیہ کی تحقیق کریں اسطرح تابعین کا جو صحابہ کے شاگرد کہلاتے تھے بیشمار گروہ پیدا ہو گیا تھا جن کے سلسلے تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے تھے جن شہروں میں صحابہ یا تابعین کا زیادہ مجمع تھا وہ دار العلم کے لقب سے ممتاز تھے ان میں مکہ معظمہ مدینہ منورہ یمن بصرہ کوفہ کو خاص امتیاز تھا کیونکہ اسلامی آثار کے لحاظ سے کوئی شہر ان مقامات کا ہمسر نہ تھا

کوفہ

کوفہ جو امام ابو حنیفہ کا مولد و مسکن تھا اسلام کی وسعت و تمدن کا گویا دیباچہ تھا اہل عرب کی روز افزوں ترقی کے لئے عرب کی مختصر آبادی کافی نہ تھی۔ اس ضرورت سے حضرت عمر نے [illegible] بن ابی وقاص کو جو اُسوقت حکومت کسریٰ کا خاتمہ کر کے مداین میں اقامت گزیں تھے خط لکھا کہ مسلمانوں کیلئے ایک شہر بساؤ جو اُنکا دار الہجرت اور قرارگاہ ہو سعد نے کوفہ کی زمین پسند کی سنہ ۱۷ھ میں اُسکی بنیاد کا پتھر رکھا گیا اور معمولی سادہ وضع کی عمارتیں تیار ہوئیں اُسی وقت عرب کے قبائل ہر طرف سے آآکر آباد ہونے شروع ہوئے یہانتک کہ تھوڑے دنوں میں وہ عرب کا ایک خطہ بن گیا حضرت عمرؓ نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیوں کے لیے جو وہاں جاکر آباد ہوئے تھے روزینے مقرر کر دیئے چند روز میں جمعیت کے اعتبار سے کوفہ نے وہ حالت پیدا کی کہ جناب فاروق کوفہ کو رمح اللہ، کنز الایمان، جمجمۃ العرب یعنی خدا کا علم، ایمان کا خزانہ، عرب کا سر، فرمایا کرتے تھے اور خط لکھتے تو اس عنوان سے لکھتے الی راس الاسلام الی راس العرب، حضرت علیؓ نے اس شہر کو دار الخلافہ قرار دیا صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص جنمیں چوبیس وہ بزرگ تھے جو غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلعم کے ہمرکاب رہے تھے وہاں گئے اور بہتوں نے سکونت اختیار کر لی۔ ان بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے تھے اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کا مدرسہ بن گیا تھا[1]

[1] یہ تمام تفصیل فتوح البلدان بلاذری ذکر تاتار کوفہ و معجم البلدان و فتح المغیث صفحہ ۳۴۳ میں مذکور ہے ۱۲

بصرہ بھی اُسی مقدس خلیفہ کے حکم سے آباد ہوا تھا اور وسعت علم اور اشاعت حدیث کی اعتبار سے کوفہ کا ہمسر تھا یہ دونوں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرح علوم اسلامی کے دار العلم خیال کئے جاتے تھے علامہ ذہبی نے اسلام کے دوسرے تیسرے دور میں جن لوگوں کو حاملین حدیث کا لقب دیا ہے اور اُنکے مستقل ترجمے لکھے ہیں اُنمیں اکثر مثلاً مسروق بن الاجدع عبیدہ بن عمر اسود بن یزید، ابو عمر النخعی۔ ذر بن حبیش، ربیع بن خثیم، عبد الرحمن بن ابی لیلی، ابو عبد الرحمن السلمی۔ شریح بن الحرث، شریح بن ہانی، ابو وائل شقیق بن سلمہ قیس بن ابی حازم۔ محمد بن سیرین حسن بصری شعبہ بن حجاج قتادہ بن دعامہ۔ انہیں دونوں شہروں کے رہنے والے یا خوشباش تھے[1] سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں اکثر فرماتے تھے کہ مناسک کیلئے مکہ قرارت کیلئے مدینہ اور حلال و حرام یعنی فقہ کیلئے کوفہ ہے[2] فقہ میں امام نے زیادہ تر حماد کا حلقہ درس کافی سمجھا تھا لیکن حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی یہاں صرف ذہانت اور اجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ درایت کے ساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی۔ حدیثیں اُسوقت تک نہایت پریشان اور غیر مرتب تھیں یہانتک کہ بڑے بڑے اساتذہ دو چار حدیثوں سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے۔ یہ تعداد ضروری مسائل کے لئے بھی کافی نہ تھی اس کے علاوہ طریق روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریقوں سے نہ معلوم ہو اُس کے مفہوم و تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا دشوار تھا امام ابو حنیفہ کو حماد کی صحبت اور پختگی عمر نے ان ضرورتوں سے اچھی طرح واقف کر دیا تھا اسلئے نہایت سعی اور اہتمام سے حدیثوں کے بہم پہنچانے پر توجہ کی۔ غالباً کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جسکے سامنے امام صاحب نے زانوئے شاگردی طے نہ کیا ہو اور حدیثیں سیکھی ہوں ابو المحاسن شافعی نے جہاں ان کے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں ترانوے شخصوں کی نسبت لکھا ہے کہ کوفہ کے رہنے والے نزیل تھے۔ تہذیب التہذیب۔ تہذیب الاسماء و تذکرۃ الحفاظ وغیرہ میں اگرچہ (جیسا کہ ان کتابوں کا عام طریقہ ہے) امام کے شیوخ کا استقصا نہیں کیا ہے تاہم انہیں کتابوں کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی جنمیں ۹۳ شخص خاص کوفہ کے رہنے والے تھے اور ان میں اکثر تابعی تھے

امام کے شیوخ حدیث

شیوخ کوفہ میں خاصکر امام شعبی سلمہ بن کہیل۔ محارب بن دثار، ابو اسحق سبیعی۔ عون بن عبد اللہ، سماک بن حرب عمرو بن مرہ منصور بن المعتمر، اعمش، ابراہیم بن محمد، عدی بن ثابت الانصاری۔ عطا بن السائب، موسیٰ ابن ابی عائشہ علقمہ بن مرثد بہت بڑے محدث اور سند و روایت کی مرجع عام تھے سفیان ثوری اور امام حنبل وغیرہ کا سلسلہ سند اکثر انہیں بزرگوں تک پہنچتا ہے۔

امام شعبی وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اول اول امام ابو حنیفہ کو تحصیل علم کی رغبت دلائی تھی بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی تھیں مشہور ہے کہ پانسو صحابہ کو دیکھا تھا عراق، عرب، شام میں چار شخص جو اُستاد کامل تسلیم کئے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ۱۲ [2] معجم البلدان ذکر کوفہ ۱۲

جاتے تھے انہیں ایک یہ تھے امام زہری کہا کرتے تھے کہ عالم صرف چار ہیں۔ مدینہ میں ابن المسیب بصرہ میں حسن شام میں مکحول کوفہ میں شعبی "حضرت عبداللہ بن عمر نے انکو ایک بار مغازی کا درس دیتے دیکھا تو فرمایا کہ واللہ یہ شخص اس فن کو مجھسے اچھا جانتا ہو" ایک مدت تک منصب قضا پر مامور رہے خلفاء اور اعیان دولت انکا نہایت احترام کرتے تھے سنہ ۱۰۴ھ ہجری میں یا سنہ ۱۰۶ھ ہجری میں وفات پائی۔

سلمہ بن کہیل مشہور محدث اور تابعی تھے جندب بن عبداللہ بن ابی اوفی ابوالطفیل اور انکے علاوہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں ابن سعد نے اُن کو کثیر الحدیث لکھا ہو سفیان بن عیینہ (امام شافعی رحمہ کے اُستاد) فرماتے تھے کہ سلمہ بن کہیل ایک رکن ہیں ارکان میں سے ابن مہدی کا قول تہا کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایۃ تھے منصور۔ سلمہ۔ عمرو بن مرہ۔ ابوحصین۔

ابو اسحق سبیعی کبار تابعین سے تھے۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن عمر۔ ابن زبیر۔ نعمان بن بشیر۔ زید بن ارقم اور بہت سی صحابہ سے جنکے نام علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں بتفصیل لکھے ہیں حدیثیں سنیں عجلی نے کہا ہو کہ ۳۸ صحابہ سے انکو بالمشافہ روایت ہی۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے اُستاد تھے اُن کا قول ہو کہ ابواسحق کے شیوخ میں نے شمار کئے تو کم وبیش تین سو ٹھہرے حافظ ابن حجر نے تہذیب میں انکا مفصل تذکرہ لکہا ہے

سماک بن حرب بہت بڑے تابعی اور محدث تھے۔ امام سفیان ثوری نے کہا ہو کہ سماک نے کبہی حدیث میں غلطی نہیں کی خود سماک کا بیان ہو کہ میں اسی صحابہ سے ملا ہوں۔

محارب بن دثار نے عبداللہ بن عمر اور جابر وغیرہ سے روایت کی امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی زاہد کو نہیں دیکھا جسکو محارب پر ترجیح دوں۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہو کہ محارب عموماً حجۃ ہیں امام احمد بن معین ابوزرعہ دارقطنی۔ ابوحاتم۔ یعقوب بن سفیان۔ نسائی نے انکو ثقہ تسلیم کیا ہو کوفہ میں منصب قضا پر مامور تھے سنہ ۱۱۶ھ میں وفات کی

عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمر سے حدیثیں روایت کیں نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

ہشام بن عروہ معزز و مشہور تابعی تھے۔ بہت سی صحابہ سے حدیثیں روایت کیں بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری۔ امام مالک۔ سفیان بن عیینہ ان کے شاگرد تھے ابوجعفر منصور کے زمانہ میں کوفہ گئے اہل کوفہ نے اسی زمانہ میں انسے حدیثیں روایت کیں خلیفہ منصور انکا نہایت احترام کرتا تہا ایکبار لاکھ درہم اُن کو عطا کئے انکی جنازہ کی نماز بھی منصور نے ہی پڑہائی تھی ابن سعد نے لکہا ہو کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے ابوحاتم نے اُن کو امام حدیث کہا ہے۔

سلیمان بن مہران معروف باعمش کوفہ کے مشہور امام تھے صحابہ میں سے انس بن مالک سے ملتے تھے اور عبداللہ بن ابی اوفی سے حدیث سنی تھی سفیان ثوری و شعبہ اُن کے شاگرد تھے۔ امام کی تحصیل حدیث کا دوسرا

مدرسہ بصرہ تھا جو امام حسن بصری و شعبہ و قتادہ کے فیض تعلیم سے مالا مال تھا تعجب ہے کہ حسن بصری باوجودیکہ سنہ ۱۱۰ھ تک زندہ رہے لیکن امام ابو حنیفہ کا انکے درس سے مستفید ہونا ثابت نہیں ہوتا البتہ قتادہ کی شاگردی کا ذکر عام محدثین نے کیا ہے اور عقود الجمان کے مختلف مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے شعبہ سے حدیث روایت کی اور انہوں نے[1] اپنے سامنے ہی فتوی و روایت کی اجازت بھی دیدی تھی۔

قتادہ بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے حضرت انس بن مالک و عبداللہ بن سرجس و ابو الطفیل اور دیگر صحابہ سے حدیثیں روایت کیں حضرت انس کے دو شاگرد جو نہایت نامور ہیں ان میں ایک یہ ہیں اس خصوصیت میں ان کو نہایت شہرت تھی کہ حدیث کو بعینہ ادا کرتے تھے یعنی الفاظ و معنی میں بالکل فرق نہیں ہوتا تھا ان کے قوت حافظہ کی ایک عجیب مثال لکھی ہے عمرو بن عبداللہ کا بیان ہے کہ یہ مدینہ میں سعید بن المسیب سے فقہ و حدیث پڑھتے تھے ایکدن انہوں نے فرمایا کہ "تم ہر روز بہت سی باتیں پوچھتے ہو تمکو ان میں سے کچھ یاد بھی ہیں انہوں نے کہا ایک ایک حرف محفوظ ہے چنانچہ جسقدر ان سے سنا تھا بقید تاریخ اور دن کو بیان کرنا شروع کیا۔ وہ نہایت متعجب ہوئے اور کہا خدا نے دنیا میں تم جیسے لوگ بھی پیدا کئے ہیں" اسی بنا پر لوگ ان کو احفظ الناس کہا کرتے تھے امام حنبل نے ان کی فقہ و واقفیت اختلافات و تفسیر دانی کی نہایت مدح کی ہے اور کہا ہے کہ "کوئی شخص ان باتوں میں ان کی برابر ہو تو ہو مگر ان سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں انکا حال تفصیل سے لکھا ہے جس سے ان کی عظمت و شان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

شعبہ بھی بڑے رتبہ کے محدث تھے دو ہزار حدیثیں یاد تھیں سفیان ثوری نے فن حدیث میں انکو امیر المومنین مانا ہے عراق میں یہ پہلے شخص ہیں جس نے جرح و تعدیل کے مراتب مقرر کئے امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا سنہ ۱۶۰ھ میں انتقال کیا سفیان ثوری کو ان کے مرنے کی خبر پہنچی تو کہا "آج فن حدیث بھی مر گیا" شعبہ کو امام ابو حنیفہ کے ساتھ ایک خاص ربط تھا غیبت میں اکثر ان کی ذہانت اور خوبی فہم کی تعریف کرتے ایکبار ان کا ذکر آیا تو کہا کہ "جس طرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابو حنیفہ ہم نشین ہیں" یحیی بن معین سے جو امام بخاری کے استاد تھے کسی نے پوچھا کہ آپ ابو حنیفہ رح کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں فرمایا "اسقدر کافی ہے کہ شعبہ نے ان کو حدیث و روایت کی اجازت دی اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہیں" بصرہ کے اور شیوخ جن سے امام ابو حنیفہ نے حدیثیں روایت کیں ان میں عبد الکریم بن امیہ اور عاصم بن سلیمان الاحول زیادہ ممتاز ہیں۔

امام ابو حنیفہ کو اگرچہ ان درسگاہوں سے بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لئے حرمین جانا ضرور تھا جو علوم مذہبی کے اصلی مرکز تھے۔ تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سنہ میں واقع ہوا تھا تاہم ظن غالب ہے

---

[1] عقود الجمان باب دہم ۱۲

کہ جب انہوں نے حرمین کا سفر کیا تو تحصیل کا آغاز تھا مورخ ابن خلکان[۱] نے لکھا ہے کہ وکیع نے خود امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ حج میں ایک حجام سے جس سے میں نے بال منڈوائے تھے کئی باتوں میں مجھ پر گرفت کی میں نے اجرت پوچھی تو بولا "مناسک چکائی نہیں جاتے" میں چپ ہو کر اصلاح بنوانے لگا اس نے پھر ٹوکا کہ "حج میں چپکا نہیں رہنا چاہئے تکبیر کہے جاؤ" حجامت سے فارغ ہو کر میں گھر چلا تو اس نے کہا "پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو پھر کہیں جانا" میں نے متعجب ہو کر پوچھا یہ مسائل تم نے کہاں سیکھے ہیں بولا عطاء بن ابی رباح کا فیض ہے اس واقعہ سے زیادہ تر یہی قیاس ہو سکتا ہے کہ ابتدائی زمانہ تھا

جس زمانہ میں امام ابو حنیفہ مکہ معظمہ پہنچے درس و تدریس کا نہایت زور تھا متعدد اساتذہ کی جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے اور اکابر صحابہ کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے الگ الگ درسگاہ قائم تھیں ان میں عطاء بن ابی رباح کا حلقہ سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا عطاء مشہور تابعی تھے اکثر صحابہ کی خدمت میں رہے تھے اور ان کے فیض صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا حضرت عبداللہ بن عباس ابن عمر بن زبیر اسامہ بن زید جابر بن عبداللہ زید بن ارقم عبداللہ بن سائب عقیل رافع ابو درداء ابو ہریرہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں سنی تھیں۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں دو سو بزرگوں سے ملا ہوں جنکو رسول اللہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ مجتہدین صحابہ انکی علم و فضیلت کے معترف تھے عبداللہ بن عمر جو حضرت فاروق کے فرزند رشید اور صاحب فتا تھے اکثر فرماتے تھے کہ عطاء بن رباح کے ہوتے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں "حج کے زمانہ میں ہمیشہ سلطنت کی طرف سے ایک منادی مقرر ہوتا تھا کہ عطاء کے سوا کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز نہیں ہے بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام اوزاعی زہری [illegible] دینار انہیں کے حلقہ درس سے نکلکر استاد کہلائے۔

عطاء ابی رباح [illegible]

امام ابو حنیفہ رحمہ استفادہ کی غرض سے انکی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے احتیاط کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا امام نے کہا "میں اسلاف کو برا نہیں کہتا گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا۔ قضا و قدر کا قائل ہوں" [illegible] اجازت دی کہ حلقہ درس میں شامل ہوا کریں۔ روز بروز انکی ذہانت و طباعی کے جوہر ظاہر ہوتے گئے اور اسی [illegible] استاد کی نظر میں ان کا وقار بھی بڑھتا گیا یہاں تک کہ جب یہ حلقہ درس میں جاتے تو عطاء اوروں کو ہٹا کر انکو [illegible] جگہ دیتے عطاء [illegible] سنہ ۱۱۵ھ تک زندہ رہے اس مدت میں امام ابو حنیفہ رح کو جب مکہ معظمہ جانیکا اتفاق ہوتا تو اکثر [illegible] استفادہ [illegible] عطاء کے سوا مکہ معظمہ کے اور محدثین جن سے امام نے حدیث کی سند لی انمیں سے عکرمہ کا ذکر خصوصیت کیساتھ کیا جا سکتا ہے عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس کے غلام اور شاگرد تھے انہوں نے نہایت توجہ اور کوشش سے انکی تعلیم [illegible] یہاں تک کہ اپنی زندگی ہی میں اجتہاد و فتویٰ کا مجاز کر دیا تھا عکرمہ نے اور بہت سے صحابہ [illegible] عبداللہ بن عمر عقبہ بن عمر صفوان۔ جابر ابو قتادہ سے حدیثیں سیکھی تھیں اور فقہی مسائل [illegible]

---

[۱] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عطاء ابن ابی رباح ۱۲ [۲] ابن خلکان اور کتب رجال میں انکے حالات پڑھو ۱۲ [illegible] تاریخ [illegible] جز [illegible] تہذیب التہذیب [illegible] حاشیہ ۱۲

نشر مشہور تابعین حدیث و تفسیر میں انکے شاگرد ہیں۔ امام شعبی کہا کرتے تھے کہ قرآن جاننے والا عکرمہ سے بڑھکر نہیں رہا۔
سعید بن جبیر کہ تابعین کے سردار تھے اُنسے ایک شخص نے پوچھا کہ دنیا میں آپ سے بڑھکر بھی کوئی عالم ہے فرمایا ہاں عکرمہ۔
اسی زمانہ میں یعنی ۱۲۰ھ سے پہلے امام ابو حنیفہ نے مدینہ کا قصد کیا کہ حدیث کا مخزن اور نبوت کا آخیر قرارگاہ تھا
صحابہ کے تابعین کے گروہ میں سے سات شخص علم فقہ و حدیث کے مرجع بنگئے تھے اور مسائل شرعیہ میں عموماً اُن کی
طرف رجوع کیا جاتا تھا ان لوگوں نے بڑی بڑی صحابہ کے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی اور یہ مرتبہ حاصل کیا تھا کہ تمام
ممالک اسلامی میں واسطہ در واسطہ اُن کے درس کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا یہ لوگ ہمعصر تھے اور ایک مشترکہ مجلس افتاد
کے ذریعہ سے تمام شرعی مسائل کا فیصلہ کرتے تھے مدینہ کی فقہ جسکی تدوین امام مالکؒ نے کی اسکی بنیاد زیادہ تر انہوں کے فتووں پر ہے
امام ابو حنیفہ جب مدینہ پہونچے تو ان بزرگوں میں سے صرف دو شخص زندہ تھے سلیمان و سالم بن عبداللہ سلیمان حضرت
میمونہ کے جو رسول اللہ کی ازواج مطہرات میں سے تھیں غلام تھے اور فقہائے سبعہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے
انکا دوسرا نمبر تھا سالم حضرت فاروق کے پوتے تھے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابو حنیفہ دونوں
بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے حدیثیں روایت کیں۔

امام ابو حنیفہ کی طالب العلمی کی مسافت اگرچہ مدینہ تک محدود ہو تاہم تعلم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا۔ اکثر
حرمین جاتے اور مہینوں قیام کرتے حج کی تقریب میں ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال کہیں آکر
جمع ہو جاتے تھے جنکا مقصد حج کے ساتھ افادہ و استفادہ بھی ہوتا تھا امام صاحب اکثر اُن لوگوں سے ملتے اور
مستفید ہوتے امام اوزاعی اور مکحول شامی کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے امام ابو حنیفہ نے مکہ ہی میں ان سے
تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب کی ذہانت اور اجتہاد کی شہرت دور دور پہنچ گئی تھی
یہانتک کہ ظاہر بینوں نے اُن کو قیاس مشہور کر دیا تھا انہیں دنوں میں عبداللہ بن مبارک نے جو امام ابو حنیفہ کے
مشہور شاگرد ہیں بیروت کا سفر کیا کہ امام اوزاعی سے فن حدیث کی تکمیل کریں پہلی ہی ملاقات میں اوزاعی نے ان سے
پوچھا کہ "کوفہ میں ابو حنیفہ کون شخص پیدا ہوا ہے جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے" انہوں نے کچھ جواب نہ دیا اور گھر
چلے گئے دو تین دن کے بعد پھر گئے تو کچھ اجزا ساتھ لیتے گئے۔ اوزاعی نے اُن کے ہاتھ سے وہ اجزا لے لئے
سر نامہ پر لکھا تھا "قال نعمان بن ثابت" دیر تک غور سے دیکھا کئے پھر عبداللہ سے پوچھا نعمان کون بزرگ ہیں انہوں نے
کہا عراق کے ایک شیخ ہیں جنکی صحبت میں میں رہا ہوں" فرمایا بڑے پایہ کا شخص ہے عبداللہ نے عرض کی یہ وہی
ابو حنیفہ ہیں جن کو آپ مبتدع بتاتے تھے اوزاعی کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا حج کی تقریب سے اوزاعی مکہ گئے تو امام
ابو حنیفہ سے ملاقات ہوئی انہیں مسائل کا ذکر آیا اتفاق سے عبداللہ بن المبارک بھی موجود تھے ان کا بیان
ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ اوزاعی حیران رہ گئے۔ امام ابو حنیفہ کے جانیکے بعد مجھ سے

وزاعی

کہا کہ "اس شخص کے کمال نے اسکو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے" شبہ میری بدگمانی غلط تھی جس کا میں افسوس کرتا ہوں
تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فن حدیث میں امام اوزاعی کی شاگردی کی ہو غالباً یہی زمانہ ہوگا۔

امام باقر علیہ السلام کی شاگردی

حضرت امام باقر علیہ السلام کیساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ امام ابوحنیفہ دوسری بار مدینہ گئے تو امام موصوف کیخدمت میں حاضر ہوئے اُن کے ایک ساتھی نے پہچنوایا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں انہوں نے ابوحنیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "ہاں تمہیں قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو" انہوں نے نہایت ادب سے کہا "معاذ اللہ حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے آپ تشریف رکھیں تو عرض کروں"۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی
(ابوحنیفہ) مرد ضعیف ہے یا عورت (امام باقر) عورت (ابوحنیفہ) وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا (امام باقر) مرد کا (ابوحنیفہ) میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے کیونکہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہیئے۔ پھر پوچھا نماز افضل ہے یا روزہ (امام باقر) نماز (ابوحنیفہ) اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہیئے نہ روزہ کی۔ حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فتویٰ دیتا ہوں امام باقرؑ اسقدر خوش ہوئے کہ اٹھکر ان کی پیشانی چوم لی[۱] ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے انکی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تہا۔ امام صاحب نے اُن کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اُٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی یہ خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت جعفر صادق کے معاصر اور ہمسر تھے اس لئے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہہ ہوں لیکن فضل و کمال میں اُنکو حضرت جعفر صادقؑ سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے و صاحب البیت ادری بما فیہا؛ یا تو وہ زمانہ تھا کہ امام ابوحنیفہ نے ایک طالب العلم کی حیثیت سے حرمین کا سفر کیا تھا یا اب یہ نوبت پہنچی کہ سفر کا قصد کرتے تو تمام اطراف میں شہرہ ہو جاتا کہ فقیہہ عراق عرب کو جا رہا ہے جس شہر یا گاؤں میں گزر ہوتا تو ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہو جاتا۔ ایکدفعہ مکہ معظمہ گئے تو لوگوں کی وہ کثرت ہوئی کہ مجلس میں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی ارباب حدیث و فقہ دونوں فرقے کے لوگ تھے اور شوق کا یہ عالم تہا کہ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ آخر امام صاحب نے تنگ آکر فرمایا "کاش ہمارے میزبان سے جاکر کوئی کہتا کہ اس ہجوم کا انتظام کرتے" ابوعاصم نبیل حاضر تھے عرض کی کہ میں جاتا ہوں لیکن چند مسئلے دریافت کرنے رہگئے ہیں۔ امام نے پاس بلایا اور زیادہ توجہ کی ساتھ اُن کی باتیں سنیں۔ اس میں میزبان کا خیال جاتا رہا ابوعاصم ہی فارغ ہو کر ایک طالب العلم کیطرف متوجہ

[۱] عقود الجمان باب شانزدہم ۱۲

ہوئے اور پھر وہی سلسلہ قائم ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد خیال آیا تو فرمایا کسی شخص نے میزبان کے پاس جانیکا اقرار کیا تھا وہ کہاں گیا؟ ابو عاصم بولے میں نے عرض کیا تھا۔ فرمایا پھر تم گئے نہیں؟ ابو عاصم نے مناظرانہ شوخی سے کہا "میں نے تو یہ نہیں کہا تھا کہ ابھی جاتا ہوں جب فرصت ہوگی جاؤنگا"۔ امام نے فرمایا "عام بول چال میں ان احتمالات کا موقع نہیں۔ ان لفظوں کے معنی ہمیشہ وہی لئے جائیں گے جو عوام کی غرض ہوتی ہے"[1] ایک اعتبار سے یہ بھی ایک فقہی مسئلہ تھا جسکو امام صاحب نے باتوں باتوں میں حل کر دیا۔

امام صاحب کے اساتذہ انکی نہایت عزت کرتے تھے

امام صاحب کے اساتذہ انکا اس قدر ادب و احترام کرتے تھے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا محمد بن الفضل کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام ابو حنیفہ ایک حدیث کی تحقیق کیلئے خصیب کے پاس گئے میں بھی ساتھ تھا خصیب نے ان کو آتے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت تعظیم کیساتھ لاکر اپنے برابر بٹھایا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ "بیضۂ نعام کے بارے میں کیا حدیث آئی ہے" خصیب نے کہا "اخبرنی ابو عبیدۃ عن عبد اللہ ابن مسعود فی بیضۃ النعام یصیبہا المحرم ان فیہ قیمتہ"

امام کی صحبت

عمرو بن دینار جو کہ مشہور محدث تھے ابو حنیفہ کی ہوتے حلقہ درس میں اور کسی کیطرف خطاب نہیں کرتے تھے اس عظمت کیساتھ امام صاحب کو طالب علم میں کسی سے عار نہ تھی۔ امام مالک عمر میں ان سے تیرہ برس کم تھے انکے حلقہ درس میں بھی اکثر حاضر ہوتے اور حاشیہ نشین ہوتے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ "امام مالک کیسامنے ابو حنیفہ اس طرح مودب بیٹھتے تھے جسطرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے اسکو بعض کوتاہ بینوں نے امام کی کسر شان پر محمول کیا ہے لیکن ہم ~~سے کے طرح~~ کی قدر شناسی اور شرافت کا تمغہ سمجھتے ہیں۔ امام مالک بھی اُن کا نہایت احترام کرتے تھے عبداللہ بن المبارک کی زبانی منقول ہے کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا ایک بزرگ آئے جنکی انھوں نے نہایت تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا اُن کے جانیکے بعد فرمایا جانتے ہو یہ کون شخص تھا" یہ ابو حنیفہ عراقی تھے جو اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں" ذرا دیر کے بعد ایک اور بزرگ آئے امام مالک نے انکی بھی تعظیم کی لیکن نہ اس قدر جتنی ابو حنیفہ کی تھی وہ اُٹھ گئے تو لوگوں سے کہا یہ سفیان ثوری تھے۔

تعلیم حدیث کے مختلف طریقے

حجاز و عراق کے ائمہ فن روایت کے متعلق جدا جدا اصول رکھتے تھے طرز تعلیم بھی مختلف تھا بعضوں کے نزدیک لکھنے کا زیادہ اعتبار تھا بعض مثلاً ابراہیم شعبی صرف حافظہ سند سمجھتے تھے اکثر وں نے اس بات کو جائز رکھا تھا کہ مطلب میں فرق نہ آئے تو روایت میں حدیث کا ایک ٹکڑا چھوڑ دیا جا سکتا ہے بعض اس کے بالکل خلاف تھے ایک فریق کہتا تھا کہ راوی جبتک سامنے نہ ہو اس سے روایت نہیں کیجا سکتی شعبہ جو امام صاحب کے اُستاد تھے اُن کا یہی مذہب تھا۔ دوسرا گروہ پردہ کی اوٹ سے تحریر کی بنا پر روایت کرنیکو جائز سمجھتا تھا۔ امام زہری کی عادت تھی کہ روایت کے ساتھ الفاظ و مطالب کی تفسیر بھی کرتے جاتے تھے بعض لوگ اس کے سخت مخالف تھے

[1] الجواہر المضیئۃ۔ باب الکنی ترجمہ ابو عاصم النبیل ۱۲

یہانتک کہ ایک شخص نے خود زہری کو ٹوکا کہ حدیث نبوی میں آپ اپنے الفاظ نہ ملائیں امام مالک کو یہ طریقہ زیادہ پسند تھا کہ شاگرد پڑھیں اور وہ سنتے جائیں بعض اسکے مخالف تھے یحیٰی بن سلام اتنی بات پر انکے حلقہ درس سے ناراض ہوکر اٹھہ آئے کہ وہ خود نہیں پڑھتے شاگردوں سے پڑھواتے ہیں ۔ اسی طرح اور بہت سے اختلافات تھے جنکو فتح المغیث میں تفصیل سے ذکر کیا ہے امام ابو حنیفہ کی کثرت شیوخ اور ریزہ چینیوں کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ان مختلف اصول سے آگاہ ہوں تاکہ سب کے مقابلہ سے خود ایک مستقل اور پرچنی ہوئی رائے قائم کر سکیں امام موصوف نے اصول میں جو اصلاحیں کی ہیں انکا بیان آگے آئیگا۔

طریقہ تعلیم کی ترقی

امام کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ انکی آغاز تحصیل ہی میں حدیث کی تعلیم کا طریقہ مرتب اور باقاعدہ ہوچلا تھا اس سے پہلے عموماً زبانی روایت کا رواج تھا بعض ائمہ حدیث کتابت کو قریباً ناجائز سمجھتے تھے حضرت عمر بن عبد العزیز نے تقریباً ۱۰۱ھ میں اہل مدینہ کو خط لکھا جسکے الفاظ یہ تھے انظروا ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبوہ فانی خشیت دروس العلم وذھاب العلماء یعنی رسول اللہ کی جسقدر حدیثیں ہیں قلمبند کر لی جائیں ورنہ ضائع ہونیکا ڈر ہے" اور شہروں میں بھی اسی مضمون کے فرامین بھیجے چنانچہ مدینہ میں امام زہری نے ایک مجموعہ مرتب کیا جسکی نقلیں سلطنت کی طرف سے تمام ممالک اسلامی میں شائع کی گئیں اسوقت سے تدوین کا عام رواج ہوگیا اور جہاں جہاں اہل حدیث تھے اسی طریقہ کو برتنے لگے شعبی (امام ابو حنیفہ کے استاد) گو اگرچہ زبانی روایت پر اصرار رکھتا تاہم کتاب ساتھ رکھتے تھے طرز تعلیم نے بھی نہایت ترقی کی شیخ ایک عام ایک بلند مقام پر بیٹھتا اور حدیث کا مجموعہ ہاتھہ میں ہوتا ۔ شاگرد قلم دوات لیکر بیٹھتے اور استاد جو کچھ روایت کرتا وہی الفاظ میں لکھتے جاتے شائقین کی زیادہ کثرت ہوتی تو ایک مستملی کھڑا ہوکر وہ الفاظ دور کے بیٹھنے والوں تک پہنچاتا مگر یہ التزام تھا کہ مطلب بلکہ جہانتک ممکن ہو الفاظ میں فرق نہ آنے پائے اس ضرورت سے مستملی ہمیشہ ایسا شخص مقرر ہوتا تھا جس کا حافظہ قوی اور معلومات وسیع ہوں ۔ ساتھہ ہی خوش لہجہ اور بلند آواز ہو چنانچہ امام شعبہ کی مجلس درس میں آدم بن ابی ایاس اور امام مالک کے حلقہ میں ابن علیہ اس خدمت پر مامور تھے۔

امام ابو حنیفہ کے شیوخ حدیث بہت سے تھے

امام ابو حنیفہ اس خصوصیت کے ساتھہ مشہور ہیں کہ انکے شیوخ حدیث بیشمار ہیں ۔ ابو حفص کبیر نے دعویٰ کیا ہے کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیثیں روایت کیں اگرچہ تاریخ اسلام میں یہ کوئی عجیب بات نہیں مسلمانوں نے حدیثوں کے جمع کرنے میں جو محنتیں اور جانفشانیاں کی ہیں دنیا کی اور قومیں اسکا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں ہم متعدد شخصوں کے نام بتا سکتے ہیں جنکے شیوخ حدیث چار ہزار سے کم نہ تھے اور ایسے تو بہت گزرے ہیں جنکے اساتذہ ہزار سے زیادہ تھے علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں ان لوگوں کے نام گنائے ہیں

۱؎ فتح المغیث صفحہ ۲۳۵ و مقدمہ قسطلانی شرح بخاری مطبوعہ لکھنو صفحہ ۱۲۶ ۔

لیکن انصاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ دعویٰ محدثانہ اصول پر ثابت نہیں ہو سکتا البتہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی ہے اور اسکا خود محدثین کو اعتراف ہے علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں اُنکے شیوخ حدیث کے نام گنوائے ہیں اخیر میں لکھ دیا ہے وروی خلق کثیر۔ حافظ ابو المحاسن شافعی نے عقود الجمان میں تین سو انیس شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں اور اخیر میں لکھ دیا ہے کہ میں نے ایک دوسری کتاب میں جس کا نام تحصیل السبیل الی معرفۃ الثقات والمجاہیل ہے ان لوگوں کے حالات بھی تفصیل سے لکھے ہیں لیکن چونکہ اُنکی فہرست زیادہ تر فقہاء حنفیہ سے ماخوذ ہے ممکن ہے کہ محدثین کو کلیۃً اس سے اتفاق نہ ہو افسوس ہے کہ محدثین نے امام مالک کے حالات میں جو کتابیں لکھی ہیں اور جنمیں اُنکے شیوخ کا پورا پورا استقصا کیا ہے ہماری نظر سے نہیں گزریں رجال کی مستند کتابیں جن میں امام کا ذکر ہے ہمارے سامنے ہیں لیکن اُن میں سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کے حالات ہیں اسوجہ سے کسی خاص شخص کے متعلق پوری تفصیل نہیں مل سکتی تاریخ بغداد۔ تہذیب الکمال۔ تہذیب الاسماء واللغات۔ تذکرۃ الحفاظ۔ مختصر طبقات الحفاظ۔ تہذیب التہذیب انساب سمعانی۔ موطا امام محمد۔ کتاب الآثار امام محمد کے تتبع[1] سے جسقدر اُنکے شیوخ انتخاب ہو سکتے ہیں اُنکے نام حسب ذیل ہیں۔ انمیں سے اکثر کے اجمالی حالات ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

شیوخ حدیث کا شمار

عطاء بن ابی رباح مکی۔ عاصم بن ابی النجود کوفی۔ علقمہ بن مرثد کوفی۔ حکم بن عتیبہ کوفی۔ سلمہ بن کہیل کوفی۔ حضرت امام باقر علیہ السلام مدنی۔ علی بن الاقمر الکوفی۔ زیاد بن علاقہ کوفی۔ سعید بن مسروق کوفی۔ عدی بن ثابت انصاری کوفی۔ عطیہ بن سعید کوفی۔ ابو حیان سعدی۔ عبد الکریم بن امیہ بصری۔ یحییٰ بن سعید مدنی۔ ہشام بن عروہ مدنی (التہذیب تہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی)۔ ابو اسحٰق السبیعی کوفی۔ نافع بن عمر مدنی۔ عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج المدنی۔ قتادہ بصری۔ عمرو بن دینار المکی۔ محارب بن دثار کوفی۔ ہیثم بن حبیب الصراف کوفی۔ قیس بن مسلم کوفی۔ محمد بن عمر المدنی۔ یزید الفقیر کوفی۔ سماک بن حرب کوفی۔ عبد العزیز بن رفیع المکی۔ مکحول شامی۔ عمرو بن مرۃ الکوفی۔ ابو الزبیر محمد بن مسلم مکی عبد الملک بن عمیر کوفی۔ منصور بن زاذان۔ منصور المعتمر۔ عطاء بن السائب الثقفی۔ عطاء بن ابی مسلم الخراسانی۔ عاصم بن سلیمان الاحول بصری۔ اعمش کوفی۔ عبد اللہ بن عمر بن حفص المدنی۔ امام اوزاعی (طبقات الحفاظ ذہبی از مقامات مختلفہ) ابراہیم بن محمد الکوفی۔ اسمٰعیل بن عبد الملک المکی۔ حارث بن عبد الرحمٰن المکی۔ خالد بن علقمہ الوداعی ربیعۃ الرائی۔ شداد بن عبد الرحمٰن بصری۔ شیبان بن عبد الرحمٰن بصری۔ طاؤس بن کیسان یمنی۔ عبد الرحمٰن بن دینار المدنی۔ عکرمہ مولیٰ ابن عباس مکی۔ عون بن عبد اللہ کوفی۔ قابوس بن ابی ظبیان کوفی

---

[1] ان کتابوں میں تہذیب الکمال میری نظر سے نہیں گزری مولوی عبد الحی صاحب مرحوم نے التعلیق الممجد میں امام ابوحنیفہ کے شیوخ تہذیب الکمال کے حوالے سے لکھے ہیں۔ میں نے اسی کے حوالے سے لکھے ہیں ۱۲۔

محمد بن السائب الکلبی کوفی۔ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری۔ ابو سعید مولی ابن عباس (تہذیب الکمال) موسیٰ بن ابی عائشہ کوفی صلت بن بہرام۔ عثمان بن عبد اللہ بن حوشب۔ ہلال ہشیم بن ابی الہیثم۔ حصین بن عبد الرحمن۔ معن۔ میمون بن سیاہ۔ جواب التیمی۔ سالم الافطس۔ یحییٰ بن عمرو بن سلمہ عمرو بن جبیر۔ عبید اللہ بن عمر محمد بن مالک الہمدانی۔ ابو السوا خارجہ بن عبد اللہ۔ عبد اللہ بن ابی زیاد۔ حکم بن زیاد۔ کثیر الاصم۔ حمید الاعرج ابو العطوف۔ عبد اللہ بن الحسن سلیمان۔ الشیبانی۔ سعید المرزبان۔ عثمان بن عبد اللہ۔ ابو حجیہ (کتاب الآثار امام محمد)۔

ہم نے اسقدر نام سرسری طور سے انتخاب کئے ہیں زیادہ چھان بین کرتے تو شاید عقود الجمان کی فہرست کی برابر اترتے لیکن سچ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے لئے کثرت شیوخ اسقدر فخر کا باعث نہیں جقدر انکی احتیاط اور تحقیق ہے وہ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ روایت میں جسقدر واسطے زیادہ ہوتے ہیں اسیقدر تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔ یہی بات ہو کہ اُنکے اساتذہ اکثر تابعین ہیں جنکو رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے یا وہ لوگ ہیں جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے اور علم و فضل دیانت و پرہیزگاری کے نمونے خیال کئے جاتے تھے ان دو قسموں کے سوا اگر ہیں تو شاذ ہیں۔ انکی تعلیم کا طریقہ بھی عام طالبعلموں سے الگ تھا۔ بحث و اجتہاد کی شروع سے عادت تھی اور اسباب میں وہ اُستاد کی مخالفت کی بھی کچھ پروا نہ کرتے تھے ایک دفعہ حماد کیساتھ امام اعمش کی مشایعت کو نکلے چلتے چلتے مغرب کا وقت آگیا۔ وضو کیلئے پانی کی تلاش ہوئی مگر کہیں نہ ملا حماد نے تیمم کا فتویٰ دیا۔ امام نے مخالفت کی کہ اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہیے۔ اتفاق یہ کہ کچھ دیر چلکر پانی ملگیا اور سب نے وضو سے نماز ادا کی کہتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ اُستاد سے مخالفت کی۔ اور غالباً یہ زمانہ تحصیل کا آغاز تھا۔ امام شعبی اُنکے اُستاد قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں۔ ایک دفعہ اُستاد و شاگرد کشتی میں سوار جارہے تھے۔ اس مسئلہ کا ذکر آیا۔ اُنہوں نے کہا ضرور معصیت میں کفارہ ہو۔ کیونکہ خدا نے ظہار میں کفارہ مقرر کیا ہے اور اس آیت میں وانہم لیقولون منکرا من القول و زورا تصریح کر دی ہو کہ ظہار معصیت ہو امام شعبی کچھ جواب نہ دے سکے خفا ہو کر فرمایا اقیاس انت عطا ابن ابی رباح سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے وآتیناہ اہلہ ومثلہم معہم عطا نے کہا خدا نے حضرت ایوب کی آل و اولاد جو مر گئی تھی زندہ کر دی اور اُنکے ساتھ اور نئی پیدا کر دی۔ امام ابو حنیفہ نے کہا جو شخص کسی کی صلب سے نہ پیدا ہوا ہو وہ اُسکی اولاد کیونکر ہو سکتا ہے۔[1]

امام صاحب کی علمی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ انکو بڑے بڑے اہل کمال کی صحبتیں میسر آئیں جن شہروں میں اُنکو رہنے کا اتفاق ہوا یعنی کوفہ۔ بصرہ۔ مکہ۔ مدینہ۔ یہ وہ مقامات تھے کہ مذہبی روایتیں یہاں کی ہوا میں بس گئی تھیں علما سے ملنے اور علمی جلسوں میں شریک ہونیکا شوق امام کے خمیر میں داخل تہا ساتھ ہی انکی شہرت

[1] عقود الجمان باب ثامن ۱۲۔ ۵ تختصر تاریخ بغداد ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲۔

اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جہاں جاتے تھے استفادہ۔ ملاقات۔ مناظرہ کی غرض سے خود اُن کے پاس ہزاروں
آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔

درس وافتا وبقیہ زندگی

استاد کا ادب

اگرچہ حماد کی زندگی ہی میں امام صاحب نے اجتہاد کا درجہ حاصل کر لیا تھا عمر بھی کچھ کم نہ تھی یعنی حماد کی
وفات کے وقت کم و بیش چالیس برس کا سن تھا تاہم شاگردانہ خلوص نے یہ گوارا نہ کیا کہ استاد کے ہوتے اپنا دربار الگ
جمائیں۔ اگلے زمانہ میں اُستاد کے ساتھ جو محبت اور ادب آمیز تعلق ہوتا تھا آج اُس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ خود امام
سے منقول ہے کہ حماد جب تک زندہ رہے میں نے اُنکے مکان کی طرف کبھی پاؤں نہیں پھیلائے۔ حماد نے ۱۲۰ھ میں قضا کی
چونکہ ابراہیم نخعی کے بعد فقہ کا دار و مدار انہیں پر رہ گیا تھا اُنکی موت نے کوفہ کو بے چراغ کر دیا۔ حماد نے ایک لائق بیٹا چھوڑا تھا
لوگوں نے انہیں کو مسند درس پر بٹھایا لیکن وہ لغت اور عربیت کی طرف زیادہ مائل تھے۔ آخر موسیٰ بن کثیر نے جو حماد
کے شاگردوں میں تجربہ کار اور سن کے لحاظ سے سب سے ممتاز تھے اُن کی جگہ لی۔ وہ اگرچہ فقہ کے پورے ماہر تھے
لیکن اکثر بزرگوں کی صحبتیں اُٹھائی تھیں اور اسی وجہ سے لوگوں پر اُنکا ایک خاص اثر تھا۔ چند روز تک حلقہ درس اُنکی وجہ سے
قائم رہا۔ وہ حج کو چلے گئے تو تمام بزرگوں نے متفقاً امام ابوحنیفہ سے درخواست کی کہ مسند درس کو مشرف فرمائیں۔ مختلف
حالتوں کا اقتضا دیکھو۔ یا تو وہ زمانہ تھا کہ جوانی ہی میں اُستادی کی مسند پر بیٹھنے کی آرزو تھی یا اب یہ لوگ خود درخواست
کرتے ہیں اور اُنکو اُسکی ذمہ داری کے لحاظ سے انکار ہے تاہم لوگوں کا اصرار غالب آیا اور چار و ناچار قبول کرنا پڑا۔ پھر بھی
دل مطمئن نہ تھا۔ حافظ ابوالمحاسن نے لکھا ہے کہ انہیں دنوں میں خواب دیکھا کہ پیغمبر خدا کی قبر مبارک کھود رہے ہیں۔
ڈر کر چونک پڑے اور سمجھے کہ میری ناقابلیت کی طرف اشارہ ہے۔ امام ابن سیرین علم تعبیر کے استاد مانے جاتے تھے
انہوں نے تعبیر بتائی کہ اس سے ایک مردہ علم کو زندہ کرنا مقصود ہے۔ امام صاحب کو تسکین ہو گئی اور اطمینان کے
ساتھ درس میں مشغول ہوئے۔ خواب کا ذکر تمام مورخوں اور محدثوں نے بھی کیا ہے۔ اس لحاظ سے گمان غالب ہے
کہ اصل واقعہ صحیح ہو لیکن یہ زمانہ۔ اور ابن سیرین کی تعبیر گوئی محض غلط ہے کیونکہ ابن سیرین اس سے بہت پہلے ۱۱۰ھ
میں قضا کر چکے تھے۔ بہرحال امام صاحب نے استقلال کے ساتھ تدریس شروع کی۔ اول اول حماد کے پرانے
شاگرد درس میں شریک ہوتے تھے لیکن چند روز میں وہ شہرت ہوئی کہ کوفہ کی اکثر درسگاہیں ٹوٹ کر اُنکے
حلقہ میں آ ملیں نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود اُنکے اساتذہ مثلاً مسعر بن کدام اعمش وغیرہ اُن سے استفادہ کرتے
تھے اور دوسروں کو ترغیب دلاتے تھے۔ اسپین کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی حصہ نہ تھا جو اُنکی شاگردی کے
تعلق سے آزاد رہا ہو۔ جن جن مقامات کے رہنے والے اُنکی خدمت میں پہنچے اُن سب کا شمار نہیں ہو سکتا لیکن
جن اضلاع یا ممالک کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔ مکہ۔ مدینہ۔ دمشق۔ بصرہ۔ واسط۔ موصل۔ جزیرہ۔

رقہ۔ نصیبین۔ رملہ۔ مصر۔ یمن۔ یمامہ۔ بحرین۔ بغداد۔ اہواز۔ کرمان۔ اصفہان۔ حلوان۔ استرآباد۔ ہمدان۔ نہاوند۔
رے۔ قومس۔ دامغان۔ طبرستان۔ جرجان۔ نیشاپور۔ سرخس۔ نسا۔ بخارا۔ سمرقند۔ کس۔ صغانیان۔ ترمذ۔ ہرات
قہستان۔ النمر۔ خوارزم۔ سیستان۔ مدائن۔ مصیصہ۔ حمص[1]۔ مختصر یہ کہ انکی اُستادی کے حدود خلیفہ وقت
کی حدود کے برابر تھے رفتہ رفتہ عراق میں انکا ملکی اثر قائم ہوگیا۔ یہانتک کہ ملک میں جو انقلابات ہوتے تھے لوگوں کو
انکی شرکت کا عموماً گمان ہوتا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں لکھا ہے کہ زید بن علی نے بنو امیہ کے عہد میں جو بغاوت
کی تھی امام صاحب بھی اُس میں شریک تھے "نامہ دانشوران" کے مؤلفوں نے بھی ایسا ہی گمان کیا ہے لیکن ہم اس پر
یقین نہیں کر سکتے جسقدر تاریخیں اور رجال کی کتابیں ہمارے سامنے ہیں ان میں کہیں اسکا ذکر نہیں حالانکہ
اگر ایسا ہوتا تو ایک قابل ذکر واقعہ تھا۔ زید بن علی نے سنہ ۱۲۱ھ میں بغاوت کی تھی اُسوقت ہشام بن عبدالملک
تخت خلافت پر متمکن تھا ہشام اگرچہ کفایت شعار اور بعض امور میں نہایت حریص تھا لیکن اسکی سلطنت نہایت
امن وامان کی سلطنت تھی ملک میں ہر طرف امن امان کا سکہ بیٹھا ہوا تھا رعایا عموماً رضامند تھی بیت المال
میں ناجائز آمدنیاں داخل نہیں ہو سکتی تھیں اس حالت میں امام ابوحنیفہ کو مخالفت کی کوئی وجہ نہ تھی زید بن
علی سادات میں ایک صاحب ادعا شخص تھے۔ بے شبہ انکو بغاوت کرنی ضروری تھی کیونکہ انکے خیال میں خلافت
انکا خاص حق تھا غالباً اس غلط فہمی کا منشا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا خاندان اہلبیت کیساتھ ایک ظاہرا ارادت رکھتا تھا
امام صاحب نے ایک مدت تک امام باقر کے دامن فیض میں تربیت پائی تھی۔ کوفہ کی ہوا میں ایک مدت تک شیعہ پن کا
اثر تھا ان اتفاقی واقعات نے امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ گمان پیدا کر دیا ورنہ تاریخی شہادتیں بالکل اس کے
خلاف ہیں ہشام نے سنہ ۱۲۵ھ میں وفات کی اُسکے بعد ولید بن یزید۔ یزید الناقص۔ ابراہیم بن الولید۔ مروان الحمار
یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ عباسی خلافت کی سلسلہ جنبانی جو ایک مدت سے ہو رہی تھی مروان کے عہد میں
نہایت قوت پکڑ گئی۔ ابومسلم خراسانی نے تمام ملک میں سازشوں کا جال پھیلا دیا اور مروانی حکومت کی جڑ ہلا دی
چونکہ زیادہ تر فساد کا مرکز عراق اور عراق میں بھی خاص کوفہ تھا۔ مروان نے یزید بن عمرو بن ہبیرہ کو یہاں کا گورنر مقرر کیا
جو نہایت مدبر۔ دلیر۔ فیاض خاندانی اور صاحب اثر شخص تھا۔ یزید نے حکومت مروانی کی ترکیب کو غور سے دیکھا
تھا وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کل میں اور سب کچھ ہے لیکن مذہبی پرزے نہیں ہیں اس بنا پر اُس نے چاہا کہ ایوان حکومت
مذہبی ستونوں پر قائم کیا جائے عراق کے تمام فقہا کو جنمیں قاضی ابن ابی لیلی ابن شبرمہ داؤد بن ہند بھی شامل تھے
بلاکر بڑی بڑی ملکی خدمتیں دیں امام صاحب کو میر منشی اور افسر خزانہ مقرر کرنا چاہا اُنہوں نے صاف انکار کیا یزید نے
قسم کھا کر کہا کہ جبراً منظور کرنا ہوگا۔ اُنکے ہم صحبت بزرگوں نے بھی سمجھایا مگر یہ اپنے انکار پر قائم رہے اور کہا کہ اگر

[1] عقود الجمان باب عاشر ۱۲

یزید کہے کہ مسجد کے دروازے گن دو تو بھی مجھکو گوارا نہیں نہ کہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھے اور میں اسپر مہر کروں[۱]
یزید نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ ہر روز انکو دس دُرے لگائے جائیں۔ اس ظالمانہ حکم کی تعمیل ہوئی تاہم وہ اپنی ضد سے
نہ ہٹے آخر مجبور ہوکر یزید نے چھوڑ دیا ایک روایت یہ ہے کہ اُسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور ۱۳۷ھ تک وہیں
رہے ابن قتیبہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ جھگڑا قضا کے قبول کرنے پر تھا ممکن ہے کہ یہ عہدہ بھی اُنکے لیے تجویز ہوا ہو
اور اُنھوں نے اُس سے بھی انکار کیا ہو ۱۳۲ھ میں سلطنت اسلام نے دوسرا پہلو بدلا یعنی بنو امیہ کا خاتمہ ہوگیا اور آل
عباس تاج و تخت کے مالک ہوئے اس خاندان کا پہلا فرمانروا ابو العباس سفاح تھا اُس نے چار برس کی حکومت کے
بعد ۱۳۶ھ میں قضا کی سفاح کے بعد اُسکا بھائی منصور تخت نشین ہوا عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا تھا
یہانتک کہ خلفائے بنی اُمیہ کی قبریں اُکھڑوا کر اُنکی ہڈیاں تک جلا دیں تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا
سکہ نہیں بیٹھا تھا جا بجا بغاوتیں اُٹھیں۔ ان فتنوں کے فرو کرنے میں سفاح و منصور اعتدال کی حد سے بہت
دُور نکل گئے اور وہ زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا تمام ملک کی آنکھیں انکی جانب اُٹھنے
لگی تھیں لیکن ان خونریزیوں نے سب کے دل افسردہ کر دیئے چنانچہ ایک موقع پر منصور نے عبد الرحمن سے جو اسکا بچپن کا یار تھا
پوچھا کہ ہماری سلطنت کو مروان کی سلطنت سے کیا نسبت ہے؟ اُسنے کہا میرے نزدیک تو کچھ فرق نہیں منصور نے
کہا کیا کروں کام کے آدمی نہیں ملتے عبد الرحمن نے کہا بازار میں جس جنس کی زیادہ مانگ ہوتی ہے کثرت بھی اسی کی ہوتی ہے
اور بے رحمیاں تو ہوتی ہی تھیں منصور نے یہ ستم کیا کہ سادات کی خانہ بربادی شروع کی اسمیں شبہ نہیں کہ سادات ایک
مدت سے خلافت کا خیال پکا رہے تھے اور ایک لحاظ سے اُنکا حق بھی تھا تاہم سفاح کی وفات تک اُن کی کوئی
سازش ظاہر نہ ہوئی تھی۔ صرف بدگمانی پر منصور نے سادات و علویین کی بیخ کنی شروع کی جو لوگ انمیں ممتاز
تھے اُنکے ساتھ بیرحمیاں کیں محمد بن ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانۂ روزگار تھے اور اس وجہ سے دیباج کہلاتے تھے
اُنکو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ ان بیرحمیوں کی ایک بڑی داستان ہے جسکے بیان کرنیکو بڑا سخت دل چاہیے آخر تنگ
آکر ۱۴۵ھ میں انہیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس ذکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا
اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتی کہ امام مالک نے فتویٰ دیدیا کہ منصور کے
جبراً بیعت لی خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے۔ نفس ذکیہ اگرچہ نہایت دلیر۔ قوی بازو۔ فن جنگ سے واقف
تھے لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑکر میدان
جنگ میں مارے گئے اُنکے بعد ابراہیم اُنکے بھائی نے علم خلافت بلند کیا اور اس سر و سامان سے مقابلہ کو اُٹھے
کہ منصور کے حواس جاتے رہے کہتے ہیں کہ اس اضطراب میں منصور نے دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے نہ پلنگ پر سویا

[۱] عقود الجمان باب بست و یکم ۱۲۔

سے تکیہ اٹھا لیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا۔" انہیں دنوں میں دو کنیزیں حرم میں
آئیں اُنسے بات تک نہ کی۔ ایک شخص نے سبب پوچھا تو کہا یہ فرصت کے کام ہیں اسوقت تو یہ دھن ہے کہ ابراہیم کا سر
میرے آگے یا میرا سر ابراہیم کے آگے رکھا جائے۔"

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے اُنکے دعویٰ خلافت پر
ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں۔ خاص کوفہ میں کم و بیش لاکھ آدمی اُنکے ساتھ جان دینے کو تیار
ہو گئے مذہبی گروہ خاصکر علما و فقہا نے عموماً اُنکا ساتھ دیا۔ امام ابوحنیفہؒ شروع سے عباسیوں کی بے اعتدالیاں
دیکھتے آتے تھے سفاح ہی کے زمانہ میں اُنکی رائے قائم ہو چکی تھی کہ یہ لوگ منصب خلافت کے شایاں نہیں۔ ابراہیم بن میمون
جو ایک نہایت دیندار عالم تھے امام صاحب کے خالص دوستوں میں سے تھے وہ اکثر کہتے کہ ان مظالم پر کیا ہمکو چپ
رہنا چاہیئے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف بے شبہہ فرض ہے مگر اُسکے لیئے سامان شرط ہے لیکن وہ مذہبی
جوش میں صبر کی تاب نہ لا سکے ابو مسلم خراسانی کہ ان ظلموں کا بانی تھا اُسکے پاس گئے اور نہایت بیباکی کیساتھ اس
امر کے متعلق گفتگو کی اس نے اُن کی گستاخی یا فساد پیدا ہونیکے احتمال سے اُنکو قتل کرا دیا امام ابوحنیفہ سُنکر بہت روئے[1]
لیکن کیا کر سکتے تھے یہ ۱۳۱ھ کا واقعہ ہے ۱۳۵ھ میں ابراہیم نے جب علم خلافت بلند کیا تو اور پیشوایان مذہب کے
ساتھ امام صاحب نے بھی اُنکی تائید کی خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں سے نہ ہو سکے جسکا
اُنکو ہمیشہ افسوس رہا۔ نامہ دانشوران میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے جو اُنہوں نے ابراہیم کو لکھا تھا اُسکے
یہ الفاظ ہیں۔ اما بعد فانی قد جهزت الیک اربعة آلاف درهم ولم یکن عندی غیرها ولولا امانات عندی للحقت بک
فاذا لقیت القوم وظفرت بهم فافعل کما فعل ابوک فی اهل صفین اقتل مدبرهم واجهز علی جریحهم ولا تفعل کما فعل
ابوک فی اهل الجمل فان القوم لهم فئة یعنی میں آپکے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہوں کہ اسوقت اسی قدر موجود
تھے اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ رکھی ہوتیں تو میں ضرور آپ سے آملتا جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں تو وہ
برتاؤ کریں جو آپکے باپ (حضرت علی) نے صفین والوں کے ساتھ کیا تھا زخمی اور بھاگ جانے والے سب قتل
کیئے جائیں وہ طریقہ نہ اختیار کیجیئے گا جو آپکے والد نے حرب جمل میں جائز رکھا تھا کیونکہ مخالف بڑی جمعیت
رکھتا ہے۔ نامہ دانشوران میں اس خط کی نسبت لکھا ہے کہ معتبر کتابوں میں منقول ہے لیکن کسی خاص کتاب کا
نام نہیں بتایا اس لیئے ہم اُسکی صحت پر یقین نہیں کر سکتے۔ یہ خط صحیح ہو یا غلط مگر اسمیں شبہہ نہیں کہ امام صاحب
ابراہیم کے علانیہ طرفدار تھے اور بمجبوری اسکے کہ خود شریک جنگ نہ ہو سکے اور ہر طرح پر اُنکی مدد کی۔ ابراہیم نے اپنی
بے تدبیری سے شکست کھائی اور بصرہ میں نہایت دلیری سے لڑ کر مارے گئے اس مہم سے فارغ ہو کر منصور

(۱) الجواہر المضیئہ ترجمہ ابراہیم بن میمون ۱۲

اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا۔ ان میں امام صاحب بھی تھے اُس وقت تک منصور کا پایۂ تخت ہاشمیہ ایک مقام تھا جو کوفہ سے چند میل پر ہے لیکن چونکہ کوفہ والے سادات کے سوا اور کسی خاندان کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے منصور نے ایک دوسرے دارالخلافہ کی تجویز کی اور بغداد کو انتخاب کیا سنہ ۱۴۶ھ میں بغداد پہنچکر امام ابوحنیفہ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پایۂ تخت میں حاضر ہوں۔ وہ بنو اُمیہ کی تباہی کے بعد مکہ معظمہ سے چلے آئے تھے اور کوفہ میں مقیم تھے منصور نے گو پہلے ہی اُنکے قتل کا ارادہ کر لیا تھا تاہم بہانہ ڈھونڈتا تھا دربار میں حاضر ہوئے تو ربیع نے کہ حاجب کا عہدہ رکھتا تھا ان لفظوں سے اُنکو دربار میں پیش کیا "یہ دنیا میں آج سب سے بڑا عالم ہے" منصور نے پوچھا تم نے کس سے علم کی تحصیل کی امام نے اُستادوں کے نام بتلائے جن کا سلسلہ شاگردی بڑے بڑے صحابہ تک پہنچتا ہے۔ منصور نے اُنکے لیئے قضا کا عہدہ تجویز کیا۔ امام صاحب نے صاف انکار کیا اور کہا کہ "میں اسکی قابلیت نہیں رکھتا" منصور نے غصہ میں آکر کہا "تم جھوٹے ہو" امام صاحب نے کہا "اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعوی ضرور سچا ہے کہ میں عہدہ قضا کے قابل نہیں کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں مقرر ہو سکتا" یہ تو ایک منطقی لطیفہ تھا لیکن دراصل وہ قضا کی ذمہ داریاں نہیں اُٹھا سکتے تھے اُنہوں نے منصور کے سامنے اپنی ناقابلیت کی جو وجہیں بیان کیں وہ بالکل بجا تھیں یعنی یہ کہ مجھکو اپنی طبیعت پر اطمینان نہیں میں عربی النسل نہیں ہوں اسلیئے اہل عرب کو میری حکومت ناگوار ہوگی درباریوں کی تعظیم کرنی پڑیگی اور یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا پھر بھی منصور نے نہ مانا اور قسم کھا کر کہا تمکو قبول کرنا ہوگا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز قبول نہ کرونگا۔ اس جرأت اور بیباکی پر تمام دربار حیرت زدہ تھا۔ ربیع نے غصہ میں آکر کہا ابوحنیفہ! تم امیرالمومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا ہاں کیونکہ امیرالمومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ آسان ہے۔ خطیب کی ایک اور روایت ہے کہ منصور نے زیادہ جبر کیا تو مجبوراً دارالقضا میں جا کر بیٹھے ایک مقدمہ پیش ہوا جسمیں قرض کا دعوی تھا لیکن ثبوت کے گواہ نہ تھے مدعا علیہ کو سرے سے انکار تھا۔ امام صاحب نے حسب قاعدہ مدعا علیہ سے کہا تم قسم کھاؤ کہ مدعی کا تم پر کچھ دینا نہیں آتا وہ تیار ہو گیا "و اللہ" کا لفظ کہا تھا کہ امام صاحب نے گھبرا کر روک دیا اور آستین سے کچھ روپیہ نکالکر مدعی کے حوالے کیئے کہ تم اپنا قرض لو ایک مسلمان کو قسم کیوں کھلواتے ہو۔ عدالت سے آکر منصور سے کہدیا کہ مجھ سے کسی طرح یہ کام نہیں چل سکتا اسپر حکم ہوا کہ قید خانہ بھیجے جائیں جس وقت چھوٹے کہ قید حیات سے چھوٹے اس مدت میں منصور اکثر اُنکو قید خانہ سے بلا لیتا اور علمی بحثیں کیا کرتا۔

وفات رجب سنہ ۱۵۰ ہجری

منصور نے امام کو سنہ ۱۴۶ھ میں قید کیا لیکن اس حالت میں بھی اُسکو اُنکی طرف سے اطمینان نہ تھا بغداد دارالخلافہ

ہونیکی وجہ سے علوم وفنون کا مرکز بنگیا تھا۔ طالبان کمال ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے آ آ کر بغداد ہی کا رخ کرتے تھے امام حنیفہ کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی قید کی حالت نے انکا اثر اور قبول عام کو بجائے کم کرنیکے اور زیادہ کر دیا تھا۔ بغداد کی علمی جماعت جسکا شہر میں بہت کچھ اثر تھا۔ انکے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے انکو نظر بند رکھا تھا لیکن کوئی امر انکے ادب و تعظیم کی خلاف نکر سکتا تھا قید خانہ میں انکا سلسلہ تعلیم بھی برابر قائم رہا امام محمد نے کہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں قید خانہ ہی میں انسے تعلیم پائی ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب کیطرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید خانہ کی حالت میں بھی باقی رہا جسکی آخری تدبیر یہ تھی کہ بیخبری میں انکو زہر دلوا دیا جب انکو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں قضا کی انکے مرنے کی خبر نہایت جلد تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا بغداد امنڈ آیا حسن بن عمارہ نے کہ قاضی شہر تھے غسل دیا نہلاتے جاتے اور کہتے جاتے تھے "واللہ تم سب سے بڑے فقیہ بڑے عابد بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکیں" غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگوں کی وہ کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا۔ اسپر بھی آنیوالوں کا سلسلہ قائم تھا یہانتک کہ چھ بار نماز پڑھی گئی اور عصر کے قریب جا کر لاش دفن ہو سکی امام نے وصیت کی تھی کہ خیزران کے مقبرے میں دفن کئے جائیں کیونکہ یہ جگہ انکے خیال میں مغصوبہ نہ تھی اس وصیت کے موافق خیزران کے مشرقی جانب انکا مقبرہ تیار ہوا۔ مورخ خطیب نے لکھا ہے کہ "دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ انکے جنازہ کی نماز پڑھا کئے" قبول عام کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہوگی؟ اسوقت ان ممالک میں بڑے بڑے ائمہ مذہب موجود تھے جنمیں بعض خود امام صاحب کے استاد تھے سب نے انکے مرنے کا رنج کیا اور نہایت تاسف آمیز کلمات کہے ابن جریج مکہ میں تھے سنکر کہا "انا للہ بہت بڑا علم جاتا رہا" شعبہ بن الحجاج نے کہ امام ابو حنیفہ کے شیخ اور بصرہ کے امام تھے نہایت افسوس کیا اور کہا "کوفہ میں اندھیرا ہو گیا" اس واقعہ کے چند روز بعد عبد اللہ بن المبارک کو بغداد جانیکا اتفاق ہوا امام کی قبر پر گئے اور رو کر کہا "ابو حنیفہ! خدا تم پر رحم کرے ابراہیم مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے افسوس تم نے تمام دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہ چھوڑا۔

امام صاحب کو زہر دیا گیا

امام کا مزار ایک مدت تک بوسہ گاہ خلائق رہا اور آج بھی ہے سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے کہ بڑی عظمت و شان کا فرمانروا اور نہایت عادل و فیاض تھا ۴۵۹ھ میں انکی قبر پر ایک قبہ اور اسکے قریب ایک مدرسہ تیار کرایا غالباً بغداد میں یہ پہلا مدرسہ تھا کیونکہ نظامیہ جو تمام اسلامی مدرسوں کا آدم خیال کیا جاتا ہے۔ وہ اسی سنہ میں لیکن اسکے بعد تعمیر ہوا۔ رفعت اور خوبی عمارت کے لحاظ سے لاجواب تھا۔ ابو سعید شرف الملک کہ الپ ارسلان کا مستوفی تھا اس کے اہتمام سے عمارت تیار ہوئی۔ افتتاح کی رسم میں بغداد کے تمام علماء اور عمائد شریک تھے اتفاق سے اسی وقت ابو جعفر مسعود جو ایک مشہور شاعر تھا آ نکلا اور برجستہ یہ اشعار پڑھے۔

[1] عقود الجمان میں یہ تمام تفصیل مذکور ہے ۱۲

الم تر ان العلم کان مبددا	فجمعه هذا المغیب فی اللحد
کذلک کانت هذه الارض میتة	فانشرها فعل الحمید ابی سعد

یعنی تم دیکھتے نہیں! علم کسطرح ابتر ہو رہا تھا پھر اس شخص نے اسکو ترتیب دی جو اس لحد میں مدفون ہے اسی طرح یہ زمین مردہ پڑی تھی ابوسعید کی کوشش نے اسکو دوبارہ زندہ کیا۔ یہ مدرسہ جو مشہد ابوحنیفہ کے نام سے مشہور ہے مدت تک قائم رہا اور بڑے بڑے نامور علما اسکے پروفیسر مقرر ہوتے جنکے نام اور اجمالی حالات الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ میں اکثر پائے جاتے ہیں ۴۹۳ھ میں حکیم ابن جزلہ نے کہ خلیفہ مقتدر باللہ کے دربار کا ایک مشہور حکیم تھا اپنی تمام کتابیں اس مدرسہ پر وقف کیں[1] اس مدرسہ کے متعلق ایک مسافرخانہ بھی تھا شائقان علم جو اطراف ملک سے آکر بغداد میں عارضی قیام کرتے تھے انکو وہاں سے کھانا ملتا تھا۔ ایشیا کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جسوقت بغداد میں پہنچا عباسی حکومت کا آخر زمانہ تھا وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ ,, اسوقت تمام بغداد میں مشہد ابی حنیفہ کے سوا کوئی زاویہ موجود نہیں ہے جہاں سے مسافروں کو کھانا ملتا ہو۔ آج بھی ان کا مقبرہ بغداد کے مشہور اور متبرک مقامات میں سے ہے حال کے شاہ ایران سلطان ناصرالدین قاچار خلد اللہ سلطنتہ نے اپنے حالات سفر میں اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور نذر چڑھائی علم کی شان دیکھو جسکی بدولت کوفہ کے ایک بزاز نے یہ رتبہ حاصل کیا کہ بارہ سو برس کے بعد آج اسکے مزار پر بڑے بڑے شاہنشاہوں کے سر جھکتے ہیں۔

امام کی اولاد

امام صاحب کی اولاد کا مفصل حال معلوم نہیں مگر اس قدر یقینی ہے کہ وفات کیوقت حماد کے سوا کوئی اور اولاد موجود نہ تھی حماد بڑے رتبہ کے فاضل تھے بچپن میں انکی تعلیم نہایت اہتمام سے ہوئی تھی چنانچہ جب الحمد ختم کی تو انکے پدر بزرگوار نے اس تقریب میں معلم کو پانچسو درہم نذر کئے بڑے ہوئے تو خود امام صاحب سے مراتب علمی کی تکمیل کی علم وفضل کیساتھ بے نیازی اور پرہیزگاری میں بھی باپ کے خلف الرشید تھے امام صاحب نے جب انتقال کیا تو انکے گھر میں لوگوں کا بہت سا مال واسباب امانت رکھا تھا۔ انہوں نے قاضی شہر کے پاس حاضر کیا کہ جنکی امانتیں ہیں انکو پہنچا دی جائیں قاضی صاحب نے کہا کہ ابھی اپنے ہی پاس رہنے دو کہ زیادہ حفاظت سے رہیگا۔ انہوں نے کہا کہ آپ انکی جانچ کر لیں کہ میرے باپ کا ذمہ بری ہو جائے۔ بغرض تمام مال واسباب قاضی صاحب کو سپرد کرکے خود روپوش ہو گئے اور اسوقت ظاہر ہوئے کہ وہ چیزیں کسی اور مہتمم کے اہتمام میں دیدی گئیں تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا۔ ذیقعدہ ۱۷۶ھ میں قضا کی چار بیٹے چھوڑے۔ عمر، اسمٰعیل ابوحیان، عثمان۔ اسمٰعیل نے علم وفضل میں نہایت شہرت حاصل کی چنانچہ مامون الرشید نے انکو عہدۂ قضا پر

[1] ابن خلکان ترجمہ یحییٰ بن عیسیٰ بن جزلہ الطبیب ۱۲

مامور کیا۔ جسکو انہوں نے اس دیانت داری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب بصرہ سے چلے تو سارا شہر ان کی مشایعت کو نکلا اور سب لوگ انکی جان و مال کو دعائیں دیتے تھے[1]۔ مسافر نے انکی مدح میں کہا ہے[1]

أذا ما الناس يوما قايسونا ۔۔۔ بآبدة من الفتيا طريفة
أتيناهم بمقياس صحيح ۔۔۔ تلاد من طراز أبي حنيفة
أذا سمع الفقيه بها وعاها ۔۔۔ وأثبتها بحبر في صحيفة

امام صاحب کی معنوی اولاد تو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور شاید چھ سات کروڑ سے کم نہوگی لیکن انکی جسمانی اولاد بھی جابجا موجود ہے خود ہندوستان میں متعدد خاندان ہیں جنکا سلسلہ نسب امام تک پہنچتا ہے اور خدا کے فضل سے علم و فضل کا جوہر بھی نسلاً بعد نسل انکی میراث چلا آتا ہے۔

اخلاق و عادات

مبالغہ آمیز روایتیں

ہمارے تذکرہ نویسوں نے امام کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں خوش اعتقادی اور مبالغہ کا اسقدر رنگ بھرا ہے کہ امام صاحب کی اصلی صورت اچھی طرح پہچانی نہیں جاتی چالیس برس تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی، تین برس تک متصل روزے رکھے "جہاں وفات کی اسجگہ سات ہزار بار قرآن ختم کیا" شہر کوفہ میں مشتبہ گوشت کا ٹکڑا پڑ گیا تو اس خیال سے کہ مچھلیوں نے کہا یا ہوگا اور مچھلیاں بہت دنوں تک زندہ رہتی ہیں۔ ایک مدت تک مچھلی نہیں کھائی اسی طرح ایک شبہہ پر بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ ان کا ذاتی صرف۔ صرف دس آنہ ماہوار تھا یہ اور اس قسم کے بہت سے افسانے انکی نسبت مشہور ہیں اور لطف یہ کہ ہمارے مورخین انہیں واقعات کو امام کے کمالات کا جوہر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہیں نہ ان سے کسی شرف پر استدلال ہوسکتا ہے یہ سچ ہے کہ امام صاحب کے جن فضائل یا عام حالات کو ہم صحیح تسلیم کرتے ہیں وہ بھی ان ہی کتابوں سے ماخوذ ہیں جنمیں یہ فضول قصے مذکور ہیں لیکن ہر واقعہ کی حیثیت الگ ہوتی ہے اور اسی اعتبار سے شہادت کی حیثیت بھی بدلجاتی ہے معمولی واقعات میں عام شہادتیں کافی ہیں لیکن اس قسم کے واقعات کیلئے ایسی سند درکار ہے جسمیں ذرا بھی شبہہ کی گنجائش نہو یعنی حدیث صحیح مرفوع متصل کیلئے جو قیدیں ضروری ہیں انسے بھی کچھ بڑھکر ساتھ ہی درایت کے اصول پر منطبق ہو امام صاحب کی دانشمندی دقیقہ سنجی نکتہ شناسی پر جب نگاہ پڑتی ہے جنکا ثبوت سمعی نہیں عیانی موجود ہے تو ان واقعات پر مشکل سے یقین آسکتا ہے جو رہبانیت اور بے اعتدالی کی حد سے بھی متجاوز ہیں امام صاحب کے محاسن اخلاق کی صحیح (مگر اجمالی) تصویر دیکھنی ہو تو قاضی ابو یوسف کی تقریر سنو جو انہوں نے ہارون الرشید کے سامنے بیان کی تھی ہارون نے ایک موقع پر قاضی صاحب موصوف سے کہا کہ ابوحنیفہ کے اوصاف بیان

[1] ابن خلکان ترجمہ حماد ۱۲ ۔ [2] معارف ابن قتیبہ ترجمہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ ۱۲

کیجیے انہوں نے کہا جہاں تک میں جانتا ہوں ابو حنیفہ کے اخلاق و عادات یہ تھے کہ نہایت پرہیزگار تھے منہیات سے بچتے تھے اکثر چپ رہتے تھے اور سوچا کرتے تھے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور ان کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے نہایت سخی اور فیاض تھے کسی کے آگے حاجت نہ لیجاتے اہل دنیا سے احتراز تھا۔ دنیوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتے تھے۔ غیبت سے بہت بچتے تھے۔ جب کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے بہت بڑے عالم تھے۔ اور مال کی طرح علم کے صرف کرنے میں بھی فیاض تھے ہارون الرشید نے یہ سنکر کہا "صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں" عام نگاہوں میں یہ باتیں چنداں وقعت نہیں رکھتیں لیکن روحانی اوصاف کے نکتہ شناس سمجھ سکتے ہیں کہ یہ طرز زندگی ظاہر میں جسقدر سادہ اور آسان ہے در اصل اسی قدر مشکل اور قدر کے قابل ہے۔

امام صاحب کو خدا نے حسن سیرت کے ساتھ جمال صورت بھی دیا تھا میانہ قد، خوشرو اور موزوں اندام تھے گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی۔ کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کر سکتے تھے مزاج میں تکلف تھا اور اکثر خوش لباس رہتے تھے کبھی کبھی سنجاب قاقم کے جبّے بھی استعمال کرتے تھے۔ ابو مطیع بلخی انکے شاگرد کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن انکو نہایت قیمتی چادر اور قمیص پہنے دیکھا جن کی قیمت کم از کم چار سو درہم ہوگی" ایک دن نضر بن محمد ان سے ملنے گئے امام صاحب کہیں باہر جانیکی تیاری کر رہے تھے انسے کہا کہ ذرا دیر کے لئے اپنی چادر مجھے دیدو واپس آئے تو شکایت کی کہ ناحق تمہاری چادر لیکر مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔ انہوں نے کہا کیوں؟ فرمایا بہت گندہ ہے نضر کہتے ہیں میں نے وہ چادر پانچ دینار کو خریدی تھی اور مجکو اسپر ناز تھا اس لئے امام صاحب کی شکایت سے تعجب ہوا لیکن دوسرے موقع پر جب میں نے انکو ایک چادر اوڑھے دیکھا جو تیس دینار سے کم قیمت کی نہ تھی تو وہ تعجب جاتا رہا" خلیفہ منصور نے درباریوں کیلئے خاص قسم کی ٹوپیاں ایجاد کی تہیں جو نرکل وغیرہ سے بنتی تہیں اور ان پر سیاہ کپڑا منڈھا ہوتا تھا چونکہ نہایت لمبی ہوتی تہیں ابو دلامہ شاعر نے ظرافۃً کہا۔

فزاد الامام المرتضی فی القلانس	وکنا نرجی من امام زیادۃ

یعنی ہمکو خلیفہ سے اضافہ کی امید تھی سو حضرت نے اضافہ کیا تو ٹوپیوں میں کیا" امام صاحب اگرچہ دربار سے کوسوں بھاگتے تھے لیکن اس قسم کی ٹوپی جو اہل دربار اور امرا کے ساتھ مخصوص تھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے دنیادار دولتمندوں کے لئے تو ایک معمولی بات ہے لیکن علماء کے دائرے میں یہ امر تعجب کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ امام صاحب کے توشہ خانہ میں اکثر سات آٹھ ٹوپیاں موجود رہتی تہیں اور باتوں میں بھی امام صاحب کا طرز معاشرت ان حیثیتوں میں اور علماء سے بالکل جدا تھا انکے ہمعصر عموماً شاہی دربار یا وزرا اور امرا کے وظیفہ خوار تھے اور اسکو عیب نہیں سمجھتے تھے قاضی ابن عبد البر سے کسی نے اعتراض کیا تھا کہ آپ امرا کے وظیفہ خوار ہیں انہوں نے اسکے جواب میں بعض صحابہ اور بہت سے تابعین اور تبع تابعین کی نظیریں پیش کیں جو امرا کے روزینے اور نئے انعامات سے زندگی

امام صاحب کا حلیہ اور لباس

درباری ٹوپی

بسر کرتے تھے اگرچہ ہم اسکو نئے خیال والوں کی طرح کاہلی و مفت خوری کا اثر نہیں سمجھتے کیونکہ اس زمانہ تک تعلیم کا
سلسلہ معاوضہ کی بنیاد پر نہیں قائم ہوا تھا۔ علماء بطور خود اپنے گھر و نیز مسجدوں میں لوگوں کو مفت تعلیم دیتے تھے
اور یہ سلسلہ اس قدر وسیع اور مفید تھا کہ آج تک اس سے بڑھکر نہ ہو سکا۔ امراء کے ہاں سے ان لوگوں کے لئے جو وظیفے
مقرر تھے یا کبھی کبھی صلہ و نذر کے طور پر مل جاتا تھا۔ اس کو ان آنریری پروفیسروں کی تنخواہ سمجھ لینا چاہئے لیکن
اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ رفتہ رفتہ انہیں مشاہروں سے پیرزادگی اور مفت خوری کی بنیاد قائم ہو گئی جس نے قوم کے
ایک بڑے حصہ کو بالکل نکما اور اپاہج بنا دیا بے شبہ امام ابو حنیفہ اس اصول کے سرے سے مخالف تھے اور اس لحاظ سے
انکی مخالفت بجا بھی تھی۔ اس بے تعلقی سے ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ امر حق کے اظہار میں امام صاحب کو کسی سے باک
نہیں ہوتا تھا۔ انسان کتنا ہی آزاد مزاج اور صاف گو ہو لیکن احسان وہ چھپا ہوا جادو ہے کہ اسکے اثر سے بچنا ناممکن نہیں
تو قریباً ناممکن ہے امام صاحب تمام عمر کسی کے احسانمند نہوئے اور اس وجہ سے انکی آزادی کو کوئی چیز دبا نہ سکتی تھی
اکثر موقعوں پر وہ اس خیال کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے ابن ہبیرہ نے کہ کوفہ کا گورنر اور نہایت نامور شخص تھا انسے
بہ لجاجت کہا کہ "آپ کبھی کبھی قدم رنجہ فرماتے تو مجھپر احسان ہوتا فرمایا "میں تم سے ملکر کیا کرونگا۔ مہربانی سے پیش آؤ گے
تو خوف ہے کہ تمہارے دام میں آجاؤں عتاب کروگے تو میری ذلت ہے تمہارے پاس جو زر و مال ہے مجھ کو
اسکی حاجت نہیں میرے پاس جو دولت ہے اسکو کوئی چھین نہیں سکتا" عیسیٰ بن موسیٰ کیساتھ بھی ایسا ہی واقعہ گزرا

خلیفہ منصور اور حرہ خاتون (منصور کی بیوی) میں کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی۔ خاتون کو شکایت تھی کہ خلیفہ
عدل نہیں کرتا منصور نے کہا کسی کو منصف قرار دو اسنے امام صاحب کا نام لیا اسیوقت طلبی کا فرمان گیا خاتون پردہ
کے قریب بیٹھی کہ امام صاحب جو فیصلہ کریں خود اپنے کانوں سے سنے منصور نے پوچھا شرع کی رو سے مرد کتنے
نکاح کر سکتا ہے امام صاحب نے کہا چار منصور خاتون کی طرف مخاطب ہوا کہ سنتی ہو! پردہ سے آواز آئی کہ ہاں سنا امام صاحب
نے منصور کی طرف خطاب کر کے کہا مگر یہ اجازت اس شخص کیلئے خاص ہے جو عدل پر قادر ہو ورنہ ایک سے زیادہ نکاح
کرنا اچھا نہیں خدا خود فرماتا ہے وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً منصور چپ ہو گیا امام صاحب گھر آئے تو
ایک خادم پچاس ہزار درہم کے توڑے لئے ہوئے حاضر ہوا کہ خاتون نے نذر بھیجی ہے اور کہا ہے کہ "آپکی کنیز
آپکو سلام کہتی ہے اور آپکی حق گوئی کی نہایت مشکور ہے" امام صاحب نے روپیہ پھیر دیئے اور خادم سے فرمایا جاکر خاتون سے
کہنا کہ "میں نے جو کچھ کہا کسی غرض سے نہیں کہا بلکہ میرا فرض منصبی تھا۔"

امام صاحب کی تجارت نہایت وسیع تھی لاکھوں کا لین دین تھا اکثر شہروں میں گماشتے مقرر تھے بڑے بڑے
سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا ایسے بڑے کارخانہ کے ساتھ دیانت اور احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز
طور پر ایک حبہ بھی انکے خزانہ میں نہیں داخل ہو سکتا تھا اس احتیاط میں کبھی کبھی نقصان اٹھانا پڑتا تھا مگر ان کو کچھ

پرواہ نہیں ہوتی تھی ایک دفعہ حفص بن عبدالرحمن کے پاس خز کی تھان بھیجے اور کہلا بھیجا کہ فلاں تھان میں عیب ہے خریدار کو جتا دینا حفص کو اس ہدایت کا خیال نہ رہا تھان بیچ ڈالے اور خریداروں کو اس عیب سے اطلاع نہ دی امام صاحب کو معلوم ہوا تو نہایت افسوس کیا تھانوں کی قیمت جو تیس ہزار درہم تھی سب خیرات کر دی۔

ایک دن ایک عورت خز کا تھان لیکر آئی کہ فروخت کرا دیجئے امام صاحب نے دام پوچھے اس نے سو روپیہ بتائے فرمایا کم ہیں اس نے کہا تو دو سو روپیہ فرمایا یہ تھان پانچسو سے کم قیمت کا نہیں اس نے متعجب ہو کر کہا کہ آپ شاید ہنسی کرتے ہیں امام صاحب نے پانچسو روپے اپنے پاس سے دیئے اور تھان رکھ لیا اس احتیاط اور دیانت نے ان کے کارخانہ کو بجائے نقصان پہنچانے کے اور بھی چمکا دیا تجارت اور اکتساب دولت سے انکا مقصود زیادہ تر عام کو فائدہ پہنچانا تھا۔ جتنے احباب اور ملنے والے تھے سب کے روزینے مقرر کر رکھے تھے شیوخ اور محدثین کے لئے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا کہ اس سے جو نفع ہوتا تھا سال کے سال ان لوگوں کو پہنچا دیا جاتا تھا[1] عام معمول تھا کہ گھر والوں کے لئے کوئی چیز خریدتے تو اسی قدر محدثین اور علماء کے پاس بھجواتے اتفاقیہ کوئی شخص ملنے آتا تو اسکا حال پوچھتے اور حاجتمند ہوتا تو حاجت روائی کرتے شاگردوں میں جسکو تنگ حال دیکھتے اسکی ضروریات خانگی کی کفالت کرتے کہ اطمینان سے علم کی تکمیل کر سکے بہت سے لوگ جنکو مفلسی کی وجہ سے تحصیل علم کا موقع نہیں مل سکتا تھا امام صاحب ہی کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبوں پر پہنچے انہیں میں قاضی ابو یوسف صاحب بھی ہیں جنکا مفصل تذکرہ آگے آتا ہے۔

ایک دفعہ کچھہ لوگ ملنے آئے انمیں ایک شخص ظاہری صورت سے شکستہ حال معلوم ہوتا تھا لوگ رخصت ہو کر چلے تو امام صاحب نے اس سے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ جانماز کی طرف اشارہ کیا کہ اسکو اٹھانا اسنے دیکھا تو ہزار درہم کی تھیلی تھی عرض کی کہ میں دولتمند ہوں مجکو اس کی ضرورت نہیں فرمایا تو صورت ایسی بنانی چاہیئے کہ دوسرونکو شبہہ نہو۔

ایک دفعہ کسی بیمار کی عیادت کو جا رہے تھے راہ میں ایک شخص ملا جو انکا مقروض تھا اسنے دور سے انکو دیکھہ لیا اور کترا کر دوسری طرف چلا انہوں نے پکارا کہ کہاں جاتے ہو وہ کھڑا ہو گیا قریب پہنچے تو پوچھا مجکو دیکھکر تم نے راستہ کیوں کاٹا اسنے کہا آپکے دس ہزار درہم مجھپر آتے ہیں جو مجھہ سے ابتک ادا نہو سکے۔ اس شرم سے آنکھہ برابر نہیں ہوتی امام صاحب اسکی غیرت سے متعجب ہوئے اور فرمایا جاؤ میں نے سب معاف کر دیا۔ ایک بار سفر حج میں عبداللہ سہمی کا ساتھہ ہوا کسی منزل میں ایک بدوی نے انکو پکڑا اور امام صاحب کے سامنے لایا کہ اسپر میرے روپیہ آتے ہیں اور ادا نہیں کرتا امام صاحب نے عبداللہ سے اسکی حقیقت پوچھی انہوں نے سرے سے انکار کیا امام صاحب نے بدوی سے پوچھا آخر کتنے درہموں پر جھگڑا ہے اس نے کہا چالیس درہم متعجب ہو کر فرمایا کہ زمانے سے حمیت اٹھ گئی تم اتنے سے معاملہ پر یہ فضیحتی!! پھر کل درہم اپنے پاس سے ادا کر دیئے۔ ابراہیم بن عتبہ چار ہزار درہم کے مقروض تھے اور

---

[1] علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں ان واقعات کو بسند بیان کیا ہے ۱۲

اور اس ندامت کی وجہ سے لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا انکے ایک دوست نے چندہ کرکے انکا قرض ادا کرنا چاہا لوگوں نے بقدر حیثیت اعانت کی امام صاحب کے پاس گئے تو فرمایا کہ کل کس قدر قرضہ ہے انہوں نے کہا چار ہزار فرمایا اتنی سی رقم کے لئے لوگوں کو کیوں تکلیف دیتے ہو یہ کہکر پورے چار ہزار درہم خود دیدیئے تاریخوں میں اس قسم کے اور بہت سے واقعات انکی نسبت منقول ہیں ہم نے اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کئے اس دولت مندی اور عظمت وشان کیساتھ نہایت متواضع حلیم اور خلیق تھے ایک دفعہ مسجد خیف میں تشریف رکھتے تھے شاگردوں اور ارادتمندوں کا حلقہ تھا ایک اجنبی شخص نے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب مناسب دیا اس نے کہا مگر حسن بصری نے اسکے خلاف بتایا ہے امام صاحب نے فرمایا حسن نے غلطی کی حاضرین میں سے ایک شخص کہ حسن کا معتقد تھا طیش میں آگیا اور چلا کر بولا "ابن الفاحشہ! تو حسن کو خاطی کہتا ہے" اس گستاخی اور بیہودہ گوئی نے تمام مجلس کو درہم وبرہم کردیا اور لوگوں نے چاہا کہ اسکو پکڑ کر سزا دیں امام صاحب کو انکے لحاظ سے لوگ مجبور ہوگئے مگر دیر تک مجلس میں سناٹا رہا۔ لوگوں کا جوش کم ہوا تو امام صاحب نے اس شخص کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ "ہاں حسن نے غلطی کی عبداللہ بن مسعود نے اس باب میں جو روایت کی ہے وہ صحیح ہے۔

علم وحلم

یزید بن کمیت کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر تھا ایک شخص نے اُنسے گستاخانہ گفتگو شروع کی امام صاحب تحمل سے جواب دیتے تھے وہ اور شوخ ہوتا جاتا تھا یہانتک کہ اس نے امام کو زندیق کہدیا۔ اسپر فرمایا کہ خدا تم کو بخشے وہ خوب جانتا ہے کہ میری نسبت جو تم نے لفظ کہا صحیح نہیں ہے امام صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی پر لعنت نہیں کی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ کسی مسلمان یا ذمی کو نہیں ستایا یا کسی سے فریب اور بدعہدی نہیں کی۔

امام سفیان ثوری اور امام صاحب میں کچھہ شکر رنجی تھی ایک شخص نے امام صاحب سے آکر کہا کہ سفیان ثوری آپ کو برا کہہ رہے تھے امام نے فرمایا کہ خدا میری اور سفیان دونوں کی مغفرت کرے سچ یہ ہے کہ ابراہیم نخعی کے موجود ہوتے بھی اگر سفیان دنیا سے اٹھ جاتے تو مسلمانوں کو سفیان کے مرنے کا ماتم کرنا پڑتا ایکدن مسجد میں درس دے رہے تھے ایک شخص نے جسکو انسے کچھہ عداوت تھی عام مجلس میں انکی نسبت ناسزا الفاظ کہے انہوں نے کچھہ التفات نہ کی اور اسیطرح درس میں مشغول رہے شاگردوں کو بھی منع کردیا کہ اسکی طرف متوجہ نہوں درس سے اٹھے تو وہ شخص ساتھ ہوا اور جو کچھہ منہ میں آتا تھا بکتا جاتا تھا۔ امام صاحب اپنے گھر کے دروازہ کے قریب پہنچے تو کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ بھائی یہ میرا گھر ہے کچھہ باقی رہ گیا ہو تو اٹھا نہ رکھو کہ اب میں اندر جاتا ہوں اور تمکو موقع نہ ملیگا ایک دن حلقہ درس قائم تھا ایک نوعمر نے مسئلہ پوچھا امام صاحب نے جواب دیا اس نے کہا ابوحنیفہ تم نے جواب میں غلطی کی ابوالخطاب جرجانی بھی حلقہ میں شریک تھے انکو نہایت غصہ آیا اور حاضرین کو ملامت کی کہ تم لوگ

بڑے بے حمیت ہو امام کی شان میں ایک لونڈا جو جی میں آتا ہے کہہ جاتا ہے تمکو ذرا جوش نہیں آتا امام صاحب نے ابوالخطاب کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ ان لوگوں پر کچھ الزام نہیں میں اس جگہ بیٹھا ہوں تو اسی لئے بیٹھا ہوں کہ لوگ آزادانہ میری رائے کی غلطیاں ثابت کریں اور میں تحمل کے ساتھ سنوں۔

محلہ میں ایک موچی رہتا تھا جو نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج تھا۔ اس کا معمول تھا کہ دن بھر مزدوری کرتا شام کو بازار جاکر گوشت اور شراب مول لاتا کچھ رات گئے دوست احباب جمع ہوتے خود سیخ پر کباب لگاتا اور یاروں کو کھلاتا ساتھ ہی شراب کا دور چلتا اور مزے میں آکر یہ شعر گاتا۔ اضاعونی وای فتی اضاعوا۔

لیوم کریھۃ وسداد ثغر۔ یعنی لوگوں نے مجھکو ہاتھ سے کھو دیا اور کیسے بڑے شخص کو کھویا جو لڑائی اور رخنہ بندی کے دن کام آتا۔ امام صاحب ذکر و شغل میں رات کو کم سوتے تھے اس کی نغمہ سنجیاں سنتے اور فرط اخلاق کیوجہ سے کچھ تعرض نکرتے ایک رات کوتوال شہر ادھر آنکلا اور اس غریب کو گرفتار کرکے قیدخانہ میں بھیجدیا صبح کو امام صاحب نے دوستوں سے تذکرہ کیا رات ہمارے ہمسایہ کی آواز نہیں آئی لوگوں نے رات کا ماجرا بیان کیا اسی وقت سواری طلب کی دربار کے کپڑے پہنے اور دارالامارۃ کا قصد کیا۔ یہ عباسیہ کا عہد حکومت تھا اور عیسیٰ بن موسیٰ کہ خلیفہ منصور کا برادرزادہ اور تمام خاندان میں عقل و تدبیر دلیری اور شجاعت کے لحاظ سے ممتاز تھا کوفہ کا گورنر تھا لوگوں نے اطلاع کی کہ امام ابوحنیفہ آپ کے ملنے کو آتے ہیں۔ اس نے درباریوں کو استقبال کیلئے بھیجا اور حکم دیا کہ دارالامارۃ کے صحن تک امام صاحب کو سواری پر لائیں سواری قریب آئی تو تعظیم کو اٹھا اور نہایت ادب سے لاکر بٹھایا پھر عرض کی کہ "آپنے کیوں تکلیف فرمائی مجھکو بلا بھیجتے کہ میں خود حاضر ہوتا" امام صاحب نے فرمایا کہ ہمارے محلہ میں ایک موچی رہتا ہے کوتوال نے اسکو گرفتار کر لیا ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ رہا کر دیا جائے عیسیٰ نے اسی وقت داروغہ جیل کو حکم بھیجا اور وہ رہا کر دیا گیا امام صاحب عیسیٰ سے رخصت ہوکر چلے تو موچی بھی ہمرکاب ہوا امام اسکی طرف مخاطب ہوئے کہ "کیوں ہم نے تمکو ضائع تو نہیں کیا" یہ اس شعر کی طرف اشارہ تھا جس کو وہ ہمیشہ پڑھا کرتا تھا اضاعونی وای فتی اضاعوا اسنے عرض کی "نہیں آپنے ہمسائگی کا پورا حق ادا کیا" اس کے بعد اسنے عیش پرستی سے توبہ کی اور امام صاحب کے حلقہ درس میں بیٹھنے لگا۔ رفتہ رفتہ علم فقہ میں مہارت حاصل کی اور فقیہہ کے لقب سے ممتاز ہوا۔[1]

امام صاحب کے والد نے امام کے سن رشد سے پہلے قضا کی لیکن والدہ مدت تک زندہ رہیں اور امام کو اُن کی خدمت گزاری کا کافی موقع ہاتھ آیا۔ وہ مزاج کی شکی تھیں اور جیسا کہ عورتوں کا قاعدہ ہے واعظوں اور قصہ گویوں کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتی تھیں کوفہ میں عمرو بن ذر ایک مشہور واعظ تھے۔ ان کے ساتھ خاص عقیدت

پڑوسی اور ہمسائگی کا لحاظ

والدہ کی خدمت

[1] یہ واقعہ بہت سی کتابوں میں مختلف طریقے سے مذکور ہے کتاب الاغانی وابن خلکان و عقود الجمان کی روایت اختیار کی ہے ۱۲

کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتی تہیں کوفہ میں عمرو بن ذر ایک مشہور واعظ تھے اُن کے ساتھ خاص عقیدت تھی
کوئی مسئلہ پیش آتا تو امام صاحب کو حکم دیتیں کہ عمرو بن ذر سے پوچھ آؤ۔ امام تعمیل ارشاد کیلئے اُنکے پاس جاکر مسئلہ
پوچھتے وہ عذر کرتے کہ آپ کے سامنے میں کیا زبان کھول سکتا ہوں فرماتے کہ "والدہ کا یہی حکم ہے" اکثر ایسا ہوتا کہ
عمرو کو مسئلہ کا جواب نہ آتا امام صاحب سے درخواست کرتے کہ "آپ مجھکو بتا دیں اُسی کو آپ کے سامنے دوہرا دوں"
کبھی کبھی اصرار کرتیں کہ میں خود چلکر پوچھونگی خچر پر سوار ہوتیں امام صاحب پا پیادہ ساتھ ہوتے خود مسئلہ کی صورت
بیان کرتیں اور اپنے کانوں سے جواب سُن لیتیں تب تسکین ہوتی ایکدفعہ امام صاحب سے پوچھا کہ یہ صورت پیش آئی ہے
مجھکو کیا کرنا چاہیئے امام صاحب نے جواب بتایا۔ بولیں تمہاری سند نہیں۔ زرعہ واعظ تصدیق کریں تو مجھکو اعتبار آئے
امام صاحب اُن کو لیکر زرعہ کے پاس گئے اور مسئلہ کی صورت بیان کی زرعہ نے کہا آپ مجھ سے زیادہ جانتے
ہیں آپ کیوں نہیں بتا دیتے امام صاحب نے فرمایا میں نے یہ فتویٰ دیا تہا زرعہ نے کہا کہ بالکل صحیح ہے سُنکر اُن کو تسکین
ہوئی اور گھر واپس آئیں ابن ہبیرہ نے جب امام صاحب کو بلاکر میر منشی مقرر کرنا چاہا اور انکار کے جرم پر دُرّے لگوائے
اُسوقت امام کی والدہ زندہ تھیں۔ اِن کو نہایت صدمہ ہوا۔ امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجھکو اپنی تکلیف کا چنداں
خیال نہ تھا البتہ یہ رنج ہوتا تہا کہ میری تکلیف کی وجہ سے والدہ کے دلکو صدمہ پہنچتا ہے۔

امام صاحب اگرچہ نہایت رقیق القلب تھے اور کسی کو تکلیف اور رنج کی حالت میں دیکھتے تو بیتاب ہو جاتے ایکدفعہ
مسجد میں بیٹھے تھے کسی نے آکر کہا کہ فلاں شخص کوٹھے پر سے گر پڑا دفعۃً اس زور سے چیخ اُٹھے کہ مسجد میں تہلکہ
پڑ گیا۔ حلقۂ درس چھوڑکر برہنہ پا دوڑے اور اُس شخص کے گھر پر جاکر بہت کچھ غمخواری اور ہمدردی کی جبتک وہ
اچھا نہوا روزانہ صبح کو جاتے اور اس کی تیمارداری کرتے تاہم اپنے اوپر کوئی مصیبت آن پڑتی تو اس استقلال
سے برداشت کرتے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا۔ عمال اور اہل دربار کے ہاتھ سے اکثر ان کو تکلیفیں پہنچیں مگر کبھی اُن کے
پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔ نہایت مضبوط دل رکھتے تھے اور ضبط و استقلال گویا مایۂ خمیر تھا۔

ایک دن جامع مسجد میں درس دے رہے تھے مستفیدوں اور ارادتمندوں کا مجمع تہا۔ اتفاقاً چھت سے ایک
سانپ گرا۔ امام کی گود میں آیا تمام لوگ گھبرا کر بھاگ گئے۔ مگر وہ اسی اطمینان سے بیٹھے رہے۔ امام مالک کو بھی ایک
بار ایسا ہی اتفاق پیش آیا اور وہ ان کی تاریخ زندگی کا مشہور اور دلچسپ واقعہ ہے۔

بات نہایت کم کرتے تھے۔ اور غیر ضروری باتوں میں کبھی دخل نہ دیتے۔ درس میں بھی معمول تہا کہ شاگرد آپس
میں نہایت آزادی سے بحثیں کرتے آپ چپ بیٹھے سنا کرتے جب بحث زیادہ بڑھ جاتی اور کسی بات کا تصفیہ
نہ ہوتا تو قولِ فیصل بیان کر دیتے کہ سب کو تشفی ہو جاتی ہے۔

غیبت سے پرہیز رکھتے تھے۔ اس نعمت کا شکر ادا کرتے کہ خدا نے میری زبان کو اس آلودگی سے پاک رکھا

رقت طبع

استقلال

حفظ لسان

ایک شخص نے کہا۔ حضرت! لوگ آپ کی شان میں کیا کچھ نہیں کہتے، مگر آپ سے میں نے کسی کی برائی نہیں سنی فرمایا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ امام سفیان ثوری سے کسی نے کہا ابوحنیفہ کو میں نے کسی کی غیبت کرتے نہیں سنا انہوں نے کہا کہ ابوحنیفہ ایسے بیوقوف نہیں کہ اپنے اعمال صالحہ کو آپ برباد کریں۔" قسم کھانی بُرا جانتے تھے اور اس سے بہت پرہیز کرتے تھے عہد کر لیا تھا کہ اتفاقاً بھی اس خطا کا مرتکب ہونگا تو ایک درہم کفارہ دونگا اتفاق سے بھول کر کسی موقعہ پر قسم کھالی اس کے بعد عہد کیا کہ اب بجائے درہم کے دینار دونگا۔

نہایت مرتاض اور زاہد تھے ذکر عبادت میں اُن کو مزہ آتا تھا اور بڑے ذوق و خلوص سے ادا کرتے تھے اس باب میں ان کی شہرت ضرب المثل ہو گئی تھی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ اُن کی پرہیزگاری اور عبادت کے واقعات تواتر کی حد کو پہنچ گئے ہیں۔" اکثر نماز میں یا قرآن پڑھنے کے وقت رقت طاری ہوتی اور گھنٹوں رویا کرتے۔ ابراہیم بصری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نماز فجر میں میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ شریک تھا۔ امام نماز نے یہ آیت پڑھی وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ یعنی خدا کو ظالموں کی کردار سے بیخبر نہ سمجھنا امام ابوحنیفہ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ سارا بدن کانپنے لگا۔ زائدہ کہتے ہیں کہ مجھکو ایک ضروری مسئلہ دریافت کرنا تھا۔ امام ابوحنیفہ کیساتھ نماز عشا میں شریک ہوا اور منتظر رہا کہ نوافل سے فارغ ہوں تو دریافت کروں وہ قرآن پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہنچے وقٰنا عذاب السموم بار بار اس آیت کو پڑھتے تھے یہانتک کہ صبح ہو گئی اور یہی آیت پڑھتے رہے ایک بار نماز میں یہ آیت پڑھی بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر یعنی "قیامت گنہگاروں کا وعدہ گاہ ہے اور قیامت سخت مصیبت کی چیز اور ناگوار چیز ہے۔" اسی آیت میں رات ختم ہو گئی بار بار پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ یزید بن کمیت ایک مشہور عابد اور امام صاحب کے ہمعصر تھے ان کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ نماز عشا میں امام ابوحنیفہ کیساتھ شریک تھا امام نماز نے اذا زلزلت پڑھی لوگ نماز پڑھکر چلے گئے میں ٹھہر رہا امام ابوحنیفہ کو دیکھا کہ بیٹھے ٹھنڈی سانسیں بھر رہے ہیں یہ دیکھکر میں اُٹھ آیا کہ ان کی اوقات میں خلل نہو صبح کو مسجد میں گیا تو دیکھا کہ غمزدہ بیٹھے ہیں ڈاڑھی ہاتھ میں ہے اور بڑی رقت سے کہہ رہے ہیں کہ "اے وہ! جو ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی دونوں کا بدلہ دیگا نعمان اپنے غلام کو آگ سے بچانا۔" ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے۔ ایک لڑکے کے پاؤں پر پاؤں پڑ گیا۔ وہ چیخ اُٹھا اور کہا کہ تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ امام کو غش آگیا مسعر بن کدام ساتھ تھے انہوں نے سنبھالا ہوش میں آئے تو پوچھا کہ ایک لڑکے کی بات پر اس قدر بیقرار ہو جانا کیا تھا؟ فرمایا کیا عجب کہ اس کی آواز غیبی ہدایت ہو۔" ایک دفعہ حسب معمول دوکان پر گئے نوکر نے کپڑوں کے تھان نکال کر اور تفاول کے طور پر کہا خدا ہم کو جنت دے۔ امام صاحب پر رقت طاری ہوئی اور اس قدر روئے کہ شانے تر ہو گئے۔ نوکر سے کہا کہ دوکان بند کر دو۔ آپ چہرہ پر رومال ڈال کر کسی طرف نکل گئے دوسرے دن دوکان

عبرت پذیری

پڑ گئے تو نوکر سے کہا کہ بھائی! ہم اس قابل کہاں کہ جنت کی آرزو کریں یہی بہت ہے کہ عذاب الٰہی میں گرفتار نہوں "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن اگر مجھ سے مواخذہ نہو نہ انعام ملے تو میں بالکل راضی ہوں" ایکدفعہ کسی کو مسئلہ بتارہے تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ ابو حنیفہ! خدا سے ڈر کر فتویٰ دیا کرو امام صاحب پر اس کا اس قدر اثر ہوا کہ چہرہ کی رنگت زرد پڑ گئی اس شخص کیطرف مخاطب ہوئے اور کہا "بھائی! خدا تم کو جزائے خیر دے اگر مجھکو یہ یقین نہوتا کہ خدا مجھ سے مواخذہ کریگا کہ تو نے جان کر علم کو کیوں چھپایا تو میں ہرگز فتویٰ نہ دیتا" کوئی مسئلہ مشکل آجاتا اور جواب نہ معلوم ہوتا تو متردد ہوتے کہ غالباً میں کسی گناہ کا مرتکب ہوا۔ یہ اسی کی شامت ہے۔ پھر وضو کر کے نماز پڑھتے اور استغفار کرتے فضیل بن عیاض کہ مشہور صوفی گذرے ہیں اُن سے کسی نے یہ حکایت بیان کی بہت روئے اور کہا "ابو حنیفہ کے گناہ بہت کم تھے اس لیے اُن کو یہ خیال ہوتا تھا۔ جو لوگ گناہوں میں غرق ہیں اُن پر ہزار آفتیں آتی ہیں اور مطلق خبر نہیں ہوتی کہ یہ بھی تنبیہ ہے"۔

تقسیم اوقات

معمولی تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں درس دیتے۔ دور دور سے استفتے آئے ہوئے ہوتے جواب لکھتے پھر تدوین فقہ کی مجلس منعقد ہوتی بڑے بڑے نامور شاگردوں کا مجمع ہوتا جو مسائل اتفاق رائے سے طے ہوتے قلمبند کر لیے جاتے۔ نماز ظہر پڑھکر گھر آتے۔ گرمیوں میں ہمیشہ ظہر کے بعد سو رہتے۔ نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک درس و تعلیم کا مشغلہ رہتا باقی وقت دوستوں کے ملنے ملانے بیماروں کی عیادت۔ ماتم پرسی غریبوں کی خبر گیری میں صرف ہوتا۔ مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا اور عشا تک رہتا۔ نماز عشا پڑھکر عبادت میں مشغول ہوتے اور اکثر رات بھر نہ سوتے۔ جاڑوں میں مغرب کے بعد مسجد ہی میں سو رہتے اور قریباً دس بجے اُٹھکر نماز عشا پڑھتے پھر تمام رات تہجد اور درود و وظائف میں گزرتی کبھی کبھی دکان پر بیٹھتے اور وہیں یہ تمام مشاغل انجام پاتے۔

ذہانت اور طباعی۔ فتوے اور مناظرات۔ لطائف اور دلپذیر باتیں

یوں تو امام صاحب کی قوت ایجاد۔ جدت طبع۔ دقت نظر۔ وسعت معلومات۔ غرض ان کے تمام کمالات علمی کا آئینہ یہی وہ علم فقہ ہے جسکی ترتیب و تدوین ہیں ان کو وہ پایہ حاصل ہے جو ارسطو کو منطق اور اقلیدس کو ہندسہ میں لیکن اسپر تفصیلی بحث کرنے کیلیے ایک مستقل کتاب درکار ہے اسی ضرورت سے ہم نے اپنی کتاب کا دوسرا حصہ اس بحث کیلئے خاص کر دیا ہے۔ اس موقعہ پر صرف وہ واقعات لکھتے ہیں جو امام صاحب کی علمی تاریخ کے عام واقعات ہیں لیکن غور سے دیکھو تو وہ بھی بجائے خود اصول ہیں جن پر سینکڑوں مسائل کی بنیاد قائم ہے اس مقام پر یہ کہدینا ضرور ہے کہ امام ابو حنیفہ کی مناظرات اور نکتہ آفرینیوں کے متعلق بہت بے سر و پا افسانے شہرت پکڑ گئے ہیں اور طرہ یہ کہ بعض مشہور مصنفوں نے بغیر تحقیق و تنقید کے انکو اپنی تالیفات میں

نقل کردیا جس سے عوام کو اپنے غلط خیالات کیلئے ایک دستاویز ہاتھ آگئی۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی
فن میں کمال کے ساتھ شہرت عام حاصل کرتا ہے اسکی نسبت اچھی بُری سینکڑوں روایتیں خود بخود پیدا
ہوجاتی ہیں۔ اور بعض حالتوں میں اسقدر عام زبانوں پر قبضہ کرلیتی ہیں کہ خواص تک کو ان پر تواتر کا دھوکا
ہوتا ہے۔ لطف یہ کہ معتقدین۔ جوش اعتقاد میں ایسی باتیں بیان کرجاتے ہیں جسکو وہ مدح سمجھتے ہیں اور دراصل
ذم ہوتی ہے۔ اسیطرح مخالف عیب و منقصت کی مثالیں پیش کرتا ہے۔ حالانکہ غور سے دیکھئے تو ان واقعات
سے بجائے اس کے کہ اس شخص کی برائی ثابت ہو مدح کا پہلو نکلتا ہے امام ابوحنیفہ بھی اس کلیہ سے مستثنےٰ نہیں
ہیں بعض مصنفوں نے ان کی ذہانت اور طباعی کے ذیل میں بہت سے ایسے قصے لکھدئے ہیں جن کو خدا
نخواستہ ہم سچ تسلیم کریں تو عیاذاً باللہ امام صاحب کو حیلہ جو۔ چالاک متفنیٰ سخن ساز۔ ماننا پڑے گا۔ لیکن
وہ روایتیں تاریخی اصول سے ثابت نہیں اور اسیوجہ اہل تحقیق خصوصاً محدثین نے ان کے لکھنے سے ہمیشہ
پرہیز کیا ہے ہم بھی ان کو قلم انداز کرتے ہیں اور انہیں روایتوں پر اکتفا کرتے ہیں جو بظن غالب ثابت اور صحیح ہیں
اس میں شبہ نہیں کہ امام صاحب کو اور ائمہ کی نسبت مناظرہ اور مباحثہ کی موقعے زیادہ پیش آئے انہوں نے
علوم شرعیہ کے متعلق بہت سے ایسے نکتے ایجاد کئے تھے جو عام طبیعتوں کی دسترس سے باہر تھے۔ اس لئے
ظاہر بینوں کا ایک بڑا گروہ جن میں بعض مقدس سادہ دل بھی شامل تھے ان کا مخالف ہوگیا تھا اور ہمیشہ اُن سے
بحث و مناظرہ کے لئے تیار رہتا تھا امام صاحب کو بھی مجبوراً اُن کے شبہات رفع کرنے پڑتے تھے اس اتفاقی
سبب نے مناظرہ اور مباحثہ کا ایک وسیع سلسلہ قائم کردیا تھا لیکن امام صاحب کے مناظرات اسی پر محدود نہیں مناظرہ اس
وقت درس کا ایک خاص طریقہ تھا اور امام صاحب نے اکثر اساتذہ سے اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی۔ عیون والحدائق کے
مصنف نے اُن کے تذکرے میں لکھا ہے کہ انہوں نے شعبی، طاؤس، عطاء سے مناظرات کئے۔ یہ لوگ امام صاحب
کے اساتذہ خاص ہیں اور وہ اُن لوگوں کا نہایت ادب کرتے تھے۔ اس مناظرہ سے مقصود وہی درس
کا مخصوص طریقہ ہے جو اُس عہد میں عموماً مروج تھا۔[1]

امام اوزاعی کہ اقلیم شام کے امام اور فقہ میں مذہب مستقل کے بانی تھے مکہ معظمہ میں امام ابوحنیفہ سے
ملے اور کہا کہ "عراق والوں پر نہایت تعجب ہے کہ رکوع میں۔ اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین نہیں
کرتے۔ حالانکہ میں نے زہری سے انہوں نے سالم بن عبداللہ سے۔ انہوں نے عبداللہ بن عمر سے سنا ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعوں پر رفع یدین کرتے تھے امام ابوحنیفہ نے اس کے مقابلہ میں

[1] امام صاحب کے بعض مناظرات مورخ خطیب نے تاریخ بغداد میں اور امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں علم آدم الاسماء کلھا لکھے
ہیں اور عقود الجمان میں زیادہ مستقصا کیا ہے ان کے علاوہ اور کتابوں میں جستہ جستہ ذکر ہے ۱۲

رفع یدین کے مسئلہ میں امام اوزاعی سے مناظرہ

حماد، ابراہیم نخعی، علقمہ، عبداللہ بن مسعود کے سلسلہ سے حدیث روایت کی کہ آنحضرت ان موقعوں پر رفع یدین نہیں فرماتے تھے" امام اوزاعی نے کہا سبحان اللہ! "میں تو زہری سالم عبداللہ کے ذریعہ سے حدیث بیان کرتا ہوں۔ آپ اس کے مقابلہ میں حماد نخعی علقمہ کا نام لیتے ہیں" امام ابوحنیفہ نے کہا میری رواۃ آپ کی رواۃ سے زیادہ فقیہ ہیں اور عبداللہ بن مسعود کا رتبہ تو معلوم ہی ہے اس لئے ان کی روایت کو ترجیح ہے" امام رازی نے اس مناظرہ کو مناقب الشافعی میں نقل کیا ہے[1]۔ اور گو واقعہ کی صحت سے انکار نہیں کر سکتے تاہم یہ نکتہ چینی کی ہے کہ حسی واقعات میں تفقہ کو کیا دخل ہے۔

اس اصول پر مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصہ میں ہوگی۔ یہاں امام رازی کے حوالے سے یہ مقصود ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہے جس سے شافعیوں کو بھی انکار نہیں اس مسئلہ کے متعلق امام محمد نے کتاب الحج میں ایک لطیف بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہماری روایت عبداللہ بن مسعود تک منتہی ہوتی ہے اور فریق مخالف کی عبداللہ بن عمر تک اس لئے بحث کا تمام تر مدار اس پر آجاتا ہے کہ ان دونوں میں کس کی روایت ترجیح کے قابل ہے عبداللہ بن مسعود آنحضرت کے زمانے میں پوری عمر کو پہنچ چکے تھے اور جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے جماعت کی صف اول میں جگہ پاتے تھے بخلاف اس کے عبداللہ بن عمر کا محض آغاز تھا اور ان کو دوسری تیسری صف میں کھڑا ہونا پڑتا تھا اس لئے آنحضرت کے حرکات و سکنات سے واقف ہونے کے جو موقع عبداللہ بن مسعود کو مل سکے عبداللہ بن عمر کو کیونکر حاصل ہو سکتے تھے۔ امام محمد کا یہ طرز استدلال حقیقت میں اصول درایت پر مبنی ہے امام ابوحنیفہ صاحب نے اپنی تقریر میں عبداللہ بن مسعود کی عظمت و شان کا جو ذکر کیا اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے ایکدن بہت

قرأت خلف

سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں امام صاحب سے گفتگو کریں۔ امام صاحب نے کہا "اتنے آدمیوں میں تنہا کیونکر بحث کر سکتا ہوں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس مجمع میں سے کسی کو انتخاب کر لیں جو سب کیطرف سے اس خدمت کا کفیل ہو۔ اور اس کی تقریر پورے مجمع کی تقریر سمجھی جائے" لوگوں نے منظور کیا۔ امام صاحب نے کہا "آپ نے یہ تسلیم کیا تو بحث کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ آپ نے جس طرح ایک شخص کو سب کی طرف سے بحث کا مختار کر دیا اسیطرح امام نماز بھی تمام مقتدیوں کیطرف سے قرأت کا کفیل ہے"

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ امام نے ایک شرعی مسئلہ کو صرف عقلی طور پر طے کر دیا بلکہ حقیقت میں یہ اس حدیث کی تشریح ہے جس کو خود امام صاحب نے بسند صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے کہ من صلی خلف الامام فقراءۃ الامام قراءۃ لہ یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرارت بھی اس کی قرأت ہے" یہ امام صاحب کے مخصوصات میں ہے کہ وہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو ایسے عام فہم طریقہ سے سمجھا دیتے تھے کہ

[1] علامہ ابن الہمام نے اس مناظرہ کو فتح القدیر میں ذکر کیا ہے اور حجۃ اللہ البالغہ کے مختلف مقامات ہیں اس کا اشارے پائے جاتے ہیں ۱۲

مخاطب کے ذہن نشین ہو جاتا تھا اور بحث نہایت جلد اور آسانی سے طے ہو جاتی تھی ایکدفعہ ضحاک خارجی جو خارجیوں کا ایک مشہور سردار تھا اور بنو امیہ کے زمانہ میں کوفہ پر قابض ہو گیا تھا امام صاحب کے پاس آیا اور تلوار دکھا کر کہا کہ "توبہ کرو" اُنہوں نے پوچھا کس بات سے۔ ضحاک نے کہا تمہارا عقیدہ ہے کہ علی علیہ السلام نے معاویہ کے جھگڑے میں ثالثی مان لی تھی۔ حالانکہ جب وہ حق پر تھے تو ثالث ماننے کے کیا معنی" امام صاحب نے فرمایا کہ "اگر میرا قتل مقصود ہے تو اور بات ہے۔ ورنہ اگر تحقیق حق منظور ہے تو مجکو تقریر کی اجازت دو" ضحاک نے کہا میں بھی مناظرہ ہی چاہتا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا اگر بحث آپس میں نہ طے ہو تو کیا علاج؟ ضحاک نے کہا ہم دونوں ایک شخص کو منصف قرار دیں چنانچہ ضحاک ہی کے ساتھیوں میں سے ایک شخص انتخاب کیا گیا کہ دونوں فریق کی صحت و غلطی کا تصفیہ کرے۔ امام صاحب نے فرمایا یہی تو حضرت علی علیہ السلام نے بھی کیا تہا پھر ان پر الزام کیا ہے؟ ضحاک مبہوت ہو گیا اور چپکا اُٹھکر چلا گیا اسی ضحاک نے ایک بار کوفہ پہنچکر قتل عام کا حکم دیدیا۔ امام صاحب کو خبر ہوئی۔ دوڑے گئے اور پوچھا کہ آخر ان لوگوں کا کیا جرم ہے؟" اُس نے کہا یہ سب مرتد ہو گئے ہیں امام صاحب نے فرمایا "پہلے اُن لوگوں کا کچھ اور مذہب تہا جسکو انہوں نے چھوڑ دیا۔ یا ہمیشہ سے یہی مذہب رکھتے تھے جو اب رکھتے ہیں؟ ضحاک نے کہا "کیا کہا پھر کہنا" امام صاحب نے زیادہ وضاحت سے بیان کیا ضحاک نے کہا بے شبہ میری خطا تھی اسیوقت حکمدیا کہ "تلوار نیام میں کر لی جائے"

قتادہ بصری جن کا مختصر حال امام صاحب کے اساتذہ کے ذکر میں ہم لکھ آئے ہیں کوفہ میں آئے اور اشتہار دیدیا کہ مسائل فقہ میں جسکو جو پوچھنا ہو تو پوچھے میں ہر مسئلہ کا جواب دونگا۔ چونکہ وہ مشہور محدث اور امام تھے بڑا مجمع ہوا جوق جوق لوگ آتے تھے اور مسئلے دریافت کرتے تھے امام ابو حنیفہؒ بھی موجود تھے کھڑے ہو کر پوچھا کہ "ایک شخص سفر میں گیا۔ برس دو برس کے بعد اُس کے مرنے کی خبر آئی۔ اسکی بیوی نے دوسرا نکاح کر لیا اور اس سے اولاد ہوئی چند روز کے بعد وہ شخص واپس آیا۔ اولاد کی نسبت اسکو انکار ہے کہ میری اولاد نہیں ہے زوج ثانی دعوی کرتا ہے کہ میری ہے تو آیا دونوں اس عورت پر زنا کا الزام لگاتے ہیں یا صرف وہ شخص جو ولدیت سے انکار کرتا ہے؟" قتادہ نے کہا "یہ صورت پیش آئی ہے؟" امام نے کہا نہیں لیکن علما کو پہلے تیار رہنا چاہئے کہ وقت پر تردد نہو قتادہ کو فقہ سے زیادہ تفسیر میں دعوی تہا بولے کہ ان مسائل کو جانے دو تفسیر کے متعلق جو پوچھنا ہو پوچھو۔ امام ابو حنیفہ نے کہا اس آیت کے کیا معنی ہیں قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک یہ وہ قصہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے درباریوں سے بلقیس کے تخت لانے کی فرمایش کی اور ایک شخص نے جو غالباً آصف بن برخیا حضرت سلیمان کے وزیر تھے دعوی کیا کہ میں چشم زدن میں لا دونگا اہل کتاب کی روایت ہے کہ آصف بن برخیا اسم اعظم جانتے تھے جسکی تاثیر سے ایکدم میں شام سے یمن پہنچکر تخت اُٹھا لائے

یہی روایت عام مسلمانوں میں پھیل گئی تھی۔ اور اسی کے مطابق اس آیت کا مطلب لگایا جاتا تھا قتادہ نے بھی
یہی معنی بیان کئے امام ابوحنیفہ نے کہا حضرت حضرت سلیمان خود بھی اسم اعظم جانتے تھے یا نہیں" قتادہ نے کہا
نہیں امام صاحب نے کہا "کیا آپ اس بات کو جائز رکھتے ہیں کہ نبی کے زمانے میں ایسا شخص موجود ہو جو خود نبی سے
اور نبی سے زیادہ علم رکھتا ہو" قتادہ کچھ جواب نہ دے سکے۔ اور کہا کہ عقائد کے متعلق پوچھو! امام صاحب نے کہا "آپ
مومن ہیں" اکثر محدثین اپنے آپ کو مومن کہتے ہوئے ڈرتے تھے اور اسکو احتیاط میں دخل سمجھتے تھے حسن بصری سے
ایک شخص نے یہی سوال کیا تھا جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ "انشاء اللہ" پوچھنے والے نے کہا انشاء اللہ
کا کیا محل ہے" فرمایا کہ "میں اپنے تئیں مومن تو کہوں مگر ڈرتا ہوں کہ خدا یہ نہ کہدے کہ تو جھوٹ کہتا ہے" قتادہ نے
بھی امام ابوحنیفہ کے سوال کا یہی جواب دیا" لیکن حقیقت میں یہ ایک قسم کی وہمی حالت ہے۔ ایمان اعتقاد کا نام
ہے جو شخص خدا اور رسول پر اعتقاد رکھتا ہے وہ قطعاً مومن ہے اور اُس کو سمجھنا چاہیئے کہ "میں مومن ہوں" البتہ
اگر اس میں شک ہے تو قطعی کافر ہے اور پھر انشاء اللہ کہنا بیکار ہے امام ابوحنیفہ نے اس عام غلطی کو مٹانا چاہا
قتادہ سے پوچھا آپ نے یہ قید کیوں لگائی انہوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ مجھکو امید ہے کہ خدا
قیامت کے دن میرے گناہوں کو معاف کر دے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا خدا نے حضرت ابراہیم سے جب
یہ سوال کیا کہ اَوَلَم تومن تو انہوں نے جواب میں "بلیٰ" کہا تھا یعنی ہاں میں مومن ہوں آپ نے حضرت
ابراہیم کے اس قول کی تقلید کیوں نہ کی۔ قتادہ ناراض ہو کر اٹھے اور گھر میں چلے گئے۔

یحییٰ سے

یحییٰ بن سعید انصاری کوفہ کے قاضی تھے اور منصور عباسی کے دربار میں بھی جاہ و اعتبار رکھتے تھے تاہم کوفہ
میں ان کا وہ اثر قائم نہ ہو سکتا تھا جو امام ابوحنیفہ صاحب کا تھا اس پر ان کو تعجب ہوتا تھا اور لوگوں سے کہا کرتے
تھے کہ "کوفہ والے بھی عجب سادہ دل ہیں تمام شہر ایک شخص کے اشاروں پر حرکت کرتا ہے" امام ابوحنیفہ نے
ابویوسف و زفر اور چند شاگردوں کو بھیجا کہ قاضی یحییٰ سے مناظرہ کریں۔ امام ابویوسف نے تقریر شروع کی
مسئلہ یہ تھا کہ اگر ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہو اور صرف ایک شخص آزاد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں قاضی
یحییٰ نے کہا "نہیں کر سکتا کیونکہ حدیث میں آیا ہے لا ضرر و لا ضرار یعنی وہ کام جس سے کسی شخص کو ضرر
پہنچے جائز نہیں۔ صورت زیر بحث میں چونکہ دوسرے شریک کا ضرر ہے اس لیئے شریک اول ایسے فعل کا
مجاز نہیں ہو سکتا" امام ابویوسف نے کہا۔ اگر دوسرا شریک آزاد کرے؟ قاضی یحییٰ بولے تب جائز ہے اور
غلام آزاد ہو جائیگا۔ امام ابویوسف نے کہا یہ آپنے خود اپنے قول کی مخالفت کی۔ کیونکہ آپ کے نزدیک ایک
شریک کے آزاد کرنے سے غلام آزاد نہیں ہوتا یعنی اسیطرح غلام وہ غلام رہتا ہے صورت مذکور میں جب ایک شریک
نے آزاد کیا تو آپکے نزدیک اسکا یہ فعل بالکل بے اثر ہے یعنی وہ اسیطرح غلام باقی رہا جیسا پہلے تھا اب صرف دوسرے

شریک کے آزاد کرنے سے کیونکر آزاد ہو سکتا ہے "!

محمد بن عبد الرحمٰن جو زیادہ تر ابن ابی لیلیٰ کے لقب سے مشہور ہیں بڑے مشہور فقیہ ہیں اور صاحب الرائے تھے ۳۳ برس کوفہ میں منصب قضا پر مامور رہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان میں کسیقدر رنجش رہتی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ فیصلوں میں وہ غلطی کرتے تھے تو امام صاحب اُنکی اصلاح کرنی چاہتے تھے۔ یہ انکو ناگوار معلوم ہوتا تھا لیکن امام صاحب اظہار حق پر مجبور تھے قاضی صاحب مسجد میں بیٹھکر انفصال مقدمات کیا کرتے تھے ایکدن کام سے فارغ ہو کر مجلس قضا سے اُٹھے راہ میں ایک عورت کو دیکھا کہ کسی سے جھگڑ رہی ہے۔ ٹکڑے ہو گئے اثنا، گفتگو میں عورت نے اُس شخص کو یا ابن الزانیتین کہدیا۔ یعنی "اے زانی اور زانیہ کے بیٹے" قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت گرفتار کر لیجائے۔ پھر مجلس قضا میں واپس آئے اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑی کر کے دُرّے لگائیں اور دو حد ماریں امام ابو حنیفہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ فرمایا کہ قاضی صاحب نے اس فیصلہ میں چند غلطیاں کیں مجلس قضا سے اُٹھکر واپس آئے اور دوبارہ اجلاس کیا یہ آئین عدالت کے خلاف ہے مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔ عورت کو بٹھا کر حد مارنی چاہیے قاضی صاحب نے اُس کے خلاف کیا ایک لفظ سے ایک ہی حد لازم آتی ہے اور دو حدیں لازم بھی آئیں تو ایکساتھ دونوں کا نفاذ نہیں ہو سکتا ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہیے کہ زخم بالکل بھر جائیں پھر دوسری حد کی تعمیل ہو سکتی ہے جسکو گالی دی گئی اُسنے جب دعویٰ نہیں کیا تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنیکا کیا اختیار تھا" قاضی ابن ابی لیلیٰ نہایت برہم ہوئے اور گورنر کوفہ[1] سے جاکر شکایت کی کہ ابو حنیفہ نے مجھکو تنگ کر رکھا ہے گورنر نے حکم بھیجدیا کہ ابو حنیفہ فتوے نہ دینے پائیں امام صاحب اگرچہ حق کے خلاف کسی حاکم اور امیر کے حکم کی پروا نہیں کرتے تھے تاہم چونکہ فتویٰ دینا فرض کفایہ تھا اور کوفہ میں اور بہت سے علماء موجود تھے اسلئے حاکم وقت کی اطاعت کو مقدم رکھا اور بغیر کسی عذر کے حکم کی تعمیل کی ایکدن گھر میں بیٹھے تھے اُن کی لڑکی نے مسئلہ پوچھا کہ میں آج روزے سے ہوں دانتوں سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ گلے سے اُتر گیا روزہ جاتا رہا یا باقی رہا" امام صاحب نے فرمایا کہ جان پدر اپنے بھائی حماد سے پوچھ میں فتویٰ دینے سے منع کر دیا گیا ہوں" مورخ ابن خلکان نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے "اطاعت حکم اور امانت کی اس سے بڑھکر کیا مثال ہو سکتی ہے[1]" چند روز کے بعد گورنر کوفہ کو اتفاق سے فقہی مسائل میں مشکلات پیش آئیں اور امام ابو حنیفہ کیطرف رجوع کرنا پڑا جسکی وجہ سے امام صاحب کو پھر فتویٰ دینے کی عام اجازت ہو گئی

امام صاحب کے مناظرات میں کہیں کہیں ہم اس ادعا اور جوش مقابلہ کا اثر پاتے ہیں جو بظاہر ان کی تواضع اور بے نفسی کے خلاف ہے لیکن یہ انسانی جذبات ہیں جن سے کوئی شخص بری نہیں ہو سکتا۔ ہم نے امام شافعی۔ امام مالک امام بخاری۔ امام مسلم اور بڑے بڑے ائمہ کے مناظرات کتابوں میں دیکھے ہیں۔ ان میں اس سے زیادہ ادعا و

[1] ابن خلکان۔ ترجمہ محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ ۱۲ منہ اس مناظرہ کو خطیب نے تاریخ بغداد میں اور حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں کسیقدر اختلاف کیساتھ نقل کیا ہے ۱۲

حوصلہ مندی کا زور پایا جاتا ہے اور سچ یہ ہے کہ اگر اس قسم کی باتیں بزرگوں کے حالات میں مذکور نہ ہوتیں
تو بلکہ شبہ ہوتا کہ تذکرہ نویسوں نے ان بزرگوں کی اصلی تصویر نہیں دکھائی ہے بلکہ اپنی خوش اعتقادی کا
خاکہ کھینچا ہے۔ ایک حکیم نے نہایت سچ کہا ہے کہ کسی نامور یا مقتدا کے حالات لکھو تو اس کے خصائل بھی
ضرور دکھاؤ جن میں انسانی فطرت کی جھلک نظر آتی ہے اس سے لوگوں کو اچھے کاموں میں ان کی تقلید کی
خواہش پیدا ہوگی۔ بخلاف اس کے اگر بالکل فرشتہ بنا کر پیش کروگے تو لوگ شاید ان کی پرستش کرنے
پر آمادہ ہو جائیں لیکن ان کی پیروی کرنے کا خیال ہرگز نہ پیدا ہوگا۔ وہ سمجھیں گے کہ یہ شخص دائرہ انسانی
سے باہر تھا ہم انسان ہو کر کیونکر اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔"

ایک دن حسن اتفاق سے امام سفیان ثوری۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ۔ امام ابوحنیفہ ایک مجلس میں
جمع تھے شائقین علم کو اس سے عمدہ کیا موقع مل سکتا تھا۔ ایک شخص نے آکر مسئلہ پوچھا کہ چند آدمی ایک
جگہ مجتمع تھے دفعۃً ایک سانپ نکلا اور ایک شخص کے بدن پر چڑھنے لگا اس نے گھبرا کر پھینکا وہ دوسرے
شخص پر جا گرا۔ اس نے بھی اضطراب میں ایسا ہی کیا۔ یوں ہی ایک دوسرے پر پھینکتے رہے یہاں تک
کہ اخیر شخص کو اس نے کاٹا اور وہ مر گیا دیت کس پر لازم آئے گی" یہ فقہ کا ایک دقیق مسئلہ تھا
سب کو تامل ہوا۔ کسی نے کہا سب کو دیت دینی ہوگی۔ بعضوں نے کہا صرف پہلا شخص ضامن
ہوگا۔ سب کے سب مختلف الرائے تھے اور باوجود بحث کے کچھ تصفیہ نہیں ہوتا تھا۔

استفتا

امام ابوحنیفہ چپ تھے اور مسکراتے جاتے تھے آخر سب نے ان کی طرف خطاب کیا کہ آپ بھی تو اپنا
خیال ظاہر کیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا جب پہلے شخص نے دوسرے پر پھینکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا شخص
بری الذمہ ہو چکا اسی طرح دوسرا اور تیسرا بھی۔ بحث اگر ہے تو صرف اخیر شخص کی نسبت ہے اس کی
دو حالتیں ہیں اگر اس کے پھینکنے کے ساتھ ہی سانپ نے اس شخص کو کاٹا تو اس پر دیت لازم آئے گی
اور اگر کچھ وقفہ ہوا تو یہ شخص بھی بری الذمہ ہو چکا اب اگر سانپ نے اس کو کاٹا تو اس کی خود غفلت ہے کیوں اس نے
اپنی حفاظت میں جلدی اور تیزدستی کیوں نہ کی۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور امام کی جودت طبع کی تعریف کی

رائے و تدبیر عقل و فراست و ذہانت و طباعی امام صاحب کے وہ مشہور اوصاف ہیں جن کو موافق و
مخالف سب نے تسلیم کیا ہے۔ محمد الفزاری کہا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کی ایک ایک حرکت یہاں تک کہ بات
چیت، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے میں دانشمندی کا اثر پایا جاتا تھا۔ علی بن عاصم کا قول تھا کہ اگر آدھی دنیا
کی عقل ایک پلہ میں اور ابوحنیفہ کی عقل دوسرے پلے میں رکھی جاتی تو ابوحنیفہ کا پلہ بھاری رہتا۔ خارجہ بن
مصعب کہا کرتے تھے کہ میں کم و بیش ایک ہزار عالموں سے ملا ہوں جن میں عاقل صرف تین یا چار شخص دیکھے ایک ان میں

ابوحنیفہ تھے ہمارے تذکروں اور رجال کی کتابوں میں علماء کے وہ اوصاف ہیں جن کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تیزی ذہن۔ قوت حافظہ بے نیازی تواضع قناعت زہد۔ اتقا غرض اس قسم کے اوصاف ہوتے ہیں لیکن عقل و رائے۔ فراست و تدبیر کا ذکر تک نہیں آتا۔ گویا یہ باتیں دنیاداروں کے ساتھ مخصوص ہیں اسی بات کو علامہ ابن خلدون نے اس پیرایہ میں لکھا ہے کہ "علماء کا گروہ انتظام اور ریاست سے بالکل مناسبت نہیں رکھتا اور یہ بالکل سچ ہے حالانکہ اگر سچ پوچھئے تو علماء میں ان اوصاف کی زیادہ ضرورت ہے۔ اسلام بخلاف اور مذہبوں کے دین کے ساتھ دنیاوی انتظامات کا مقنن ہے خلفائے اولین کے حالات پڑھو سیاست اور انتظام ملکی کے لحاظ سے تمام دنیا کے سلاطین اور فرمانرواؤں میں کون شخص ان کا ہمسر کہا جا سکتا ہے۔ بے شبہ اس خصوصیت کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ تمام فرقہ علماء میں ممتاز ہیں کہ وہ مذہبی امور کے ساتھ دنیوی ضرورتوں کے بھی اندازہ دان تھے یہی بات ہے کہ ان کا مذہب سلطنت و حکومت کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے اسلام میں سلطنت و حکومت کے جو بڑے بڑے سلسلے قائم ہوئے۔ مذہباً اکثر حنفی تھے۔

امام ابوحنیفہ اگرچہ شاہی تعلقات سے آزاد رہے لیکن قوم اور ملک کے ساتھ ان کے جو تعلقات تھے وہ خود ایک ملکی حیثیت رکھتے تھے جس کے فرائض کو انہوں نے اس دانائی اور ہوشمندی کے ساتھ انجام دیا جو ایک مدبر سلطنت کے شایاں تھا۔ وہ اپنے ہمعصروں کی طرح اپنے تلامذہ کو یہ نہیں سکھاتے تھے کہ زندگی کی ضروریات میں امیروں اور رئیسوں کی فیاضیوں کا منہ تکتے رہیں۔ وہ خود کسی کے دست نگر نہیں ہوئے اور شاگردوں کو بھی اس کی تعلیم کی ہم نے ان کے شاگردوں کی مفصل فہرست دیکھی ہے ان میں اکثر ایسے لوگ ہیں جو حلقہ درس سے اٹھکر ملکی عہدوں پر پہنچے اور نہایت دیانت اور قابلیت سے اپنی خدمتوں کو انجام دیا قاضی ابویوسف صاحب جو ہارون الرشید کے عہد میں صیغہ قضا کے وزیر تھے اور جن کی حسن تدبیر و انتظام نے اس صیغہ کو اس قدر وسیع۔ باقاعدہ مرتب کر دیا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور زمانہ مابعد میں بھی اس سے بڑھ کر نہ ہو سکا۔ یہ امام ابوحنیفہ کی ہی صحبت کا فیض تھا۔ یہ ضرور ہے کہ ملکی تعلقات کے ساتھ مذہب اور اخلاق کے فرائض کو سنبھالنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن امام صاحب اس سے بے خبر نہ تھے۔ وہ ہمیشہ شاگردوں کو ایسی ہدایتیں کرتے تھے جن کی پابندی سے دنیا و دین دونوں حاصل ہوں جو اس آیت کی تفسیر ہے آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ قاضی ابویوسف کو امام صاحب کی تعلیم نے جو لیاقت ان میں پیدا کر دی تھی اس کے جوہر صاف نظر آتے تھے اسی لحاظ سے امام صاحب نے ان کو کچھ ہدایتیں لکھ کر دیں۔ جو تمام مہمات دینی و دنیوی کے لئے دستور العمل تھیں۔ یہ تحریر کتابوں میں منقول ہے افسوس ہے کہ تطویل کے لحاظ سے ہم اسکو بتمامہا نہیں نقل کر سکتے تاہم موقع اور مقام کی رعایت سے اس کا انتخاب دکھانا ضرور ہے۔

؎ اشباہ والنظائر کے آخر میں یہ وصیت بتمامہا مذکور ہے اور ہم نے اسی سے التقاط کیا ہے ۱۲

قاضی ابو یوسف کیلئے جو ہدایت نامہ لکھا تھا اس کے بعض مقامات

اس تحریر میں پہلے سلطان وقت کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ "بادشاہ کے پاس بہت کم آمد ورفت رکھنا۔ اس سے ہر وقت اس طرح پرخطر رہنا جیسا انسان آگ سے احتیاط رکھتا ہے جب تک کوئی خاص ضرورت نہ ہو دربار میں نہ جانا کہ اپنا اعزاز و وقار قائم رہے۔ اگر اتفاق سے دربار میں ایسے لوگ موجود ہوں جن سے تمکو واقفیت نہ ہو تو اور بھی پرہیز کرنا کیونکہ جب اُن کا رتبہ معلوم نہیں تو ممکن ہے کہ مخاطبت اور گفتگو میں اُن سے جو برتاؤ کیا جاوے اُن کی شان کے مناسب نہ ہو وہ اگر تم سے زیادہ بلند رتبہ ہیں اور تم نے اس کا لحاظ نہیں کیا تو بے تمیزی سمجھی جائیگی۔ اگر معمولی آدمی ہیں اور تم نے زیادہ تعظیم و تکریم کی تو بادشاہ کی آنکھ میں تمہاری ذلت ہوگی۔ بادشاہ اگر تم کو عہدۂ قضا پر مقرر کرنا چاہے تو پہلے دریافت کر لینا کہ وہ تمہارے طریقہ اجتہاد سے موافق ہے یا نہیں ایسا نہ ہو کہ سلطنت کے دباؤ سے تم کو اپنی رائے کے خلاف عمل کرنا پڑے۔ جس عہدے اور خدمت کی تم میں قابلیت نہ ہو اُسکو ہرگز نہ قبول کرنا۔" ان

ہدایت باقی

ہدایتوں میں اگرچہ بادشاہ کی حرمت و توقیر کی بہت تاکید کی ہے لیکن اظہار حق کے موقع پر پوری آزادی سے کام لیا ہے چنانچہ اخیر میں لکھتے ہیں کہ "اگر کوئی شخص شریعت میں کسی بدعت کا موجد ہو تو علانیہ اُس کی غلطی کا اظہار کرنا کہ اور لوگوں کو اُس کی تقلید کی جرأت نہ ہو۔ اس بات کی کچھ پرواہ نہ کرنا کہ وہ شخص جاہ و حکومت رکھتا ہے کیونکہ اظہار حق میں خدا تمہارا مددگار ہوگا۔ اور وہ اپنے دین کا آپ محافظ و حامی ہے خود بادشاہ سے اگر کوئی نامناسب حرکت صادر ہو تو صاف کہدینا کہ گو میں عہدہ و خدمت کے لحاظ سے آپکا مطیع ہوں تاہم آپ کو آپکی غلطی پر مطلع کر دینا میرا فرض ہے۔ پھر بھی نہ ملنے تو تنہائی میں سمجھانا کہ آپ کا یہ فعل قرآن مجید اور احادیث نبوی کے خلاف ہے اگر سمجھ گیا تو خیر ورنہ خدا سے دعا کرنا کہ اُس کے شر سے تمکو محفوظ رکھے۔"

زندگی کے معمولی کاروبار کے متعلق بھی نہایت عمدہ ہدایتیں کی ہیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھنا اس سے فراغت ہو چکے تو جائز ذریعوں سے دولت حاصل کرنا کیونکہ ایک وقت میں علم و دولت دونوں کی تحصیل نہیں ہو سکتی۔ پھر نکاح کرنا لیکن اُس وقت جب یہ یقین ہو کہ اہل و عیال کی تمام ذمہ داریاں اُٹھا سکو گے۔ ایسی عورت سے شادی نہ کرنا جو دوسرے شوہر سے اولاد رکھتی ہو۔ عام آدمیوں اور خصوصاً دولت مندوں سے کم میل جول رکھنا ورنہ اُن کو گمان ہوگا کہ تم اُن سے کچھ توقع رکھتے ہو۔ اور کسی چیز کی قیمت پوچھنے پر دام بڑھانے لگیں گے۔ بازار میں جانا دوکانوں پر بیٹھنا مسجد یا سڑکوں پر کوئی چیز کھانا پینا سقایہ سے پانی پینا ناپسند۔ ہمیشہ پانی پی لینا ان باتوں سے نہایت احتراز رہے کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو صرف سوال کا جواب دو اپنی طرف سے کچھ نہ بڑھاؤ عقائد کے متعلق عوام سے گفتگو نہیں کرنی چاہیئے شاگردوں کے ساتھ ایسے بے تکلفی اور محبت سے پیش آؤ کہ کوئی غیر دیکھے تو سمجھے کہ تمہاری اولاد ہیں۔ عام اور معمولی رتبہ کے لوگ

مناظرہ کرنا چاہیں تو احتراز کرو۔ کسی شہر میں جانا ہو تو وہاں کے علماء و فضلاء سے اس طرح ملو کہ ان کو رقابت کا
خیال نہ ہو۔ علمی تذکرہ آئے تو جو بات کہو خوب سمجھ کر کہو اور وہی کہو جس کا کافی ثبوت دے سکتے ہو
مناظرہ کے وقت نہایت جرأت و استقلال سے کام لو۔ ورنہ دل میں ذرا بھی خوف ہوگا تو خیالات مجتمع
نہ ہو سکیں گے اور زبان میں لغزش ہوگی۔ جو لوگ آداب مناظرہ سے واقف نہیں یا مکابرہ کرنا چاہتے ہیں
ان سے ہرگز گفتگو نہیں کرنی چاہیئے۔ مناظرہ کے وقت غصہ نہ کرنا چاہیئے ہنسنا کم چاہیئے۔ زیادہ ہنسی سے
دل افسردہ ہوتا ہے۔ جو کام کرو اطمینان اور وقار کے ساتھ کرو۔ کوئی شخص جب تک سامنے سے نہ پکارے
کبھی جواب نہ دو۔ کیونکہ پیچھے سے پکارنا جانوروں کیلئے مخصوص ہے۔ رستہ چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو۔ حمام
میں جاؤ تو عام آدمیوں کی نسبت زیادہ اجرت دو صبح اور دوپہر کے وقت حمام میں نہ جاؤ۔ گفتگو میں تیزی
نہ ہو اور آواز بلند نہ ہونے پائے۔ کوئی چیز خریدنی ہو تو خود بازار نہ جاؤ بلکہ نوکر کو بھیج کر منگوا لو۔ خانگی کاروبار
دیانتدار نوکروں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا چاہیئے کہ تم کو اپنے مشاغل کے لئے کافی وقت اور فرصت ہاتھ
آئے۔ بادشاہ کے قریب سکونت نہ اختیار کرو۔ ہر بات سے بے پروائی اور بے نیازی ظاہر ہو اور
فقر کی حالت میں بھی وہی استغنا قائم رہے۔ عام آدمیوں میں بیٹھو تو خاموش رہو کیونکہ ایسے موقع پر واعظ
اکثر جھوٹ بولنے پر مجبور ہوتا ہے۔ شاگردوں میں کسی کو فقہ کے درس کی اجازت دو تو خود بھی اسکی درسگاہ
میں شریک ہو اور اس کے متعلق رہو تاکہ اگر کہیں غلطی کرے تو بتا دو ورنہ تمہارے چپ رہنے
سے لوگوں کو گمان ہوگا کہ اس نے جو کہا صحیح کہا۔ فقہ کے سوا اور علوم کی مجلس ہو تو خود نہ جاؤ بلکہ اپنے معتمد
دوستوں یا شاگردوں کو بھیجو کہ وہ آکر تم سے پورے حالات بیان کریں۔ ہر بات میں تقویٰ اور
امانت کو پیش نظر رکھو۔ خدا کے ساتھ دل سے وہی معاملہ رکھو جو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا ہو۔ جس وقت
اذان کی آواز آئے فوراً نماز کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ہر مہینے دو چار دن روزہ کیلئے مقرر کر لو۔ نماز کے بعد ہر روز
کسی قدر وظیفہ پڑھا کرو۔ قرآن کی تلاوت قضا نہ ہونے پائے۔ دنیا پر بہت نہ مائل ہو۔ اکثر قبرستان میں
نکل جایا کرو۔ لہو و لعب سے پرہیز رکھو۔ ہمسائے کی کوئی برائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو۔ اہل بدعت سے
بچتے رہو۔ [illegible] لوگ خود امام بنانا چاہیں امام نہ بنو۔ جو لوگ تم سے ملنے آئیں ان کے سامنے علمی
مذاکرہ کرو اگر وہ اہل علم ہونگے تو فائدہ اٹھائیں گے۔ ورنہ کم از کم ان کو تم سے محبت پیدا ہوگی۔

یوسف بن خالد سمتی جو بصرہ کے رہنے والے اور امام صاحب کے شاگرد تھے۔ مشورہ کے لئے ان کے
پاس آئے اور کہا کہ ... مطلب کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کے ساتھ [illegible] ہوں۔ تو کیا ہوں اور کس
طریق سے برتوں اس میں آپ کی ہدایت چاہتا ہوں۔

امام صاحب نے فرمایا یہ کہنا کہ "اے امیرالمومنین دنیا کے طلب کرنے کی تین غرضیں ہو سکتی ہیں عزت۔ ملک۔ مال یہ سب آپ کو حاصل ہیں۔ اب تقویٰ اور عمل صالح بھی اختیار کیجیے کہ دنیا و آخرت کی لذتیں حاصل ہوں۔

اس موقع پر امام صاحب کے حکیمانہ مقولے بھی سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں فرمایا کرتے تھے کہ "جس شخص کو علم نے بھی معاصی اور فواحش سے نہ باز رکھا اس سے زیادہ زیاں کار کون ہوگا" "جو شخص علم دین میں گفتگو کرے اور اس کو یہ خیال نہ ہو کہ ان باتوں کی باز پرس ہوگی وہ مذہب اور خود اپنے نفس کی قدر نہیں جانتا" "اگر علماء خدا کے دوست نہیں ہیں تو عالم میں خدا کا کوئی دوست نہیں" "جو شخص قبل از وقت ریاست کی تمنا کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے" "جو شخص علم کو دنیا کے لئے سیکھتا ہے علم اس کے دل میں جگہ نہیں پکڑتا" "سب سے بڑا گناہ کفر ہے۔ پس جو شخص افضل ترین عبادت کا پابند اور بدترین معاصی سے محترز رہے اس کی مغفرت کی بہرحال امید کی جا سکتی ہے" "جو شخص حدیث سیکھتا ہے اور اس سے استنباط مسائل نہیں کرتا وہ ایک عطار ہے جس کے پاس دوائیں ہیں لیکن یہ نہیں جانتا کہ کون کس مرض کے لئے ہے" "جو شخص علم کا مذاق نہیں رکھتا اس کے آگے علمی گفتگو کرنی اس کو اذیت دینی ہے" "اپنے دوست (نفس) کے لئے گناہ جمع کرنے اور دشمن (ورثا) کے لیئے مال فراہم کرنا کیسی غلطی ہے"

ایک شخص نے پوچھا فقہ کے حاصل ہونے میں کیا چیز معین ہو سکتی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا "دلجمعی" اس نے عرض کی کہ دلجمعی کیونکر حاصل ہو؟ ارشاد ہوا کہ تعلقات کم کئے جائیں۔ پوچھا کہ تعلقات کیونکر کم ہوں؟ جواب دیا کہ "انسان ضروری چیزیں لیلے اور غیر ضروری چھوڑ دے"

ایک بار کسی نے سوال کیا کہ حضرت علی اور امیر معاویہ کی لڑائیوں کی نسبت آپ کیا کہتے ہیں فرمایا "قیامت میں جن باتوں کی پرسش ہوگی مجھ کو ان کا ڈر لگا رہتا ہے ان واقعات کو خدا مجھ سے نہ پوچھے گا۔ اس لیئے اس پر توجہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں" اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ وہ اس بحث کے متعلق اپنی ذاتی رائے نہیں رکھتے تھے، خود اُن کا قول ہے کہ حضرت علی کی نظیر اگر ہمارے سامنے موجود نہ ہوتی تو ہم نہ بتا سکتے کہ باغیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ ان باتوں کو اسلام کا ایک ضروری مسئلہ قرار دینا اور اس پر بحثوں کا دفتر تیار کرنا ایک فضول کام ہے۔ اور اسی کی طرف امام صاحب نے اشارہ کیا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص تحصیل علم کی غرض سے امام صاحب کے پاس حاضر ہوا اور سفارشی خط پیش کیا۔ امام صاحب نے فرمایا "علم میں کسی سفارش کا کام نہیں۔ علماء کا خود فرض ہے کہ ان کو جو کچھ آتا ہو تو دوسروں کو بھی بتائیں۔ علم کے دربار میں خاص و عام کی کوئی تفریق نہیں۔"

ایک دن گورنر کوفہ نے کہا آپ ہم سے الگ کیوں رہتے ہیں۔ فرمایا روٹی کا ایک ٹکڑا اور معمولی کپڑا امن و عافیت سے مل جائے تو اس عیش سے بہتر ہے جس کے بعد ندامت اٹھانی پڑے۔ اسی مضمون کو ایک شاعر نے نہایت خوبی اور سادگی سے ادا کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

دو قرص نان اگر گندم است یا از جو	سہ تائے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
بچار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع	کہ کس نگوید ازیں جا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزوں تر نزد ابن یمین	ز فر مملکت کیقباد کے خسرو

امام صاحب کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ لیکن تشبیب و غزل کی حیثیت سے نہیں بلکہ وعظ و پند کے طور پر چنانچہ فرماتے ہیں۔

امام صاحب کے اشعار

ومن المروۃ للفتے	ماعاش دار فاخرۃ
فاشکر اذا اوتیتھا	واعمل لدار الآخرۃ

یعنی انسان جب تک زندہ ہے عزت و آبرو کے لئے اس کو اچھا مکان چاہیئے ! ایسا مکان نصیب ہو تو شکر کرنا چاہیئے اور عاقبت کے مکان کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔

ذہانت و طباعی

امام صاحب کی ذہانت اور طباعی عموماً ضرب المثل ہے، یہاں تک کہ ان کا اجمالی ذکر بھی کہیں آجاتا ہے تو ساتھ ہی یہ صفت بھی ضرور بیان کی جاتی ہے۔ علامہ ذہبی نے عبر فی اخبار من غبر میں ان کا ترجمہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ تاہم اس فقرے کو نہ چھوڑ سکے۔ کہ کان من اذکیاء بنی آدم یعنی "اولاد آدم میں جو نہایت ذکی گذرے ہیں۔ امام ابو حنیفہ ان میں شمار کیے جاتے ہیں"، مشکل سے مشکل مسئلوں میں ان کا ذہن اس تیزی سے لڑتا تھا کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے، اکثر موقعوں پر ان کے ہمعصر جو معلومات کے لحاظ سے ان کے ہمسر تھے، موجود ہوتے تھے ان کو اصل مسئلہ بھی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن جو واقعہ درپیش ہوتا تھا اس سے مطابق کر کے فوراً جواب دینا امام صاحب ہی کا کام تھا۔

ایک شخص کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوا اور قسم کھا کر کہا کہ جب تک تو مجھ سے نہ بولیگی تا ہم تجھ سے کبھی نہ بولونگا۔ عورت بھی تند مزاج تھی، اس نے بھی قسم کھالی اور وہی الفاظ دہرا دیئے جو شوہر نے کہے تھے۔ اس وقت تو غصہ میں کچھ نہ سوجھا مگر پھر خیال آیا تو دونوں کو نہایت افسوس ہوا۔ شوہر امام سفیان ثوری کے پاس گیا اور صورت واقعہ بیان کی۔ سفیان نے کہا قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ اس سے چارہ نہیں۔ وہ مایوس ہو کر اٹھا اور امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا

کہ للٰلہ آپ کوئی تدبیر بتائیے۔ امام صاحب نے فرمایا جاؤ شوق سے باتیں کرو کسی پر کفارہ نہیں ہے امام سفیان ثوری کو معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے، اور امام ابو حنیفہ سے جاکر کہا کہ آپ لوگوں کو غلط مسئلے بتا دیتے ہیں۔ امام صاحب نے اُس شخص کو بلا بھیجا اور کہا کہ تم دوبارہ صورت واقعہ بیان کر جاؤ اُس نے اعادہ کیا۔ امام صاحب سفیان کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور کہا میں نے جو پہلے کہا تھا اب بھی کہتا ہوں۔ سفیان نے کہا کیوں؟ فرمایا جب عورت نے شوہر کو مخاطب کرکے وہ الفاظ کہے تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتدا ہو چکی۔ پھر قسم کہاں باقی رہی[۵۹]۔ سفیان نے کہا حقیقت میں جو بات آپ کو وقت پر سوجھ جاتی ہے ہم لوگوں کا وہاں تک خیال بھی نہیں پہنچتا۔

کوفہ میں ایک شخص نے بڑی دھوم دھام سے ایک ساتھ دو بیٹوں کی شادی کی۔ ولیمہ کی دعوت میں شہر کے تمام اعیان و اکابر کو مدعو کیا۔ مسعر بن کدام۔ حسن بن صالح۔ سفیان ثوری۔ امام ابو حنیفہ شریک دعوت تھے۔ لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ کہ دفعۃً صاحب خانہ بدحواس گھر سے نکلا۔ اور کہا غضب ہو گیا۔ لوگوں نے کہا خیر ہے؟ بولا کہ زفاف کی رات عورتوں کی غلطی سے شوہر اور بیبیاں بدل گئیں۔ جو لڑکی جس کے پاس رہی وہ اُس کا شوہر نہ تھا۔ اب کیا کیا جائے۔ سفیان نے کہا امیر معاویہ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا۔ اس سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا۔ البتہ دونوں کو مہر دینا لازم ہوگا۔ مسعر بن کدام امام ابو حنیفہ کی طرف مخاطب ہوئے کہ آپ کی کیا رائے ہے امام صاحب نے کہا شوہر خود میرے سامنے آئیں تو جواب دوں۔ لوگ جاکر بُلا لائے۔ امام صاحب نے دونوں سے الگ الگ پوچھا کہ رات کو جو عورت تمہارے ساتھ رہی وہی تمہارے نکاح میں رہے تو تم کو پسند ہے۔ دونوں نے کہا ہاں۔ امام صاحب نے کہا کہ تو اپنی بیبیوں کو جن سے تمہارا نکاح بندھا تھا طلاق دیدو اور ہر شخص اُس عورت سے نکاح پڑھا لے، جو اُس کے ساتھ ہمبستر رہ چکی۔ سفیان نے جو جواب دیا اگرچہ فقہ کی رو سے وہ بھی صحیح تھا۔ کیونکہ یہ صورت وطی بالشبہ کی ہے جس سے نکاح نہیں ٹوٹتا لیکن امام صاحب نے مصلحت کو پیش نظر رکھا۔ وہ جانتے تھے کہ موجودہ صورت میں نکاح کا قائم رہنا غیرت و حمیت کے خلاف ہوگا۔ کسی مجبوری سے زوجین نے تسلیم بھی کر لیا تو دونوں میں وہ خلوص و اتحاد پیدا نہ ہوگا۔ جو تزویج کا مقصود اصلی ہے۔ اس کے ساتھ مہر کی بھی تخفیف ہے کیونکہ خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دیجائے تو صرف آدھا مہر لازم آتا ہے۔

لیث بن سعد جو مصر کے مشہور امام تھے ان کا بیان ہے کہ میں ابو حنیفہ کا ذکر سُن سُن کر مشتاق تھا اور

---

[۵۹] اس واقعہ کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے۔ ۱۲

اُن کے دیکھنے کا نہایت مشتاق تھا حج کی تقریب سے مکہ معظمہ جانا ہوا۔ اتفاق سے ایک مجلس میں پہنچا دیکھا
بڑا ہجوم ہے ایک شخص صدر کی جانب بیٹھا ہے اور لوگ اس سے مسئلے پوچھ رہے ہیں۔ ایک شخص نے
پکار کر کہا "یا ابا حنیفہ"، (یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے آپکو پہچانا) امام ابو حنیفہؒ اس کی طرف متوجہ
ہوئے اُس نے کہا "میرا ایک بدمزاج بیٹا ہے اس کی شادی کر دیتا ہوں تو بیوی کو طلاق دیدیتا ہے
لونڈی خریدتا ہوں تو آزاد کر دیتا ہے فرمائیے کیا تدبیر کروں"۔ امام ابو حنیفہ نے برجستہ کہا کہ "تم اس
کو ساتھ لیکر بازار میں جہاں لونڈیاں بکتی ہیں جاؤ اور جو لونڈی پسند آئے خرید کر اس کا نکاح پڑھا دو
اب اگر وہ آزاد کر دیگا تو نہیں کر سکتا کیونکہ لونڈی اس کی ملک نہیں طلاق دیگا تو تمہارا کچھ نقصان
نہیں تمہاری لونڈی کہیں نہیں گئی"۔ سعد کہتے ہیں کہ مجھکو جواب پر تو کلام لیکن حاضر جوابی پر بہت
تعجب ہوا۔ ربیع جو خلیفہ منصور کا عرض بیگی تھا۔ امام ابو حنیفہ سے عداوت رکھتا تھا۔ ایک دن امام صاحب
حسب الطلب دربار میں گئے۔ ربیع بھی حاضر تھا منصور سے کہا کہ حضور! یہ شخص امیر المومنین کے
جد بزرگوار (عبداللہ بن عباس) کی مخالفت کرتا ہے۔ اُن کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم
کھائے اور دو ایک روز کے بعد انشاء اللہ کہہ لے تو وہ قسم میں داخل سمجھا جاویگا اور قسم کا پورا کرنا کچھ ضرور
نہ ہوگا ابو حنیفہ اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انشاء اللہ کا لفظ قسم کے ساتھ ہو تو البتہ جزو قسم
سمجھا جائیگا ورنہ لغو اور بے اثر ہے"۔ امام صاحب نے کہا امیر المومنین! ربیع کا خیال ہے کہ لوگوں پر آپکی
بیعت کا کچھ اثر نہیں منصور نے کہا یہ کیونکر؟ امام صاحب نے کہا۔ ان کا گمان ہے کہ جو لوگ دربار میں آپ
کے ہاتھ پر بیعت خلافت کیا کرتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں مگر پھر جا کر انشاء اللہ کہہ لیا کرتے ہیں جس سے
قسم بے اثر ہو جاتی ہے اور ان پر شرعاً کچھ معاقدہ نہیں رہتا۔ منصور ہنس پڑا۔ اور ربیع سے کہا کہ تم
ابو حنیفہ کو نہ چھیڑو۔ ان پر تمہارا داؤ نہیں چل سکتا"۔ امام صاحب دربار سے نکلے تو ربیع نے کہا۔ آج
تو آپ میری جان ہی لے چکے تھے۔ فرمایا "یہ تو تمہارا ارادہ تھا میں نے صرف مدافعت کی"۔

ایک دفعہ بہت سے خارجی امام صاحب کے گھر پر چڑھ آئے اور کہا کہ کفر سے توبہ کرو۔ امام صاحب نے
کہا "ہاں میں تمہارے کفر سے توبہ کرتا ہوں" خارجیوں کا اعتقاد ہے کہ گناہ کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے
یعنی گناہ اور کفر ایک چیز ہے۔ امام صاحب کا مطلب یہ تھا کہ جس چیز کو تم کفر سمجھتے ہو میں اس سے توبہ کرتا ہوں
کسی نے ان خارجیوں سے جا لگایا کہ ابو حنیفہ نے تم لوگوں کو دھوکا دیا انکا مطلب اور تھا۔ خارجیوں نے امام صاحب سے
کہا تم نے تاویل کیوں کی؟ امام صاحب نے کہا تم کو یقین ہے یا محض گمان کی بنا پر میری نسبت ایسا خیال کرتے ہو
بولے کہ نہیں صرف گمان ہی ہے"۔ امام نے کہا تو تم کو خود توبہ کرنی چاہیئے کیونکہ خدا فرماتا ہے ان بعض الظن اثم

ایک دن مسجد میں تشریف رکھتے تھے شاگردوں کا مجمع تھا۔ دفعتہً خارجیوں کا ایک گروہ مسجد میں گھس آیا لوگ بھاگ چلے امام صاحب نے روکا اور تسلی دی کہ ڈرو نہیں اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ ایک خارجی جو سب کا سردار تھا امام صاحب کے پاس آیا اور کہا تم کون لوگ ہو امام صاحب نے فرمایا مستجیر ہیں اور خدا نے فرمایا ہے کہ وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ یعنی مشرکین میں سے کوئی شخص اگر پناہ چاہے تو اُسے پناہ دو تاکہ وہ خدا کا کلام سنے پھر اُسکو اُسکے امن تک پہنچا دو" خارجی اپنے سوا مسلمانوں کے تمام فرقوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں اور واجب القتل جانتے ہیں۔ اس موقع پر وہ اسی نیت سے آئے تھے کہ امام ابوحنیفہ اپنا عقیدہ بیان کریں تو کفر کا الزام لگا کر انکو قتل کر دیں لیکن امام صاحب کے الزامی جواب نے انکو بالکل مجبور کر دیا چنانچہ اُنکے سردار نے ساتھیوں سے کہا کہ "انکو قرآن پڑھکر سناؤ اور انکے گھر انکو پہنچا آؤ" ابو العباس جو منصور کے دربار میں ایک معزز درجہ رکھتا تھا امام صاحب کا دشمن تھا اور ہمیشہ اُنکو ضرر پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا ایکدن امام صاحب کسی ضرورت سے دربار میں گئے۔ اتفاق سے ابو العباس بھی حاضر تھا لوگوں سے کہا آج ابوحنیفہ میرے ہاتھ سے بچکر نہیں جا سکتے۔ امام صاحب کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ ابوحنیفہ! امیر المومنین کبھی کبھی ہم لوگوں کو بلا کر حکم دیتے ہیں کہ اس شخص کی گردن مارو ہمکو مطلق معلوم نہیں ہوتا کہ وہ شخص واقعی مجرم ہے یا نہیں ایسی حالت میں ہمکو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے یا انکار کرنا چاہیئے۔ امام صاحب نے کہا "تمہارے نزدیک خلیفہ کے احکام حق ہوتے ہیں یا باطل"، منصور کے سامنے کس کی تاب تھی کہ احکام خلافت کی نسبت ناجائز ہونے کا احتمال ظاہر کر سکتا۔ ابو العباس کو مجبوراً کہنا پڑا کہ حق ہوتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا پھر حق کی تعمیل میں پوچھنا کیا۔

ایک شخص نے قسم کھائی کہ آج اگر میں غسل جنابت کروں تو میری بیوی کو تین طلاق ہے۔ تھوڑی دیر بعد کہا کہ آج کی کوئی نماز قضا ہو تو میری زوجہ مطلقہ ہے۔ پھر کہا کہ اگر آج میں اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نہ کروں تو اُسکو طلاق ہے"، لوگوں نے امام صاحب سے آکر مسئلہ پوچھا امام صاحب نے فرمایا کہ نماز عصر کو پڑھکر بیوی سے ہم صحبت ہو اور غروب کے بعد غسل کر کے فوراً مغرب کی نماز پڑھ لے اس صورت میں سب شرطیں پوری ہو گئیں۔ بیوی سے ہم صحبت بھی ہوا۔ نماز بھی قضا نہیں کی غسل جنابت کیا تو اُس وقت کیا کہ دن گذر چکا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص امام صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ "میں نے کچھ روپے ایک جگہ احتیاط سے رکھ دیئے تھے اب یاد نہیں آتا کہ کہاں رکھے تھے۔ مجکو سخت ضرورت در پیش ہے کوئی تدبیر بتایئے" امام نے فرمایا بھائی! یہ مسئلہ تو فقہ میں مذکور نہیں مجھسے کیا پوچھنے آئے ہو"، اُس نے زیادہ لجاجت کی تو کہا کہ آج ساری رات نماز پڑھو" اُسنے جا کر نماز پڑھنی شروع کی۔ اتفاق یہ کہ تھوڑی ہی دیر بعد اُسکو یاد آ گیا کہ روپے فلاں جگہ

رکھے تھے دوڑا ہوا امام صاحب کے پاس آیا اور عرض کی کہ آپکی تدبیر راست آئی۔ فرمایا کہ "ہاں شیطان کب گوارا کرتا کہ تم رات بھر نماز پڑھتے رہو اس لئے اُس نے جلد یاد دلادیا۔ تاہم تم کو مناسب تھا کہ اُسکے شکریہ میں شب بیداری کرتے اور نمازیں پڑھتے۔

ایک اور دن ایک شخص نے آکر کہا کہ "میں نے کچھ اسباب گھر کے کسی کونے میں گاڑ دیا تھا اب یاد نہیں آتا کہ کہاں گاڑا تھا۔ کیا کروں" امام صاحب نے کہا "تمکو یاد نہیں تو مجھکو اور بھی یاد نہونا چاہئے" وہ رونے لگا امام صاحب کو رحم آیا چند شاگرد ساتھ لئے اور اُسکے گھر پر گئے شاگردوں سے کہا کہ یہ اگر تمہارا گھر ہوتا اور تم حفاظت کیلئے کوئی چیز چھپا کر رکھتے تو کہاں رکھتے، سب نے اپنے اپنے قیاس سے مختلف مو قعے بتائے امام صاحب نے فرمایا کہ انھیں تین چار جگھوں میں سے کہیں نہ کہیں گاڑا ہوگا۔ اُنکے کھدوانے کا حکم دیا خدا کی شان تیسری جگہ کھودی تو اسباب بجنسہ مدفون ملا۔ امام صاحب اگرچہ نہایت ثقہ متین با وقار تھے تاہم ذہانت کی شوخیاں کبھی کبھی ظرافت کا رنگ دکھاتی تھیں ۔ ایک دن اصلاح بنوا رہے تھے حجام سے کہا کہ سفید بالوں کو چن لینا، اُس نے عرض کی کہ جو بال چنے جاتے ہیں اور زیادہ نکلتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا "یہ قاعدہ ہے تو سیاہ بالوں کو چن لو کہ اور زیادہ نکلیں"! قاضی شریک نے یہ حکایت سنی تو کہا کہ "ابو حنیفہ نے حجام کے ساتھ بھی قیاس کو نہ چھوڑا"

امام صاحب کے محلہ میں ایک پنہارا رہتا تھا جو نہایت متعصب شیعہ تھا اُسکے پاس دو خچر تھے تعصب سے ایک کا ابو بکر اور دوسرے کا عمر نام رکھا تھا۔ اتفاق سے ایک خچر نے لات ماری کہ اُسکا سر پھٹ گیا اور اُسی صدمہ سے مرگیا۔ محلہ میں اسکا چرچا ہوا۔ امام صاحب نے سنا تو کہا دیکھنا اُسی خچر نے مارا ہوگا جس کا نام اُس نے عمر رکھا تھا لوگوں نے دریافت کیا تو واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔

کوفہ میں ایک غالی شیعی تھا جو حضرت عثمان کی نسبت کہا کرتا تھا کہ "یہودی تھے"، امام صاحب ایکدن اُسکے پاس گئے اور کہا کہ تم اپنی بیٹی کی نسبت ڈھونڈھتے تھے ایک شخص موجود ہے جو شریف بھی ہے دولتمند بھی ہے۔ اُسکے ساتھ پرہیزگار قائم اللیل حافظ قرآن ہے"، شیعی نے کہا تو اس سے بڑھکر کون ملیگا آپ ضرور شادی ٹھہرا دیجئے۔ امام صاحب نے کہا "صرف اتنی بات ہے کہ مذہباً یہودی ہے"، وہ نہایت برہم ہوا اور کہا کہ سبحان اللہ آپ یہودی سے رشتہ داری کرنیکی رائے دیتے ہیں" امام صاحب نے فرمایا "وہ کیا ہوا پیغمبر خدا نے جب یہودی کو (تمہارے اعتقاد کے موافق) داماد بنایا تو تمکو کیا عذر ہے" خدا کی قدرت اتنی سی بات سے اُسکو تنبیہ ہوگئی اور اپنے عقیدے سے توبہ کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصّہ دوم

امام صاحب کی تصنیفات

امام صاحب کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں اُنکے یہ نام ہیں - فقہ اکبر - العالم والمتعلم - مسند - فقہ اکبر عقائد کا ایک مختصر سا رسالہ ہے - مسائل اور ترتیب قریب قریب وہی ہے جو عقائد نسفی وغیرہ کی ہے یہ رسالہ چھپ گیا ہے اور ہر جگہ مل سکتا ہے - لوگوں نے اُسپر شرحیں بھی لکھی ہیں مثلاً محی الدین محمد بہاؤ الدین المتوفی ۹۵۳ھ مولی الیاس بن ابراہیم السینوبی - مولی احمد بن محمد بن المغنیساوی - حکیم اسحٰق شیخ اکمل الدین ملا علی القاری - ملا علی قاری کی شرح متداول ہے بعض اور شرحوں کے نسخے بھی جا بجا قلمی پائے جاتے ہیں حکیم اسحٰق کی شرح کو ابوالبقاء احمدی نے ۹۱۸ھ میں نظم کیا اور اصل کتاب کو ابراہیم بن حسام نے جو شریفی کے نام سے مشہور ہیں -
العالم والمتعلم - سوال وجواب کے طور پر ایک مختصر سا رسالہ ہے لیکن ہماری نظر سے نہیں گذرا -
مسند کے متعدد نسخے ہیں جنکو ابو المؤید محمد بن محمود الخوارزمی المتوفی ۶۶۵ھ نے یکجا جمع کر دیا ہے - دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ بلاد شام میں بعض جاہلوں کو میں نے یہ کہتے سُنا کہ امام ابوحنیفہ کو فن حدیث میں کچھ دخل نہ تھا اور اسی وجہ سے حدیث میں اُن کی کوئی کتاب نہیں ہے - اسپر مجکو حمیت مذہبی کا جوش ہوا اور میں نے چاہا کہ اُن تمام مسندوں کو یکجا کر دوں جو علما نے امام ابوحنیفہ کی حدیثوں سے مرتب کئے ہیں اور جنکی تفصیل حسب ذیل ہے (۱) مسند حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبد اللہ الاُستاد (۲) مسند امام ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد (۳) مسند حافظ ابو الحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ (۴) مسند حافظ ابو نعیم الاصفہانی (۵) مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبد الباقی محمد الانصاری (۶) مسند امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی (۷) مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی (۸) مسند ابوبکر احمد بن محمد خالد الکلاعی (۹) مسند امام ابو یوسف قاضی (۱۰) مسند امام محمد (۱۱) مسند حماد بن امام ابوحنیفہ (۱۲) آثار امام محمد (۱۳) مسند امام ابو القاسم عبد اللہ بن العوام العدی - ابو المؤید الخوارزمی نے جن مسندوں کے نام لئے ہیں اُنکے سوا اور بھی

مسانید ہیں مثلاً مسند حافظ ابو عبداللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی المتوفی ۵۲۳ھ مسند حصفکی جسکی شرح
ملا علی قاری نے لکھی - مسند ماوردی - مسند ابن البزازی المتوفی ۸۲۷ھ ان مسندوں کی شرحیں بھی لکھی گئیں -
جو لوگ امام صاحب کے سلسلہ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہیں وہ انہیں مفصلہ
بالا کتابوں کو شہادت میں پیش کرتے ہیں - لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب
کرنا نہایت مشکل ہے اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام صاحب کی زندگی میں ایک مجموعہ فقہ مرتب ہو گیا تھا
جسکے حوالے عقود الجمان وغیرہ میں جا بجا ملتے ہیں - لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ وہ نسخہ معدوم ہو گیا اُس زمانہ کی
ہزاروں تصنیفات کے نام - تراجم کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن دو تین کے سوا ایک کا بھی دنیا کے کسی کتبخانہ
میں پتہ نہیں چلتا - خود امام صاحب کے ہمعصروں میں سے سفیان ثوری امام اوزاعی - حماد بن سلمہ - ہشیم - معمر
جریر بن عبد الحمید - عبد اللہ بن المبارک نے حدیث و فقہ میں بڑی بڑی کتابیں لکھیں لیکن آج انکا نام ہی نام رہ گیا
ہے اور ایک کا بھی وجود نہیں - امام رازی نے مناقب الشافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں ہے -

مسند خوارزمی

مسند خوارزمی کو امام صاحب کا مسند کہنا مجازی اطلاق ہے - خوارزمی خود ساتویں صدی میں تھے جن مسندوں
کو جمع کیا ہے - وہ بھی اکثر تیسری چوتھی صدی یا اس سے بھی بعد کی ہیں - حماد - قاضی ابو یوسف البتہ امام صاحب
کے ہمعصر ہیں اور انکا مسند بے شبہہ امام ابو حنیفہ کا مسند کہا جا سکتا ہے لیکن خوارزمی کے سوا اور کسی نے اُن مسندوں
کا نام نہیں لیا ہے - حالانکہ حدیث کی کتاب جب تک مشہور اور مستند روایتوں سے نہ ثابت ہو اُسکا اعتبار نہیں کیا
جا سکتا - ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے - وہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں
کہ طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں ہیں جنکے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد اُن روایتوں کو جمع کرنا چاہا جو وہ پہلے طبقوں
میں موجود نہ تھیں اور گمنام مسندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں - ان لوگوں نے انکو بلند نام کرنا چاہا -
حالانکہ وہ حدیثیں اُن لوگوں کی زبانوں پر تھیں - جنکا محدثین اعتبار نہیں کرتے مثلاً زیادہ گو واعظین اور اہل بدعت
اور ضعیف الروایۃ یا وہ صحابہ اور تابعین کے آثار یا بنی اسرائیل کے قصے تھے یا حکما اور واعظین کے مقولے تھے
جنکو راویوں نے رسول اللہ کے کلام سے مخلوط کر دیا تھا - یا قرآن اور حدیث کے مختلف مضامین تھے جن کو
اُن نیک آدمیوں نے بالمعنی روایت کیا جو فن روایت کی باریکیوں سے ناواقف تھے - ان لوگوں نے ان
باتوں کو رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیا یا ایسے مضامین تھے جو قرآن اور حدیث سے مستنبط ہوتے تھے
اُنکو قصداً احادیث نبوی بنا دیا - یا مختلف حدیثوں کے ٹکڑے تھے جو ایک عبارت میں مرتب کر دیئے
گئے اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفاء ابن حبان کامل ابن عدی - تصنیفات خطیب ابو نعیم و جوزقانی
و ابن عساکر و ابن نجار و دیلمی میں مل سکتی ہیں - مسند خوارزمی بھی قریباً اسی طبقہ میں داخل ہے -

شاہ ولی اللہ صاحب نے ذرا سختی کی بات اتنی کی ہے کہ جن مسندوں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے شاگردوں نے لکھے اُنکا نہ تاریخوں سے ثبوت ملتا ہے نہ وہ خود کہیں پائے جاتے ہیں جو مسند امام صاحب کے زمانہ سے بہت پیچھے لکھے گئے وہ البتہ موجود ہیں لیکن اُن کی حدیثوں کا امام صاحب تک بسند صحیح متصل پہنچنا نہایت مشتبہ ہے اس سے بڑھکر یہ کہ بعض بعض مسانید میں بے اعتباری کی اندرونی شہادتیں موجود ہیں مسند حصفکی میں کئی روایتیں امام صاحب کی طرف منسوب ہیں جنکو اُنھوں نے خود صحابہ سے سنا اور روایت کیا ہے حالانکہ امام صاحب کا صحابہ سے روایت کرنا محدثانہ تحقیقات کی رُو سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ خوارزمی نے آثار امام محمد کو بھی امام کی مسانید میں داخل کیا ہے بے شبہہ اس کتاب میں اکثر روایتیں امام صاحب ہی سے ہیں۔ اسلئے ناظرین کو اختیار ہے کہ اُسکو امام صاحب کا مسند کہیں یا آثار امام محمد کے نام سے پکاریں لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سے آثار اور حدیثیں دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہیں اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب امام محمد کی طرف زیادہ موزوں ہے۔

فقہ اکبر

فقہ اکبر کو اگرچہ فخر الاسلام بزدوی۔ عبد العلی بحر العلوم۔ و شارحین فقہ اکبر نے امام صاحب کیطرف منسوب کیا ہے لیکن ہم مشکل سے اُسپر یقین کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کیجاتی ہے اُسوقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ بطور ایک متن کے ہے اور اس اختصار و ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے جو متاخرین کا خاص انداز ہے ایک جگہ اُس میں جوہر و عرض کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ یہ فلسفیانہ الفاظ اُس وقت تک زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ بے شبہہ منصور عباسی کے زمانہ میں فلسفہ کی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئیں تھیں۔ لیکن یہ زمانہ امام صاحب کی آخر زندگی کا زمانہ ہے کسی طرح قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ترجمہ ہوتے ہی یہ الفاظ اس قدر جلد شائع ہو جائیں کہ عام تصنیفات میں اُنکا رواج ہو جائے فلسفہ کے الفاظ نے مذہبی دائرہ میں اُسوقت بار پایا ہے جب کثرت استعمال کی وجہ سے وہ زبان کا جز بنگئے اور عام بول چال میں بھی اُنکے استعمال کے بغیر چارہ نہ رہا لیکن یہ دور امام صاحب کے زمانہ کے بعد شروع ہوا ہے۔

یہ بحث تو درایت کی حیثیت سے تھی۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہیں ہوتا دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس کتاب کا پتہ نہیں چلتا۔ قدیم سے قدیم تصنیف جس میں اس رسالہ کا ذکر کیا گیا ہے (جہانتک ہمکو معلوم ہے) فخر الاسلام بزدوی کی کتاب الاصول ہے جو پانچویں صدی کی تصنیف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے ہزاروں شاگرد تھے جنمیں سے اکثر بجائے خود اُستاد تھے اور بواسطہ در واسطہ اُنکے ہزاروں لاکھوں شاگرد ہوئے۔ نہایت خلاف قیاس ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود ہوتی اور اتنے بڑے گروہ میں اُسکا نام تک نہ لیا جاتا۔ علم عقائد۔ اور اُسکے متعلقات پر جو بڑی بڑی کتابیں مثلاً

صحائف شرح مقاصد، شرح مواقف، ملل ونحل وغیرہ تصنیف ہوئیں انمیں کہیں اسکا ذکر تک نہیں ہے
اس کتاب کی جس قدر شرحیں ہوئیں سب آٹھویں صدی میں یا اسکے بعد ہوئیں اسکے علاوہ ابو مطیع بلخی
جو اس کتاب کے راوی ہیں حدیث و روایت میں چنداں مستند نہیں ہیں۔ کتب رجال میں انکی نسبت
محدثین نے نہایت سخت ریمارک کئے ہیں اگرچہ میں انکو کلیۃً تسلیم نہیں کرتا تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جسکا
ثبوت صرف ابو مطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو۔ محی ثانہ اصول پر قابل تسلیم نہیں ہوسکتی۔
میرا خیال ہے کہ ابو مطیع بلخی نے ایک رسالہ میں بطور خود عقائد کے مسائل قلمبند کئے تھے رفتہ رفتہ
وہ امام صاحب کی طرف منسوب ہوگیا۔ اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ ذہبی نے عبر فی اخبار
من غبر میں ابو مطیع کا جہاں ذکر کیا ہے ان لفظوں سے کیا ہے کہ صاحب الفقہ الاکبر جسکے متبادر معنی یہی ہیں
کہ خود ابو مطیع اسکے مصنف ہیں۔ میرا خیال یہ بھی ہے کہ فقہ اکبر کی موجودہ ترتیب عبارت۔ ابو مطیع کے
زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے اور یہ کچھ نئی بات نہیں جامع صغیر جو امام محمد کی تالیف ہے اُسکی موجودہ ترتیب
امام ابو الطاہر دباس نے کی ہے جو چوتھی صدی میں تھے۔ فرق یہ ہے کہ جامع صغیر کی عبارت وہی اصلی ہے صرف
ترتیب بدل دی گئی ہے برخلاف اسکے فقہ اکبر کا انداز عبارت بھی زمانہ بعد کا معلوم ہوتا ہے۔
ہمنے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے لیکن تمام واقعات بھی لکھدیئے ہیں
ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے اصلی واقعات اور ہماری رائیں دونوں اُنکے سامنے ہیں۔
وہ جو چاہیں خود فیصلہ کرلیں بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے

عقائد وکلام

امام صاحب ابتدائی تحصیل میں علم کلام کی طرف زیادہ مائل تھے صحابہ کے اخیر زمانہ میں نئے نئے فرقے
پیدا ہو چلے تھے۔ معبد جہنی نے جو صحابہ کا صحبت یافتہ تھا مسئلہ قدر کو چھیڑا۔ واصل بن عطا نے جو علوم عربیہ
وعلم کلام کا بہت بڑا عالم اور امام حسن بصری کا شاگرد تھا اعتزال کی بنیاد قائم کی۔
جہم بن صفوان فرقہ جہمیہ کا بانی ہوا۔ خوارج کے متعدد فرقے اس سے پہلے پیدا ہو چکے تھے امام ابو حنیفہ
کے زمانہ میں ان مسائل کے جابجا چرچے تھے اور ہر جگہ بحث ومناظرہ کا بازار گرم تھا۔ امام صاحب کو بھی ان کی
رد و قدح کی طرف التفات ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ انکی بے نظیر ذہانت سے ان مسائل میں نہایت دقیق
بحثیں پیدا ہوئیں لیکن چونکہ یہ شغل تھوڑے زمانہ تک رہا اور بالآخر وہ فقہ کے مہمات میں مصروف ہوگئے اس لئے
ان مباحث کا آج پتہ نہیں چلتا۔ تاہم چند مسائل جو تواتر انکی طرف منسوب ہیں انکی دقت نظر جدت ذہن وسعت
خیال کے شاہد عادل ہیں ان میں سے ہم بعض مسائل کا ذکر کرتے ہیں جو محدثین کے نزدیک شبہہ سے کُنا آرا مسئلے

اعمال جزو ایمان نہیں ہیں۔

ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام صاحب فرائض اور اعمال کو جزو ایمان نہیں سمجھتے۔ آج تو اسکی نسبت بحث کرنی گویا تحصیل حاصل ہے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو دل سے متعلق ہے فرائض اور اعمال جوارح کے کام ہیں اسلئے نہ اُن دونوں سے کوئی حقیقت مرکب ہوسکتی ہے نہ انمیں سے ایک دوسرے کا جزو ہوسکتا ہے لیکن اُس زمانہ میں یہ ایک بڑا بحث طلب مسئلہ تھا اور اکثر ارباب ظاہر بلکہ بعض مجتہدین بھی اُسکے خلاف تھے

صحابہ کے زمانہ تک اسلامی عقائد کی سطح نہایت ہموار اور غیر متحرک رہی۔ اہل عرب کو ان مونشگافیوں اور باریک بینیوں سے سروکار نہ تھا۔ بنو امیہ کے وسط زمانہ میں جب فوجی قوت کو زوال ہوا تو تمدن و معاشرت کی وسعت نے اور قسم کے اشغال پیدا کر دیئے۔ جبر و قدر، تشبیہ و تنزیہ، عدل و جور کی بحثیں چھڑ گئیں ان بحثوں کی ابتدا اُن لوگوں نے کی جو عجم کی خاک سے تھے یا اُن پر عجم کا پرتو پڑا تھا۔ چونکہ یہ نامانوس صدائیں تھیں اِن باتوں پر مذہبی گروہ میں جو زیادہ تر عرب سے تعلق رکھتا تھا برہمی پیدا ہو گئی اور محدثین و فقہا نہایت سختی سے بدعتیوں کے مقابلہ کو اُٹھے اس مقابلہ کی بنا پر ان بزرگوں کو خود بھی ان مسائل میں نفی یا اثبات کا پہلو اختیار کرنا پڑا۔ لیکن جوش مخالفت نے اکثروں کو اعتدال کی حد پر نہ رہنے دیا۔ معتزلہ کا مذہب تھا کہ قرآن مجید خدا کا ایک جدید کلام ہے جو رسول اللہ کی نبوت کے ساتھ وجود میں آیا۔ لوگوں نے اسکی یہانتک مخالفت کی کہ بعض محدثین نے تلفظ بالقرآن کو بھی قدیم ٹھہرایا امام ذہلی جو امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے، اور صحیح بخاری میں ان کی سند سے اکثر روایتیں ہیں۔ اسی بات پر امام بخاری سے ایسے ناراض ہوئے کہ انکو حلقۂ درس سے نکلوا دیا اور عام حکم دیدیا کہ جو شخص بخاری کے پاس آمد و رفت رکھے وہ ہمارے حلقہ میں آنے پائے[1] امام بخاری خود قرآن کے قدم کے قائل تھے لیکن قرات قرآن کو حادث کہتے تھے۔ ذہلی کو اصرار تھا کہ یہ بھی قدیم ہیں۔

اور مسائل میں بھی اس قسم کی بے اعتدالیاں ہوئیں جنکی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ امام ابوحنیفہ نے ان تمام بحثوں میں وہی پہلو اختیار کیا جو مغز سخن تھا اور جو عقل کے ساتھ نقل کے بھی مطابق تھا انہیں مسائل میں ایمان و عمل کا بھی مسئلہ تھا۔ مرجیہ کا مذہب ہے کہ ایمان اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہونا کچھ ضرر نہیں کرتا۔ ایک شخص اگر دل سے توحید و نبوت کا معترف ہے اور فرائض نہیں ادا کرتا تو وہ مواخذہ سے بری ہے اس رائے کا پہلا حصہ گو صحیح تھا مگر محدثین نے کچھ تفریق نہ کی اور کلیتہً اس مذہب کے مخالف ہو گئے۔ چونکہ قرآن کی بعض آیتیں بھی بظاہر اسکے مؤید تھیں اُنکی رائے کو اور بھی قوت و شدت ہو گئی یہ ایک اجتہادی رائے تھا اور یہیں تک رہتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ ان بزرگوں نے یہانتک شدت کی کہ جو شخص اُن کی رائے کے ساتھ متفق نہ ہوتا تھا اُسکو فاسق یا کافر سمجھتے تھے قاضی ابو یوسف ایک بار شریک کی عدالت میں گواہ ہوکر گئے تو انہوں نے کہا میں اس شخص کی شہادت نہیں قبول کرتا جس کا یہ قول ہو کہ نماز جزو ایمان نہیں۔

[1] ان واقعات کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے ۱۲

امام ابوحنیفہ کو اس سے کچھ بحث نہ تھی کہ یہ مسئلہ فلاں شخص یا فلاں فرقہ کا ہی وہ اصل حقیقت کو دیکھتے تھے اور مغز سخن کو پہنچتے تھے جب یہ بحث اُنکے سامنے پیش کی گئی تو اُنھوں نے علانیہ کہا کہ ایمان اور عمل دو جداگانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے اسپر بہت سے لوگوں نے انھیں بھی مرجیہ کہا لیکن وہ ایسا مرجیہ ہونا خود پسند کرتے تھے۔ محدثین اور فقہار میں سے جو لوگ امام صاحب کے ہمزبان تھے اُنکو بھی یہی خطاب عنایت ہوا۔ محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور اور مستند کتاب المعارف میں مرجیہ کے عنوان سے بہت سے فقہار اور محدثین کے نام گنائے ہیں جنمیں سے چند یہ ہیں ابراہیم تیمی۔ عمرو بن مرۃ۔ طلق الحبیب۔ حماد بن سلیمان۔ عبد العزیز بن ابی داؤد۔ خارجہ بن مصعب۔ عمرو بن قیس الاصر۔ ابو معاویۃ الضریر۔ یحییٰ بن زکریا۔ مسعر بن کدام۔ حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہیں اور صحیح بخاری و مسلم میں ان لوگوں کی سینکڑوں روایتیں موجود ہیں۔ ہمارے زمانہ کے بعض کوتاہ بین جو اسپر غش ہیں کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجیہ کہا ہی ابن قتیبہ کی فہرست دیکھتے تو شاید انکو ندامت ہوتی محدث ذہبی نے میزان الاعتدال میں مسعر بن کدام کے تذکرہ میں لکھا ہی کہ ارجار (مرجیہ ہونا) بہت سے علمار کبار کا مذہب ہے اور اس مذہب کے قائل پر مواخذہ نکرنا چاہیے یہ اسی ارجار کی طرف اشارہ ہی جو امام ابوحنیفہ کا مذہب تھا۔

جو لوگ مرجیہ کہلائے

یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر چنداں مہتم بالشان نہ تھا لیکن اُسکے نتائج بہت بڑا اثر رکھتے تھے اسی لحاظ سے امام صاحب نے نہایت آزادی سے اُسکا اظہار کیا۔ عمل کو جزو ایمان قرار دینا اس بات کو مستلزم ہے کہ جو شخص اعمال کا پابند نہ ہو وہ مومن بھی نہ ہو جیسا کہ خارجیوں کا مذہب ہے جو مرتکب کبائر کو کافر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اکثر محدثین ایسے شخص کو کافر نہیں سمجھتے تھے لیکن یہ نہ سمجھنا اس وجہ سے تھا کہ وہ لزوم سے ناواقف تھے حالانکہ لزوم قطعی اور یقینی ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

امام رازی نے جو امام شافعی کے بہت بڑے حامی ہیں۔ کتاب مناقب الشافعی میں لکھا ہی کہ لوگوں نے امام شافعی پر یہ اعتراض کیا ہی کہ وہ متناقض باتوں کے قائل ہیں۔ کیونکہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ ساتھ ہی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ترک عمل سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مرکب چیز کا جب ایک جزو نہ رہا تو مرکب بھی من حیث المرکب نہ رہا۔ اسی لئے معتزلہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ عمل جزو ایمان ہے اس بات کے بھی قائل ہیں کہ عمل نہ ہو تو ایمان بھی نہیں لیکن امام شافعی کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصل ایمان اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔ باقی اعمال تو وہ ایمان کے ثمرات اور توابع ہیں لیکن چونکہ توابع پر بھی کبھی کبھی مجازاً اصل شئے کا اطلاق ہوتا ہے اسلئے مجازاً اعمال پر بھی ایمان کا اطلاق ہوا اور یہ مسلم ہے کہ توابع کے فوت ہونے سے اصل شئے فوت نہیں ہوتی۔

لیکن یہ جواب توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ ہے اور خود امام رازی کو اسکا اعتراف کرنا پڑا چنانچہ جواب کے

بعد فرماتے ہیں فیہ ترک ھذا المذھب یعنی اس جواب سے یہ مذہب باطل ہوجاتا ہے امام رازی گو شافعی المذہب اور اپنے امام کے نہایت طرفدار ہیں لیکن چونکہ صاحب نظر اور نکتہ شناس ہیں انکو تسلیم کرنا پڑا کہ اعمال کو ایمان کے توابع سے شمار کرنا چاہئیے یا مان لینا چاہئیے کہ جو شخص پابند عمل نہیں مومن بھی نہیں۔

اس بحث کے متعلق امام ابوحنیفہ کی ایک تحریر موجود ہے جس کی طرز استدلال و استنباط نتائج سے امام صاحب کی وقت نظر کا اندازہ ہو سکتا ہے اور اصل مسئلہ کی حقیقت کھلتی ہے اس لئے اس موقع پر ہم اس کا حوالہ دینا مناسب سمجھتے ہیں یہ تحریر عثمان بتی کے ایک خط کا جواب ہے جو انہوں نے امام صاحب کو لکھا تھا عثمان اُس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے عام لوگوں میں جب امام ابوحنیفہ کے ان خیالات کے چرچے ہوئے تو انہوں نے امام صاحب کو ایک دوستانہ خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "لوگ آپ کو مرجیہ کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ آپ مومن کا ضال (گمراہ) ہونا جائز قرار دیتے ہیں مجھکو ان باتوں کے سننے سے نہایت رنج ہوتا ہے کیا یہ باتیں صحیح ہیں"

اس خط کے جواب میں امام صاحب نے ایک طولانی خط لکھا ہے جس کے فقرے کہیں کہیں سے ہم انتخاب کرتے ہیں حمد و نعت کے بعد عثمان بتی کی دوستانہ نصیحت اور خیر خواہی کا شکریہ ادا کر کے اصل مضمون اس طرح شروع کیا ہے میں آپکو بتاتا ہوں کہ رسول اللہ کے مبعوث ہونے سے پہلے تمام لوگ مشرک تھے۔ رسول اللہ جب مبعوث ہوئے تو لوگوں کو اس بات کی طرف دعوت کی کہ خدا کو ایک مانیں اور رسول اللہ جو کچھ لائے اُس کو تسلیم کریں۔ پس جو شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا اور شرک چھوڑ دیتا تھا اُس کی جان اور مال حرام ہو جاتا تھا پھر خاص اُن لوگوں کے لیئے جو ایمان لا چکے تھے فرائض کے احکام آئے ہیں اُنکا پابند ہونا عمل ٹھہرا اور خدا نے اُسی کی طرف اشارہ کیا ہے الذین آمنوا وعملوا الصلحت ومن یؤمن باللہ ویعمل صالحا۔ اس قسم کی اور آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عمل کے نہونے سے ایمان جاتا نہیں رہتا۔ البتہ اگر تصدیق یا اعتقاد نہ ہو تو مومن کا اطلاق نہیں ہو سکتا عمل و تصدیق کا دو جداگانہ چیز ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ تصدیق کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں لیکن اعمال کے لحاظ سے مراتب میں فرق ہوتا ہے کیونکہ دین و مذہب سب کا ایک ہی ہے خدا نے خود کہا ہے شرع لکم ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصی بہ ابراھیم وموسی وعیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ یعنی تمہارے لئے اسی دین کو شروع کیا جس کی وصیت نوح کو کی تھی اور جو تجھ پر وحی بھیجی اور جس کی وصیت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کو کی وہ یہ ہے کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں متفرق نہ ہو۔

آپ کو جاننا چاہیئے کہ تصدیق میں ہدایت اور اعمال میں ہدایت دو الگ چیزیں ہیں آپ ایک شخص کو جو فرائض سے ناواقف ہو مومن کہہ سکتے ہیں۔ پس ایسا شخص فرائض کے لحاظ سے جاہل اور تصدیق کے لحاظ سے مومن ہے خود خدا نے قرآن میں یہ اطلاقات کئے ہیں کیا آپ اُس شخص کو جو خدا اور رسول خدا کے پہچاننے میں

گمراہ ہو اُس شخص کی برابر قرار دیں گے جو مومن ہو لیکن اعمال سے نا واقف ہو خدا نے جہاں فرائض بتائے ہیں
اُس موقع پر ارشاد فرمایا ہے کہ یبین اللہ لکم ان تضلوا (یعنے خدا نے اس لئے بیان کیا کہ تم گمراہ نہ ہو)
دوسری آیت میں ہے ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخریٰ (یعنی ایک گمراہ ہو تو دوسری یاد دلادے)
حضرت موسیٰ کی زبان سے فرمایا فعلتھا اذا وانا من الضالین (یعنی جب میں نے وہ کام کیا تب میں گمراہ تھا)
ان آیتوں کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں جو اس دعوی کے ثبوت کے لئے دلائل قاطعہ ہیں اور حدیثیں تو
اور بھی واضح اور صاف ہیں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ امیر المومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے تو کیا اس کے
یہ معنی تھے کہ وہ صرف اُن لوگوں کے امیر تھے جو فرائض اور اعمال کے پابند تھے حضرت علیؓ نے شام
والوں کو جو اُن سے لڑتے تھے مومن کہا کیا قتل سے بڑھ کر کوئی گناہ ہے پھر جو لوگ قتل کے مرتکب ہوئے
کیا آپ قاتلین اور مقتولین دونوں کو برسرحق قرار دیتے ہیں اگر آپ صرف ایک کو (یعنی حضرت علیؓ اور
طرفداران علی کو) برسرحق تسلیم کریں گے تو دوسرے فریق کو کیا کہیں گے اُس کو خوب سمجھ لیجئے اور غور کیجئے
میرا یہ قول ہے کہ اہل قبلہ سب مومن ہیں اور فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہو سکتے جو شخص ایمان کے ساتھ
تمام فرائض بجالاتا ہے وہ مومن اور جنتی ہے جو ایمان اور اعمال دونوں کا تارک ہے وہ کافر اور دوزخی ہے
جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اُس سے ترک ہو جاتے ہیں وہ مسلمان ضرور ہے لیکن گنہگار مسلمان ہے
خدا کو اختیار ہے اُس پر عذاب کرے یا معاف کر دے۔

امام صاحبؒ نے جس خوبی سے اس دعوی کو ثابت کیا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا
فرائض اور ایمان کے باہمی امتیاز کی اس سے عمدہ تر کیا دلیل ہو گی کہ آغاز اسلام میں ایمان کی دعوت ہوتی تھی اور
فرائض کا وجود نہ تھا۔ امام صاحبؒ نے قرآن کی جو آیتیں استدلال میں پیش کی ہیں اُن سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے
کہ دونوں دو چیزیں ہیں کیونکہ ان تمام آیتوں میں عمل کو ایمان پر معطوف کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جزو کل پر معطوف نہیں
ہو سکتا من یومن باللہ فیعمل صالحا میں حرف تعقیب آیا ہے جس سے اس بحث کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے ان
دلائل قاطعہ کے مقابلہ میں دوسری طرف بعض آیتیں اور حدیثیں ہیں لیکن ان میں سے کوئی اثبات مدعا کے
لئے کافی نہیں بڑا استدلال اس پر ہے کہ "مومن مومن ہو کر زنا اور چوری نہیں کرتا" حالانکہ یہ کلام کے زور
دینے کا ایک پیرایہ ہے ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ بھلا آدمی ہو کر تو ایسا کام نہیں کر سکتا جس کا صرف
یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ کام شان شرافت کے خلاف ہے۔ بے شبہ زنا اور سرقہ بھی ایمان کی شان کے خلاف
ہیں اور حدیث کا مقصد اسی قدر ہے۔ ورنہ ابوذر کی حدیث میں صراحتہً یہ الفاظ موجود ہیں کہ جو شخص
لا الہ الا اللہ کا قائل ہے جنت میں جائیگا گو زانی اور چور ہو۔"

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ الایمان لا یزید ولا ینقص یعنی ایمان کم و بیش نہیں ہو سکتا بے شبہ یہ امام صاحب کا قول ہے لیکن اس کی تعبیر میں لوگوں نے غلطی کی ہے نہ صرف محدثین اور شافعیہ نے بلکہ خود حنفیہ نے بھی۔ ایمان کی کمی و زیادتی دو لحاظ سے ہو سکتی ہے ایک اس اعتبار سے کہ وہ مقولۂ کیف سے ہے جس میں شدت اور ضعف ممکن ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ایمان یقین کا نام ہے اور یقین کے مراتب متفاوت ہوتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خدا سے کہا کہ اے خدا تو مُردوں کو کیونکر جلاتا ہے تو ارشاد ہوا اولم تومن۔ یعنے کیا اب تک تجھ کو یقین نہیں آیا۔ عرض کیا کہ یقین ضرور ہے لیکن لیطمئن قلبی اور اور زیادہ اطمینان خاطر چاہتا ہوں۔ خدا نے متعدد آیتوں میں صاف تصریح کردی ہے کہ ایمان میں ترقی ہوتی ہے زادتہم ایمانا۔ اس مسئلہ میں نص صریح ہے لیکن امام ابو حنیفہ کو بلحاظ اس معنی کے نہ انکار ہے نہ یہ امر اس وقت زیر بحث تھا۔ امام صاحب کے دعوے کا اور منشا ہے اور وہ بالکل صحیح ہے۔ جن لوگوں نے عمل کو جزو ایمان قرار دیا۔ ان کا مذہب ہے کہ ایمان بلحاظ مقدار کے زیادہ کم ہوتا ہے جو شخص اعمال کا زیادہ پابند ہے وہ زیادہ مومن ہے جو گنہگار ہے وہ کم مومن ہے محدثین صراحۃً اس کے مدعی ہیں اور اس پر دلیلیں لاتے ہیں۔ علامہ قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں فاعلم ان الایمان یزید بالطاعات وینقص بالمعصیۃ یعنی "ایمان ثواب کے کام کرنے سے زیادہ ہوتا ہے اور گناہ سے گھٹ جاتا ہے" اور محدثین نے بھی جا بجا اس کی تصریح کی ہے۔ امام ابو حنیفہ اس اعتبار سے ایمان کی زیادت و نقصان کے منکر تھے اُنکے نزدیک جب اعمال جزو ایمان نہیں تو اعمال کی کمی بیشی سے ایمان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور یہ بالکل صحیح ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ابو بکر کو تم لوگوں پر جو ترجیح ہے وہ کثرت صوم و صلوٰۃ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس چیز کی وجہ سے ہے جو اُسکے دل میں ہے۔ غرض امام صاحب کا یہ دعوے نہیں ہے کہ ایمان بلحاظ کیفیت یعنی بشدت و ضعف کے زیادہ و کم نہیں ہو سکتا بلکہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ایمان مقدار کے اعتبار سے کم و بیش نہیں ہوتا۔ یہ دعوے اس بات کی فرع ہے کہ اعمال جزو ایمان نہیں ہیں اور اسکو ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں۔

امام صاحب اس بات کے بھی قائل تھے کہ متعلق ایمان میں کچھ تفاوت نہیں ہے یعنی معتقدات کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں۔ ایمان کے لیے جن مسائل پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے وہ سب کے لئے یکساں ہیں صحابہ اور عام مسلمان اس لحاظ سے برابر ہیں کہ دونوں ایک ہی چیز یعنی توحید و نبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں فرق ہے تو اعتقاد کی شدت و ضعف میں ہے اسی مطلب کو امام صاحب نے عثمان بتی کے جواب میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ دین اهل السماء والارض واحد یعنی آسمان اور زمین والوں کا ایک ہی دین ہے پھر اس دعوے پر آیت قرآنی سے استدلال کیا ہے شرع لکم من الدین ما وصینا بہ نوحا یعنی ہم نے تمہارے لئے وہی دین

[illegible]

روایت بیہقی

متعلق ایمان میں سب برابر ہیں۔

شروع کیا جس کی وصیت لوگوں کو کی تھی[1] مخالفین نے بڑے زور شور سے امام صاحب پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ میرا ایمان اور ابوبکر صدیقؓ کا ایمان برابر ہے[2] اگرچہ امام صاحب کی طرف اس قول کی اسناد ثابت نہیں لیکن اگر ثابت ہو تو کیا نقصان ہے جس اعتبار سے وہ مساوات کے مدعی ہیں اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے تعجب اور سخت تعجب ہے کہ ایسا صاف مسئلہ معترضوں کی سمجھ میں نہ آیا خطیب بغدادی نے صفحے کے صفحے سیاہ کر دیئے اور یہ نہ سمجھے کہ امام صاحب کا دعویٰ کیا ہے ان کو یہ الفاظ نہایت گراں گذرتے ہیں کہ ہمارا اور صحابہ کا ایمان برابر ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بہت سی چیزوں میں ہم اور صحابہ برابر ہیں تاہم ہم میں اور صحابہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اگرچہ اس قسم کے تمام مسائل میں امام صاحب اپنی خاص رائیں رکھتے تھے لیکن وہ مخالف رایوں پر کفر و فسق کا الزام نہیں لگاتے تھے۔ یہ فیاضی بھی امام صاحب کا خاصہ ہے۔ اور قرون اولی کے بعد اسلام میں اس کی بہت کم نظیریں ملتی ہیں۔ اسلام کو ان مشاجرات نے زیادہ نقصان نہیں پہنچایا جو اختلاف آرا کی بنا قائم ہو گئیں ان اختلافات کی بنیاد اگرچہ خود صحابہ کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی عبداللہ بن عباس اور بہت سے صحابہ کا اعتقاد تھا کہ رسول اللہ نے معراج میں خدا کو آنکھوں سے دیکھا حضرت عائشہؓ نہایت اصرار سے اس کے مخالف تھیں[3] امیر معاویہ کو معراج جسمانی سے انکار تھا۔ حضرت عائشہؓ سماع موتی کی قائل نہ تھیں لیکن اس زمانہ تک ان اختلافات پر ہدایت و گمراہی کا مدار نہ تھا۔ جو لوگ مختلف رائیں رکھتے تھے ان میں بھی کسی نے کسی کی تکفیر یا تفسیق نہیں کی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو قرآن کی غلط تاویل کرتے ہیں اور ہم کو کافر قرار دیتے ہیں وہ خود کافر ہیں یا نہیں[4] حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ اس وقت تک کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا جب تک خدا کو دو نہ کہے[5] صحابہ کے بعد یہ اختلافات زور پکڑتے گئے اور رفتہ رفتہ مستقل فرقے ہو گئے۔ اعتقادی اور فقہی مسائل اکثر ایسے ہیں جن میں نص قاطع موجود نہیں یا اور ہیں تو متعارض ہیں اس لیے استنباط اور رفع تعارض کی ضرورت نے اجتہاد کو بہت وسعت دی اور سیکڑوں رائیں قائم ہو گئیں بے شبہ ان میں بہت سی رائیں صحیح نہیں لیکن یہ ضرور نہیں کہ وہ سب کفر ہوں۔

افسوس ہے کہ سرگرم طبیعتیں جو مذہبی جوش اور تقدس کے نشہ میں سرشار تھیں۔ اختلاف رائے کے صدمہ کی تاب نہ لا سکیں اور نہایت بے صبری سے مخالفت پر آمادہ ہو گئیں۔ بات بات پر کفر کے فتوے ہونے لگے جو لوگ جس قدر زیادہ مذہبی حرارت رکھتے تھے اسی قدر کفر کے اطلاق میں کم احتیاط کرتے تھے رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہر فریق نے دوسرے کی ضلالت و گمراہی ثابت کرنے کیلئے موضوع روایتوں سے اعانت لی اور اس قسم کی حدیثیں ایجاد ہونے لگیں کہ میری امت میں ۷۳ فرقے پیدا ہونگے جنمیں صرف ایک ناجی ہوگا باقی سب دوزخی اس فرضی تعداد کو بھی پورا کرنا ضرور تھا اس لئے کھینچ تان کر ۷۳ فرقے قرار دیئے اور سب کے الگ الگ نام رکھے اس

[1] آثار امام محمد صفحہ ۱۲۶

پر بھی تسکین نہ ہوئی تو ہر ہر فرقے کے لئے جدا جدا روایتیں گھڑیں مثلاً القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ وغیرہ وغیرہ
ان تعصبات اور جھگڑوں نے جماعت اسلامی کے تمام اجزا پراگندہ کردیئے اور مذہب اخلاق حکومت تمدن معاشرت سب کا نقشہ بگڑ گیا۔ اس عالمگیر آشوب میں صرف ایک امام ابوحنیفہ تھے جن کی صدا سب سے الگ تھی اور جو پکار کر کہتے تھے "لا نکفر احدا من اھل القبلۃ" یعنی اہل قبلہ میں سے ہم کسی کو کافر نہیں سمجھتے" اُس وقت تو اس صدا پر چنداں توجہ نہیں ہوئی لیکن زمانہ جس قدر ترقی کرتا گیا اس جملہ کی قدر بڑھتی گئی یہاں تک کہ وہ علم کلام کا ایک بیش بہا اصول بن گیا اگرچہ افسوس ہے کہ اُس پر عمل کیا گیا اور تکفیر کے غلغلے اب بھی پست نہ ہوئے۔

امام صاحب کی یہ رائے نہایت غور و تحقیق و تجربہ کے بعد قائم ہوئی تھی بڑے بڑے مشہور بانیانِ مذہب اُنہیں کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور امام صاحب کو اُن سے ملنے کا موقع حاصل ہوا تھا خارجیوں کا صدر مقام بصرہ تھا جو امام صاحب کے شہر سے نہایت قریب تھا واصل بن عطاء و عمرو بن عبید جو مذہب اعتزال کے بانی اور مروج تھے بصرہ ہی کے رہنے والے اور امام صاحب کے ہمعصر تھے۔ جہم بن صفوان جسکے نام پر فرقہ جہمیہ مشہور ہے اسی زمانہ میں تھا۔ امام صاحب ان میں سے اکثروں سے ملے اور ان کے خیالات سے مطلع ہوئے تھے ان فرقوں کی نسبت جو اقوال مشہور تھے کچھ تو سرے سے غلط افترا تھے بعض کی تعبیر غلط طور پر کیگئی تھی بعض درحقیقت اصل لغو و باطل تھے لیکن کفر کی حد تک نہ پہنچے تھے اس لئے امام ابوحنیفہ نے یہ عام حکم دیا کہ "اہل قبلہ سب مومن ہیں" وہ دیکھتے تھے کہ جن مسائل پر قیامتیں برپا ہیں جو کفر و اسلام کی معیار قرار دیگئی ہیں وہ صرف لفظی بحثیں اور فرضی اصطلاحیں ہیں سب سے بڑا مسئلہ قدم قرآن کا تھا جس کو لوگوں نے کلمۂ توحید کی برابر قرار دیا تھا بڑے بڑے علماء کا قول ہے کہ "اسلام کو دو شخصوں نے نہایت نازک وقتوں میں محفوظ رکھا حضرت ابوبکر صدیقؓ جنہوں نے رسول اللہ کی وفات کے بعد مرتدین عرب کا استیصال کیا اور امام احمد حنبل جو مامون رشید کے زمانہ میں حدوث قرآن کے منکر رہے بلکہ ایک اعتبار سے امام حنبل کو ترجیح ہے کیونکہ صحابہ حضرت ابوبکرؓ کے معاون اور انصار تھے لیکن امام حنبل کا کوئی مددگار نہ تھا۔

رجال کی کتابوں میں جب کسی شخص کو ثقہ اور مستند ثابت کیا جاتا ہے سب سے بڑی دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ "وہ حدوث قرآن کو کفر سمجھتا تھا" حالانکہ یہ صرف ایک لفظی بحث ہے جو لوگ قرآن کو حادث کہتے تھے اُن کی غرض ان الفاظ اور اصوات سے تھی جنکا ظہور رسول کی زبان سے ہوا یا جس پر عام طور سے قرآن کا اطلاق کیا جاتا ہے جو قدیم مانتے تھے وہ کلام سے کلام نفسی کو مراد لیتے تھے جو خدا کی صفات میں سے ہے امام ابوحنیفہ سے اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں وہ اسی تفصیل کی بنا پر ہیں ایک شخص نے اُن سے پوچھا کہ قرآن حادث ہے یا قدیم۔ فرمایا کہ حادث کیونکہ قرآن جدا نہیں جو خدا نہیں وہ حادث ہے"

غرض اس قسم کے مسائل نفیاً یا اثباتاً نصی نہیں ہیں اور اس وجہ سے وہ کفر و اسلام کے معیار نہیں ہوسکتے

[illegible] روایت

امام ابوحنیفہ اہل قبلہ [illegible] تکفیر [illegible] کرتے تھے

بروایت البلخی

سلہ کتاب الاوائل ابو ہلال عسکری ۱۲

امام ابوحنیفہ کی نکتہ شناسی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے دائرہ کو من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ کی وسعت رکھتا تھا اصلی وسعت پر قائم رکھا افسوس ہے کہ ان کی اس رائے پر بہت کم لحاظ کیا گیا ورنہ امام غزالی محی الدین عربی حضرت غوث الاعظم۔ ابن تیمیہ وابوطالب مکی کو ہم فقہا کی زبان سے کافر نہ سنتے۔

حدیث اور اصول حدیث

یہ خیال اگرچہ غلط اور بالکل غلط ہے کہ امام ابوحنیفہ علم حدیث میں کم مایہ تھے تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عام طور پر محدث کے لقب سے مشہور نہیں۔ بزرگان سلف میں سینکڑوں ایسے گزرے ہیں جو اجتہاد و روایات دونوں کے جامع تھے لیکن شہرت اسی صفت کے ساتھ ہوئی جو ان کا کمال غالب تھا امام ابوحنیفہ کی تو حدیث میں کوئی تصنیف نہیں تعجب ہے کہ امام مالک و امام شافعی بھی اس لقب کے ساتھ مشہور نہ ہوئے نہ ان کی حدیثوں کو وہ قبول عام حاصل ہوا جو صحاح ستہ کو ہوا امام احمد حنبل ان لوگوں کی نسبت علم حدیث میں زیادہ نامور ہیں ان کی مسند کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ صحیح حدیثوں کا اتنا بڑا مجموعہ اور کوئی نہیں ملسکتا لیکن جسقدر حدیث و روایت میں انکا زیادہ اعتبار ہے اسیقدر استنباط اور اجتہاد میں ان کی نام آوری کم ہے۔ علامہ طبری نے جو خود بھی محدث و مجتہد تھے مجتہدین میں انکا شمار نہیں کیا قاضی ابن عبدالبر نے کتاب الانتقا فی الثلاثۃ الفقہاء میں جو مجتہدین کے حالات میں ہے۔ امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام شافعی پر اکتفا کی امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا اگرچہ امام احمد حنبل کی نسبت گروہ کثیر علماء کی یہی رائے تھی کہ وہ اجتہاد کامل کا منصب رکھتے تھے تاہم انکے اجتہاد پر اتفاق عام نہ ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ مجتہد و محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں۔ محدث مواعظ قصص فضائل سیر ہر ایک قسم کی روایتوں کا استقصا کرتا ہے بخلاف اس کے مجتہد کو زیادہ تر صرف اُن احادیث سے غرض ہوتی ہے جن سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ محدثین کی بہ نسبت مجتہدین ہمیشہ قلیل الروایت ہیں موطا میں جو امام مالک کی تمام روایتوں کا مجموعہ ہے زیادہ سے زیادہ ہزار حدیثیں ہیں جن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی شامل ہیں امام شافعی نے امام احمد حنبل کے سامنے اکثر اعتراف کیا ہے کہ تم لوگ بہ نسبت ہمارے احادیث سے زیادہ واقف ہو۔ قاضی یحییٰ بن اکثم جو ترمذی کے شیخ ہیں حسرت سے کہا کرتے تھے کہ اگر "امام شافعی نے علم حدیث کی طرف پوری توجہ کی ہوتی تو ہم لوگوں کو سب سے بے نیاز کر دیا ہوتا"۔ حافظ ابن حجر نے توالی التاسیس میں جو امام شافعی کے حالات میں ایک مختصر اور مفید رسالہ ہے جہاں امام شافعی کے شیوخ نے حدیث سے بحث کی ہے خاتمہ پر لکھا ہے کہ ولم یکثر من الشیوخ کعادۃ اھل الحدیث لاقبالہ علی الاشتغال بالفقہ یعنی وہ بہت سے شیوخ سے نہیں ملے جیسا کہ اہل حدیث کی عادت ہے کیونکہ اُن کو فقہ کا شغل زیادہ تھا"۔ حافظ ابن حجر نے امام شافعی کی نسبت قلت شیوخ

۵۱ طبقات المفسرین حافظ جلال الدین سیوطی ترجمہ علامہ طبری ۱۲ ۵۲ توالی التاسیس لحافظ ابن حجر صفحہ ۵۱ ۱۰-۱۲

سبب
قرار
روایت

کا جو سبب بیان کیا امام ابوحنیفہ کی قلت روایت کا بھی وہی سبب ہے لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے اس دائرہ کو زیادہ وسیع کیا۔ اور عموماً اُن کی قلت روایت کے قائل ہوئے۔ یہ خیال کچھ نیا نہیں ہے اگلے زمانہ میں بھی بعض بعض لوگوں کی یہ رائے تھی اور وہی غلط فہمی آج تک چلی آتی ہے۔

اِس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہ کے وہ واقعات جو نظر عام پر نمایاں ہیں اُن سے ایک ظاہر بین شخص ایسی ہی رائے قائم کر سکتا ہے۔ حدیث میں اُن کی کوئی تصنیف موجود نہیں صحاح میں بجز ایک دو روایت کے اُن کا نام تک نہیں پایا جاتا سب سے زیادہ یہ کہ اُن کی شہرت اہل الرائے کے لقب سے ہے جس سے متبادر ہوتا ہے کہ حدیث سے ان کو کم تعلق تھا۔ اس قدر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مغازی قصص سیر وغیرہ میں اُن کی نظر چنداں وسیع نہ تھی امام مالک و امام شافعی کا بھی یہی حال تھا لیکن احکام و عقائد کے متعلق امام ابوحنیفہ کو جو واقفیت اور تحقیق حاصل تھی اس سے انکار کرنا صرف کم نظری اور ظاہر بینی کا نتیجہ ہے ان کی تصنیف یا روایتوں کا مدون نہ ہونا قلت نظر کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق سے زیادہ کسی صحابی کو رسول اللہ کے ساتھ جلوت و خلوت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ رسول اللہ کے اقوال و افعال سے جس قدر وہ واقف تھے اور کون ہو سکتا تھا۔ لیکن حدیث کی تمام کتابوں میں اُن کی روایت سے جس قدر صحیح حدیثیں ہیں اُن کی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں[1]۔ کون شخص کہہ سکتا ہے کہ اُن کو صرف اسی قدر حدیثیں معلوم تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ فاروق کا درجہ ہے۔ اُن سے بھی صرف پچاس حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بعض کا کافی ثبوت نہیں۔ حضرت عثمانؓ اور جناب امیر کا بھی یہی حال ہے بخلاف اُن کے حضرت ابوہریرہ سے ۵۳۷۴۔ انس سے ۲۲۸۶۔ عبدالرحمن بن عباس سے ۲۶۶۰۔ جابر سے ۱۵۴۰ عبداللہ بن عمر سے جو رسول اللہ کے زمانہ میں نوجوان تھے ۱۶۳۰ حدیثیں مروی ہیں۔ اگر روایتوں کا موجود ہونا ہی معیار ہے تو خلفائے اربعہ کی نسبت تسلیم کرنا پڑیگا کہ یا اُن کا حافظہ ضعیف اور نہایت ضعیف تھا یا دانستہ اُنکو رسول اللہ کے اقوال و افعال کی طرف التفات اور توجہ نہ تھی۔ وحاشا عن ذالک۔ یہ سچ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے امام صاحب سے روایت نہیں کی (دو ایک روایتیں مستثنےٰ ہیں) لیکن اس الزام میں اور ائمہ بھی شریک ہیں۔ امام شافعی جن کو بڑے بڑے محدثین مثلاً امام احمد حنبل۔ اسحٰق بن راہویہ۔ ابو ثور حمیدی۔ ابو زرعہ الرازی ابوحاتم نے حدیث اور روایت کا مخزن تسلیم کیا ہے اُن کی سند سے صحیحین میں ایک بھی موجود نہیں بلکہ بخاری و مسلم نے کسی اور تصنیف میں بھی امام شافعی کی سند سے کوئی روایت نہیں کی۔ امام رازی نے بخاری و مسلم کی اس

خلفاء راشدہ
کی قلت
روایت

بخاری و مسلم
نے امام شافعی
کے واسطے
سے کوئی
حدیث روایت
نہیں کی

[1] مناقب الشافعی للامام الرازی۔ خلفائے اربعہ کی نسبت یہ تعداد میں نے امام شافعی کے قول کے موافق لکھی ہے اور محدثین نے بھی ترمذیہ۔ اس سے زیادہ حدیثیں ان لوگوں سے مروی ہیں تاہم اس قدر تعداد نہیں پہنچتی جس پر کثرت روایت کا اطلاق کیا جائے ۱۲

بے اعتنائی کی بہت سی تاویلیں کی ہیں مگر کوئی معقول بات نہیں بتا سکے صحیحین پر موقوف نہیں ترمذی - ابوداؤد - ابن ماجہ - نسائی میں بھی بہت کم ایسی حدیثیں ہیں جن کے سلسلہ رواۃ میں امام شافعی کا نام آیا ہو - حقیقت یہ ہے کہ بعض محدثین نے اعتماد اور استنباط کا جو معیار قرار دیا تھا اُس میں اہل نظر بلکہ اکثر لوگوں کے لیئے کم گنجائش تھی علامہ قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہیں لکھی جس کا یہ قول نہ تھا کہ الایمان قول وعمل[51] اگر یہ صحیح ہے تو امام ابوحنیفہ کو اُن تک دربار میں پہنچنے کی کیونکر امید ہو سکتی ہے - امام بخاری نے تاریخ کبیر میں امام شافعی کا ذکر کیا ہے لیکن جس بے پروائی سے کیا ہے اُس کے لحاظ سے امام رازی نے یہی غنیمت سمجھا کہ تضعیف نہیں کی - چنانچہ امام شافعی کے فضائل میں فرماتے ہیں - واما الامام محمد بن اسمعیل البخاری فقد ذکر الشافعی فی تاریخہ الکبیر فقال محمد بن ادریس بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی مات سنۃ اربع ومائتین ثم انہ ما ذکرہ فی باب الضعفاء مع علمہ بانہ کان قد روی شیئا کثیرا من الحدیث ولو کان من الضعفاء فی ھذا الباب لذکرہ[52] یعنی امام بخاری نے شافعی کا ذکر تاریخ کبیر میں کیا ہے چنانچہ فلاں باب میں لکھا ہے کہ محمد بن ادریس بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی نے سنہ ۲۰۴ھ میں وفات پائی لیکن اُن کو ضعفاء کے باب میں ذکر نہیں کیا حالانکہ امام بخاری جانتے تھے کہ شافعی نے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اور اگر وہ اس باب میں ضعیف ہوتے تو امام بخاری ضرور اُن کو ضعیف لکھتے - امام اوزاعی جو محدث اور مجتہد مستقل تھے اور بلاد شام میں اُن کا وہی اعزاز و اعتبار تھا جو عرب و عراق میں امام مالک و شافعی کا - اُن کی نسبت کسی نے امام احمد حنبل سے رائے پوچھی - فرمایا کہ "حدیث ضعیف و رائے ضعیف"[53] لطف یہ ہے کہ مجتہدین جس چیز پر فخر کر سکتے ہیں وہ دقت نظر قوت استنباط - استخراج مسائل - تفریع احکام ہے لیکن محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک یہی باتیں عجیب و نقص میں داخل ہیں علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری - قاضی ابو یوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ اہل حدیث میں سے ایک گروہ نے اُن کی روایت سے اس بنا پر احتراز کیا ہے کہ اُن پر رائے غالب تھی اور فروع احکام تفریع کرتے تھے ان باتوں کے ساتھ بادشاہ کی صحبت میں بیٹھتے تھے اور منصب قضا پر مامور تھے" اگر فروع اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے تو بے شبہ امام ابوحنیفہ و قاضی ابو یوسف سب سے زیادہ مجرم ہیں -

البتہ یہ بات غور کے قابل ہے کہ امام ابوحنیفہ اور اُن کے اتباع کو جو اہل الرائے کہا جاتا تھا اس بارہ میں اکثر لوگوں نے غلطی کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے بجز چند علماء کے [illegible] کی -

اس بحث کے تصفیہ کیلئے سب سے پہلے یہ پتہ لگانا چاہیئے کہ یہ لقب کب ایجاد ہوا - اور کن لوگوں پر اطلاق کیا

ابہامی حقیقت میں اہل نہیں سمجھا تھا امام بخاری اُس سے روایت نہیں کرتے تھے

---

۵۱ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے ۱۲

۵۲ مناقب الشافعی امام الرازی باب رابع ۱۲ ۵۳ تاریخ ابن خلکان ترجمہ فارسی ابو یوسف ۱۲

گیا۔ جہاں تک ہمکو علم ہے اس لقب کے ساتھ اول جسکو یہ امتیاز حاصل ہو وہ ربیعۃ الرائے ہیں جو امام مالک کے استاد اور شیخ الحدیث تھے۔ رائے کا لفظ اُنکے نام کا جزو بن گیا ہے اور تاریخ اور اسماء الرجال میں ہمیشہ اُن کا نام ربیعۃ الرائے لکھا جاتا ہے۔ یہ مشہور محدث اور فقیہ تھے اور بہت سے صحابہ سے ملے تھے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اُنکا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے "تمام اصحاب کتب (یعنی صحاح ستہ) نے اُن سے احتجاج کیا ہے عبدالعزیز ماجشون کا قول ہے کہ واللہ میں نے ربیع سے زیادہ کسی کو حافظ الحدیث نہیں دیکھا۔

اہل الرائے کی تحقیق [illegible]

اسی زمانہ میں اور اُسکے بعد اور لوگ بھی اس لقب سے پکارے گئے۔ محدث ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں اہل الرائے کی سرخی سے ایک باب باندھا ہے اور عنوان کے نیچے یہ نام لکھے ہیں۔ ابن ابی لیلی۔ ابوحنیفہ ربیعۃ الرائے۔ زفر۔ اوزاعی۔ سفیان ثوری۔ مالک بن انس۔ ابویوسف قاضی۔ محمد بن حسن"[1] ابن قتیبہ نے ۲۷۶ھ میں وفات پائی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم تیسری صدی تک مذکورہ بالا لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے اگرچہ یہ سب لوگ درحقیقت (زفر کے سوا) محدث ہیں لیکن امام مالک سفیان ثوری امام اوزاعی کی شہرت تو محتاج بیان نہیں۔ اصل یہ ہے کہ جو لوگ علم حدیث کی درس و تدریس میں مشغول تھے اُنمیں دو فرقے قائم ہو گئے تھے ایک وہ جنکا کام صرف حدیثوں اور روایتوں کا جمع کرنا تھا وہ حدیث سے صرف من حیث الروایۃ بحث کرتے تھے یہاں تک کہ اُنکو ناسخ و منسوخ سے بھی کچھ سروکار نہ تھا۔ دوسرا فرقہ حدیثوں کو استنباط احکام اور استخراج مسائل کے لحاظ سے دیکھتا تھا اور اگر کوئی نص صریح نہیں ملتی تھی تو قیاس سے کام لیتا تھا اگرچہ یہ دونوں حیثیتیں دونوں فریق میں کسی قدر مشترک تھیں لیکن وصف غالب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز تھا پہلا فرقہ اہل الروایۃ اور اہل حدیث اور دوسرا فرقہ مجتہد اور اہل الرائے کے نام سے پکارا جاتا تھا امام مالک سفیان ثوری۔ اوزاعی اسلئے اہل الرائے کہلائے کہ وہ محدث ہونے کے ساتھ مجتہد مستقل اور بانی مذہب تھے لیکن چونکہ ان لوگوں میں بھی معلومات حدیث اور قوت اجتہاد کے لحاظ سے اختلاف مراتب تھا۔ اسلئے اضافی طور پر کبھی کبھی اس فرقے میں سے ایک کو اہل الرائے اور دوسرے کو اہل حدیث کہتے تھے مثلاً امام مالک کی بہ نسبت امام ابوحنیفہ پر مجتہد اور اہل الرائے کا لقب زیادہ موزوں تھا امام احمد حنبل سے ایک بار نضر بن یحیی نے پوچھا کہ آپ لوگوں کو ابوحنیفہ پر کیا اعتراض ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ "رائے" نضر نے کہا کہ کیا امام مالک رائے پر نہیں عمل کرتے۔ امام احمد حنبل بولے کہ ہاں لیکن ابوحنیفہ رائے کو زیادہ دخل دیتے ہیں نضر نے کہا تو حصہ رسدی کے موافق دونو پر الزام آنا چاہیئے نہ صرف ایک پر امام احمد حنبل کچھ جواب نہ دے سکے اور چپ ہو گئے۔[2]

جو لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے محدث بھی [illegible] دو گروہ تھے

امام صاحب کے اہل الرائے کے لقب سے مشہور ہونے کی وجہ

امام ابوحنیفہ سے پہلے فقہ کوئی مستقل اور مرتب فن نہ تھا۔ امام صاحب نے اُسکی تدوین کی طرف توجہ

[1] ۔۔۔ ص ۲۲۴ [illegible]

[2] عقود الجمان۔ خاتمہ فصل اول ۱۲

کی تو ہزاروں مسئلے ایسے پیش آئے جنمیں کوئی حدیث صحیح بلکہ صحابہ کا قول بھی موجود نہ تھا اسلیئے اُنکو قیاس سے کام لینا پڑا قیاس پر گو پہلے بھی عمل تھا خود صحابہ قیاس کرتے تھے اور اُسکے مطابق فتوے دیتے تھے اس کا مفصل بیان آگے آئیگا لیکن اسوقت تک تمدن کو چنداں وسعت حاصل نہ تھی اس لیئے نہ کثرت سے واقعات پیش آتے تھے نہ چنداں قیاس کی ضرورت پڑتی تھی امام صاحب نے فقہ کو مستقل فن بنانا چاہا تو قیاس کی کثرت استعمال کے ساتھ اُسکے اصول و قواعد بھی مرتب کرنے پڑے اس بات نے اُنکو رائے اور قیاس کے انتساب میں زیادہ شہرت دی چنانچہ تاریخوں میں جہاں اُنکا نام لکھا جاتا ہے امام اہل الرائے لکھا جاتا ہے۔

ایک اور وجہ

اس شہرت کی ایک اور وجہ ہوئی۔ عام محدثین۔ حدیث و روایت میں درایت سے بالکل کام نہیں لیتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے اس کی ابتدا کی اور اُسکے اصول و قواعد منضبط کیئے اُنہوں نے بہت سی حدیثیں اس بنا پر قبول نہ کیں کہ اصول درایت کے موافق ثابت نہ تھیں اسلیئے اس لقب کو زیادہ شہرت ہوئی۔ کیونکہ درایت اور رائے مترادف سے الفاظ ہیں۔ اور کم از کم یہ کہ عام لوگ ان دونوں میں فرق کر سکتے تھے۔

امام ابوحنیفہ کا محدث اور حافظ الحدیث ہونا

ان عارضی بحثوں کے بعد ہم اصل مسئلہ پر متوجہ ہوتے ہیں یعنی یہ کہ امام ابوحنیفہ کو فن حدیث میں کیا رتبہ حاصل تھا اس بحث کے فیصلے کیلیئے اُنکی علمی زندگی کے واقعات پر نظر ڈالنی چاہیئے جو نہایت صحیح اور مستند روایتوں سے ثابت ہیں اس کتاب کے پہلے حصہ میں ہم امام ابوحنیفہ کی تحصیل حدیث کے حالات اُن کتابوں کی سند سے لکھ آئے ہیں جن پر فن رجال کا دارومدار ہے اب غور کرو کہ جس شخص نے بیس برس کی عمر سے جو فہم کی درستی اور پختگی کا زمانہ ہے علم حدیث پر توجہ کی ہو اور ایک مدت تک اس شغل میں مصروف رہا ہو جسنے کوفہ کے مشہور شیوخ حدیث سے حدیثیں سیکھی ہوں جو حرم محترم کی درسگاہوں میں برسوں تحصیل حدیث کرتا رہا ہو جسکو مدینہ منورہ کے شیوخ نے سند فضیلت دی ہو جسکے اساتذہ حدیث عطاء بن ابی رباح۔ نافع بن عمر۔ عمرو بن دینار۔ محارب بن دثار۔ اعمش عوفی۔ امام باقر۔ علقمہ بن مرثد۔ مکحول شامی۔ امام اوزاعی۔ محمد بن مسلم الزہری۔ ابو اسحٰق السبیعی۔ سلیمان بن یسار۔ عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج۔ منصور بن المعتمر۔ ہشام بن عروہ وغیرہ ہوں۔ جو فن روایت کے ارکان ہیں اور جنکی روایت سے بخاری و مسلم مالا مال ہیں وہ حدیث میں کس رتبہ کا شخص ہوگا۔

اسکے ساتھ امام صاحب کے شاگردوں پر لحاظ کرو۔ یحییٰ بن سعید القطان جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں عبدالرزاق بن ہمام جنکی جامع کبیر سے امام بخاری نے فائدہ اُٹھایا ہے یزید بن ہارون جو امام احمد حنبل کے استاد تھے وکیع بن الجراح جنکی نسبت امام احمد حنبل کہا کرتے تھے کہ حفظ اسناد و روایت میں میں نے اُنکا ہمسر کسی کو نہیں دیکھا عبداللہ بن المبارک جو فن حدیث میں امیر المومنین تسلیم کیئے گئے ہیں یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ جنکو علی بن المدینی (استاد بخاری) منتہائے علم کہا کرتے تھے یہ لوگ براہ راست امام صاحب کے شاگرد نہ تھے بلکہ برسوں اُن کے

ان لوگوں کا تذکرہ اس کتاب کے خاتمہ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہوگا

دامن فیض میں تعلیم پائی تھی اور اس انتساب پر انکو فخر و ناز تھا۔ عبد اللہ بن المبارک کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے ابوحنیفہ و سفیان ثوری سے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں ایک معمولی آدمی ہوتا۔ وکیع اور یحییٰ ابن ابی زائدہ امام صاحب کی صحبت میں اتنی مدت تک رہے تھے کہ صاحب ابی حنیفہ کہلاتے تھے کیا اس رتبہ کے لوگ جو خود حدیث و روایت کے پیشوا اور مقتدا تھے کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے۔

اجتہاد کی شرائط اور امام ابوحنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا

ان باتوں کے علاوہ امام ابوحنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا ایک ایسا مسلم مسئلہ ہے جس سے بارہ سو برس کی مدت میں شاید ایک آدھ ہی شخص نے انکار کیا ہو۔ اجتہاد کی تعریف علمائے حدیث مثلاً بغوی۔ رافعی۔ علامہ نووی وغیرہ نے ان لفظوں میں کی ہے۔ "مجتہد وہ شخص ہے جو قرآن۔ حدیث۔ مذاہب سلف۔ لغت۔ قیاس ان پانچ چیزوں میں کافی دستگاہ رکھتا ہو یعنی مسائل شرعیہ کے متعلق جس قدر قرآن میں آیتیں ہیں یا جو حدیثیں رسول اللہ سے ثابت ہیں جس قدر علم لغت درکار ہے سلف کے جو اقوال ہیں۔ قیاس کے جو طریق ہیں قریب کل کے جانتا ہو۔ اگر ان میں سے کسی میں کمی ہے تو وہ مجتہد نہیں ہے اور اسکو تقلید کرنی چاہیئے"[1]

اسی بنا پر علامہ ابن خلدون نے فصل علوم الحدیث میں مجتہدین کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ بعض نا انصاف مخالفین کا قول ہے کہ ان مجتہدوں میں سے بعض فن حدیث میں کم مایہ تھے اسلئے ان کی روایتیں کم ہیں لیکن یہ خیال غلط ہے۔ ائمہ کبار کی نسبت یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ شریعت قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے پس جو شخص حدیث میں کم مایہ ہے اسکو تلاش اور کوشش کرنی چاہیئے تاکہ دین کو اصول صحیحہ سے اخذ کر سکے اسکے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ فن حدیث میں امام ابوحنیفہ کا کبار مجتہدین میں ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مذہب محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے اور ردًّا و قبولاً[2] اس سے بحث کی جاتی ہے[3] علامہ موصوف نے اسکا سبب بھی بتایا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی روایتیں کم کیوں ہیں پر ہم خود اسکو مفصل لکھیں گے۔

محدثین میں بھی اکثروں نے اسکا اعتراف کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے جو زمانہ مابعد کے تمام محدثین کے پیشوا اور امام ہیں۔ حفاظ حدیث کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو علم نبوی کے حامل ہیں اور جنکے اجتہاد پر توثیق اور تضعیف و تصحیح میں رجوع کیا جاتا ہے۔ علامہ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے اور کسی ایسے شخص کا حال نہیں لکھا جو علم حدیث کا بڑا ماہر نہ تھا یہاں تک خارجہ بن زید بن ثابت کا ضمناً ایک موقع پر ذکر آ گیا ہے تو لکھتے ہیں کہ میں نے انکو حفاظ حدیث میں

---

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲ [2] عقد الجید شاہ ولی اللہ صاحب بحث حقیقت اجتہاد ۱۲ [3] تعجب ہے کہ اس تصریح کے ہوتے ہوئے بعض کوتاہ بینوں نے امام صاحب کی ناواقفیت حدیث پر ابن خلدون کے ایک ضمنی قول سے استدلال کیا ہے جسکو خود ابن خلدون نے ایسے لفظوں سے بیان کیا ہے جو ضعف اور عدم وثوق پر دلالت کرتا ہے ۱۲

علامہ ذہبی نے امام ابوحنیفہ کو حفاظ حدیث میں محسوب کیا۔

اسلیئے ذکر نہیں کیا کہ وہ قلیل الحدیث تھے امام ابوحنیفہ کے محدث ہونیکا اس سے زیادہ کیا ثبوت درکار ہے کہ علامہ ذہبی نے اس کتاب میں اُنکا ترجمہ لکھا ہے اور اُن کو حفاظ حدیث شمار کیا ہے۔

حافظ ابوالمحاسن دمشقی شافعی نے عقود الجمان میں ایک خاص باب باندھا ہے جسکے یہ الفاظ ہیں الباب یعنی تیئیسواں باب ۲۳

بیان میں کہ وہ (امام ابوحنیفہ) کثیر الحدیث اور اعیان الحفاظ سے تھے" قاضی ابویوسف صاحب جنکو یحییٰ ابن معین صاحب الحدیث کہتے تھے۔ اور علامہ ذہبی نے اُنکو حفاظ حدیث میں محسوب کیا ہے اُنکا بیان ہے کہ ہم لوگ امام ابوحنیفہ سے مسائل میں بحث کرتے ہوتے تھے جب اُنکی رائے قائم ہو جاتی تھی تو میں حلقہ درس سے اُٹھکر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا تھا اور اُنسے مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کرکے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ امام صاحب اُن حدیثوں میں سے بعض کو قبول کرتے تھے بعض کو فرماتے تھے کہ صحیح نہیں میں پوچھتا ہوں کہ آپکو کیونکر معلوم ہوا۔ فرماتے کہ کوفہ میں جو علم ہے میں اُسکا عالم ہوں۔

یہ تمام باتیں اسبات کی شاہد ہیں کہ علم حدیث میں امام ابوحنیفہ کا کیا پایہ تھا لیکن حقیقت یہ ہو کہ ان باتوں نے امام ابوحنیفہ کو امام ابوحنیفہ نہیں بنایا۔ اگر وہ حافظ الحدیث تھے تو اور لوگ بھی تھے اگر اُنکے شیوخ حدیث کئی سو تھے تو ائمہ سلف کے شیوخ کئی کئی ہزار تھے اگر اُنھوں نے کوفہ و حرمین کی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی تو اوروں نے بھی یہ شرف حاصل کیا تھا امام ابوحنیفہ کو جس بات نے تمام معصروں میں امتیاز دیا وہ اور چیز ہے جو ان سب باتوں سے بالاتر ہے یعنی احادیث کی تنقید اور بلحاظ ثبوت احکام اُنکے مراتب کی تفریق امام ابوحنیفہ کے بعد علم کو بہت ترقی ہوئی غیر مرتب اور پریشان حدیثیں یکجا کی گئیں صحاح کا التزام کیا گیا اصول حدیث کا مستقل فن قائم ہو گیا جسکے متعلق سیکڑوں بیش بہا کتابیں تصنیف ہوئیں زمانہ اسقدر ترقی کر گیا ہو کہ باریک بینی اور دقت آفرینی کی کوئی حد نہیں رہی تجربہ اور وقت نظر نے سیکڑوں نئے نکتے ایجاد کئے لیکن تنقید احادیث کے اصول درایت امتیاز مراتب میں امام ابوحنیفہ کی تحقیق کی جو حد ہے آج بھی ترقی کا قدم اس سے آگے نہیں بڑھتا اس اجمال کی تفصیل اسوقت سمجھ میں آسکتی ہو کہ فن حدیث کی آغاز اور طرز ترقی کا اجمالی نقشہ کھینچا جائے جس سے ظاہر ہو کہ روایتوں کا سلسلہ کیونکر پیدا ہوا اور کس کس دور میں اُسکی کیا کیا حالتیں بدلیں اسی سے اس بات کا اندازہ ہو سکے گا کہ احادیث کی تنقید میں اجتہاد و رائے کا کس قدر کام ہے اور امام ابوحنیفہ کو اس لحاظ سے اپنے تمام ہمصفوں میں کیا خاص امتیاز حاصل ہے۔

اسناد و روایت کا سلسلہ اگرچہ رسول اللہ کے عہد مبارک ہی میں شروع ہو چکا تھا لیکن اُسوقت تک جس قدر تھا نہایت سادہ اور قدرتی صورت میں تھا۔ آغاز نبوت سے تیرہ برس کا زمانہ تو ایسا پر آشوب

زمانہ تھا کہ صحابہ کو اپنی جان کی پڑی تھی اسناد و روایت کا کہاں موقع تھا اسی ضرورت سے احکام و فرائض بھی کم تھے یعنی نماز کے سوا اور کچھ فرض نہ ہوا تھا۔ کیونکہ اس زحمت اور فرائض کی تکلیف تکلیف ما لا یطاق ہوتی نماز بھی مختصر تھیں یعنی ظہر عشا سب میں صرف دو دو رکعتیں فرض تھیں۔ جمعہ و عیدین سے مامور نہ تھے سنہ ۲ھ میں یعنی نبوت سے تیرہویں برس روزے فرض ہوئے۔ زکوٰۃ کی نسبت اختلاف ہے علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ سنہ ۹ھ میں فرض ہوئی حج کا حکم بھی اسی سنہ میں ہوا غرض آغاز نبوت سے ایک مدت تک نماز کے سوا اور احکام صادر ہوئے تھے نہ انکے متعلق حدیثیں اور روایتیں پیدا ہوئی تھیں صحابہ مسائل و احکام کے متعلق زیادہ پرسش و جستجو نہیں کرتے تھے خود قرآن میں حکم آچکا تھا

عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ کے اصحاب سے کسی قوم کو بہتر نہیں دیکھا تمام زمانہ نبوت میں صرف تیرہ مسئلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے جو سب قرآن میں مذکور ہیں[۱] اور صحابہ سے بھی اسی قسم کے اقوال منقول ہیں جو احکام اور واقعات پیش آتے تھے انہیں بھی روایت کا سلسلہ کم جاری ہوا تھا۔ صحابہ خود رسول اللہ سے پوچھ لیا کرتے تھے اور واسطہ و روایت کی کم ضرورت پڑتی تھی حدیثوں کے قلمبند کرنیکی اجازت نہ تھی صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول

بعد حضرت ابوبکر کی خلافت شروع ہوئی ابتدا ہی میں عرب کی بغاوت عام کا مقابلہ کرنا پڑا اس سے فارغ ہو کر روم و ایران کی مہمیں شروع ہو گئیں اور انکی مختصر خلافت میں حدیثوں کی چنداں اشاعت نہ ہو سکی حضرت عمر نے سات برس خلافت کی اور ملک میں نہایت امن و امان رہا لیکن وہ دانستہ حدیثوں کی کثرت کو روکتے رہے علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر اس خوف سے کہ حدیث بیان کرنے والا رسول اللہ کی طرف غلط روایت منسوب کر دے۔ صحابہ کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کیا کریں[۲] ایک بار انصار کے ایک گروہ کو کوفہ بھیجا چلتے وقت اُنسے فرمایا کہ تم لوگ کوفہ جا رہے ہو۔ وہاں ایک قوم سے ملوگے جو بڑی رقت سے قرآن تلاوت کرتے ہیں۔ وہ تمہاری آمد سنکر مشتاق ہونگے کہ رسول اللہ صلعم کے اصحاب آئے ہیں لیکن جب وہ تمہارے پاس آئیں اور حدیثیں سننی چاہیں تو زیادہ حدیثیں بیان نہ کرنا[۳] اسی طرح عراق کو صحابہ جانے لگے تو حضرت عمر نے خود انکی مشایعت کی اور اُن سے پوچھا کہ جانتے ہو میں کیوں تمہارے ساتھ آیا ہوں" لوگوں نے کہا تکرمۃ علینا یعنی ہماری عزت افزائی کیلئے، فرمایا کہ ہاں لیکن ایک اور مقصد بھی ہے وہ یہ کہ جہاں جا رہے ہو وہاں لوگ اکثر قرآن کی تلاوت کیا کرتے ہیں انکو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا اور رسول اللہ سے کم روایت کرنا چنانچہ جب لوگ قرظہ پہنچے تو لوگ یہ سنکر کہ صحابہ تشریف لائے ہیں زیارت کو آئے اور حدیثوں کی خواہش ظاہر کی ان لوگوں نے

[۱] مسند دارمی ۱۲ [۲] طبقات الحفاظ ترجمہ حضرت عمر ۱۲ [۳] مسند دارمی ۱۲۔

اس بنا پر انکار کیا کہ حضرت عمرؓ نے منع کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ابوسلمہ نے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اس طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے بولے کہ نہیں ورنہ عمرؓ دُرے مارتے۔[1]

حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی مجموعی خلافت میں اکیس برس . . . . . ہی اس میں احادیث کی زیادہ اشاعت ہوئی صحابہ دور دور پھیل گئے تھے ضرورتیں بڑھتی جاتی تھیں نئے نئے مسئلے پیش آتے تھے ان اسباب نے حدیث اور روایت کے سلسلے کو بہت وسعت دی حضرت عثمانؓ کے اخیر زمانہ میں بغاوت ہوئی جسکا خاتمہ خلیفہ وقت کی شہادت پر ہوا اور یہ پہلا موقع تھا کہ جماعت اسلام میں فرقہ بندیاں قائم ہوئیں حضرت علیؓ کی خلافت شروع ہی سے کچھ آشوب تھی ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا ہوئی اور اگرچہ کثرت اور انتشار زیادہ تر زمانہ مابعد میں ہوا لیکن خود صحابہ کے عہد میں اہل بدعت نے سیکڑوں ہزاروں حدیثیں ایجاد کر لی تھیں مقدمہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک بار بشیر عدوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنی شروع کی انہوں نے کچھ خیال نہ کیا بشیر نے کہا ابن عباس! میں رسول اللہ سے روایت کر رہا ہوں اور تم متوجہ نہیں ہوتے فرمایا کہ ایک زمانہ میں ہمارا یہ حال تھا کہ کسی کو قال رسول اللہ کہتے سنتے تھے تو فوراً ہماری نگاہیں اٹھ جاتی تھیں اور کان لگا دیتے تھے لیکن جب سے لوگوں نے ایک بات میں تمیز نہیں رکھی ہم صرف ان حدیثوں کو سنتے ہیں جنکو ہم خود بھی جانتے ہیں یہ زبانی روایات سے گزر کر تحریروں پر بھی جعل شروع ہو گیا تھا مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے بیچ بیچ میں الفاظ چھوڑتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ واللہ علیؓ نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔ اسی طرح ایک دفعہ عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت علی کی ایک تحریر دیکھی تو تھوڑے سے الفاظ کے سوا باقی سب عبارت مٹا دی۔

لوگوں کو وضع حدیث کی زیادہ جرأت اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اس وقت تک اسناد و روایت کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا جو شخص چاہتا تھا قال رسول اللہ کہدیتا تھا اور اثبات سند کا مواخذہ سے بری رہتا تھا ترمذی کتاب العلل میں امام ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ پچھلے زمانہ میں لوگ اسناد نہیں پوچھا کرتے تھے جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ کچھ ہوئی تاکہ اہل سنت کی حدیثیں لیجائیں اور اہل بدعت کی ترک کیجائیں لیکن حدیث کی بے اعتباری اہل بدعت ہی پر موقوف نہ تھی اسلئے یہ احتیاط چنداں مفید نہ ہوئی اور غلطیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بنو امیہ کا دور شروع ہوا اور یہ نئے زور شور سے حدیث نے ترویج پائی صحابہ کی تعداد جس قدر کم ہوتی جاتی تھی اسی قدر ان کی قدر اور ان کی طرف التفات بڑھتا جاتا تھا۔ تمدن میں بہت کچھ ترقی ہو گئی تھی نئی نئی ضرورتیں پیدا ہوتی جاتی تھیں۔ ان نو مسلموں کو ادھر تو اسلام کا نیا نیا جوش تھا ادھر قوم فاتح کے مجمع میں عزت و اثر پیدا

[1] طبقات الحفاظ ترجمہ عمر فاروقؓ [2] طبقات الحفاظ ترجمہ عمر فاروقؓ ۔

کرنے کی اس سے بڑھکر کوئی تدبیر نہ تھی ان باتوں نے انکو معلومات مذہبی کا اسقدر شائق بنا دیا تھا کہ خود عرب اُنکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے غرض تمام ممالک اسلامیہ میں گھر گھر حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے اور سیکڑوں ہزاروں درسگاہیں قائم ہو گئیں لیکن جسقدر اشاعت کو وسعت حاصل ہوتی جاتی تھی اعتماد اور ثقاہت کا معیار کم ہوتا جاتا تھا ارباب روایت کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ اُس میں مختلف خیال مختلف عادات مختلف عقائد مختلف قوم کے لوگ شامل تھے۔ اہل بدعت جابجا پھیل گئے تھے اور اپنے مسائل کی ترویج میں مصروف تھے سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گزر جانے پر بھی کتابت کا طریقہ مروج نہیں ہوا تھا ان اسباب سے روایتوں میں اسقدر بے احتیاطیاں ہوئیں کہ موضوعات اور اغالیط کا ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا یہانتک کہ امام بخاری نے اپنے زمانہ میں صحیح حدیثوں کو جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھ میں سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی جس میں کل ۷۲۹۷ حدیثیں ہیں اسمیں بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائیں تو صرف ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں۔ سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثیں دانستہ لوگوں نے وضع کیں حماد بن زید کا بیان ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ نے وضع کیں عبدالکریم وضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں اُسکی موضوعات سے ہیں بہت سے ثقات اور پارسا تھے جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کرتے تھے حافظ زین الدین عراقی[۱] لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں نے بہت ضرر پہنچایا کیونکہ ان واضعین کی ثقہ اور تورع و زہد کی وجہ سے یہ حدیثیں اکثر مقبول ہو گئیں اور رواج پا گئیں۔

سبب ہزار روایت

زنادقہ نے چودہ ہزار حدیثیں گھڑیں ایک شخص کا روایات طبعی چار ہزار وضع

وضع کے بعد مساہلات غلط فہمیاں بے احتیاطیاں کا درجہ تھا جنکی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول اللہ کی طرف بے قصد منسوب ہو گئے۔ بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر حروف تفسیر حذف کر دیتے تھے جس سے سامعین کو دھوکا ہوتا تھا اور وہ انکے تفسیری جملوں کو بھی حدیث کا جزء سمجھ لیتے تھے تعجب یہ ہے کہ اس قسم کے مسامحات بڑے بڑے ائمہ فن سے ہوے اور سب سے امام زہری جو امام مالک کے اُستاد اور حدیث کے ایک بڑے رکن تھے اُنکی نسبت علامہ سخاوی لکھتے ہیں

یعنی اسی طرح زہری اکثر حدیث کی تفسیر کرتے تھے اور وہ حروف جن سے اس عبارت کا تفسیر ہونا ظاہر ہو چھوڑ دیا کرتے تھے" وکیع کا بھی یہی حال تھا۔ وہ اکثر حدیث کے بیچ بیچ میں "یعنی" کہکر مطلب بیان کرتے جاتے تھے۔ او اکثر "یعنی" کا لفظ چھوڑ دیتے تھے جس سے سامعین کو اشتباہ ہوتا تھا۔ کتب رجال و اصول حدیث میں اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

بڑی آفت تدلیس کی تھی جسکا ارتکاب بڑے بڑے ائمہ فن کرتے تھے۔ اس تدلیس نے اسناد کے اتصال کو بالکل مشتبہ کر دیا تھا۔ انکے سوا اور بہت سی بے احتیاطیاں تھیں جنکی تفصیل حدیث کی کتابوں میں مل سکتی ہے غرض امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں احادیث کا جو دفتر تیار ہو چکا تھا ہزاروں موضوعات اغالیط ضعاف

[۱] فتح المغیث صفحہ ۱۰۸، ۱۲۰

مدرجات سے بھرا ہوا تھا۔ اُسوقت امام بخاری و مسلم نہ تھے۔ جو صحیح حدیثوں کے انتخاب کی کوشش کرتے امام ابوحنیفہ۔ گو مہمات فقہ کی وجہ سے اسطرف متوجہ نہو سکے تاہم اُنہوں نے روایتوں کی تنقید کی بنیاد ڈالی اور اُسکے ضوابط قرار دیئے اُنکے اصول تنقید نہایت سخت خیال کئے گئے ہیں یہانتک کہ محدثین نے اُنکو متشدد فی الروایۃ کا لقب دیا ہے تمام اور محدثین کی بہ نسبت امام صاحب کے قلیل الروایۃ ہونیکی ایک یہ بھی وجہ ہے بلکہ تمام اور وجوہ کی بہ نسبت یہ زیادہ قوی سبب ہے علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں

یعنی امام ابوحنیفہ کی روایتیں اسلیئے کم ہیں کہ اُنہوں نے روایت اور تحمل کی شروط میں سختی کی حدیث کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا وہ تھا کہ بہت کم حدیثیں ہیں جو صحیح ہیں یا یہ کہ بہت کم حدیثیں ہیں جنکی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے یہ صدا اگرچہ جدت کیوجہ سے کسی قدر نامانوس صدا تھی اور اسی وجہ سے بعض بعض ارباب حدیث نے نہایت سخت مخالفت کی لیکن امام صاحب اس خیال پر مجبور بلکہ معذور تھے۔ اُنہوں نے یہ رائے مقلدانہ نہیں قائم کی تھی وہ اپنے زمانہ کے اکثر شیوخ سے ملے تھے اور اُن کے سرمایہ حدیث سے متمتع ہوئے تھے حرمین کی بڑی بڑی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی کوفہ۔ بصرہ۔ حرمین میں ارباب روایت کا جو گروہ موجود تھا برسوں کے تجربے سے اُنکے ذاتی اوصاف اخلاق و عادات پر اطلاع حاصل کی تھی غرض اس مسئلہ کے متعلق اثباتاً یا نفیاً مجتہدانہ رائے قائم کرنیکے لیئے جو شرطیں درکار تھیں سب اُن میں موجود تھیں اس خیال کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ مسئلہ کسی نہ کسی پیرایہ میں اُنکے خاندان تعلیم میں وراثتاً چلا آتا تھا حدیث و فقہ میں اُنکے خاندان تعلیم کے مورث اول عبداللہ بن مسعود ہیں اور مذہب حنفی کی بنیاد زیادہ تر اُنہیں کی روایات اور استنباطات پر ہے عبداللہ بن مسعود اگرچہ بہت ہی بڑے محدث تھے لیکن اور محدثین صحابہ کی نسبت قلیل الروایۃ تھے جسکی وجہ یہ تھی کہ وہ متشدد اور محتاط تھے۔ علامہ ذہبی اُنکے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ

یعنے عبداللہ ابن مسعود ادا میں تحری اور روایت میں تشدد کرتے تھے۔ اور حدیث کی کم روایت کرتے تھے" ابراہیم نخعی جو عبداللہ بن مسعود کے بہ یک واسطہ شاگرد اور امام ابوحنیفہ کے بہ یک واسطہ اُستاد تھے اُنکا بھی یہی مذہب تھا اور اسی وجہ سے وہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے سو امام ابوحنیفہ نے گو اور بہت سی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی لیکن اُنکی معلومات اور خیالات کا اصلی مرکز یہی خاندان تھا یہی خاندانی اثر تھا جسنے اُنکے دل میں یہ خیال پیدا کیا اور اُسکو اُنکے ذاتی تجربہ اور دقت نظر نے اور بھی قوت دی۔

امام صاحب کے اس خیال نے اگرچہ قبول عام کی سند حاصل نہیں کی تاہم وہ بالکل بے اثر نہیں رہا امام مالک و امام شافعی جو اجتہاد میں امام ابوحنیفہ سے متاخر ہیں اُنکے اصول اجتہاد میں اس خیال کا صاف

پرتو پایا جاتا ہے۔ امام مالک نے روایت کے متعلق جو قیداور شرطیں لگائی ہیں وہ امام ابوحنیفہ کے شرائط کے
قریب قریب ہیں اور یہی وجہ ہے کہ متشددین فی الروایۃ میں امام ابوحنیفہ و امام مالک کا نام ساتھ ساتھ لیا
جاتا ہے ابن الصلاح۔ مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ "ومن مذاہب التشدید مذہب من قال لاحجۃ الا فیما رواہ
الراوی من حفظہ وتذکرہ وذالک مروی عن مالک وابی حنیفۃ۔ یعنی متشددین کا یہ مذہب ہے
کہ صرف وہ حدیث قابل حجت ہے جس کو راوی نے اپنی حفظ سے یاد رکھا ہو اور یہ قول مالک
و ابوحنیفہ سے منقول ہے" محدثین نے یہ لکھا ہے کہ امام مالک نے اول جب موطا لکھی تو اس میں دس ہزار
حدیثیں تھیں پھر امام مالک زیادہ تحقیق کرتے گئے تو یہ تعداد کم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ چھ سات سو رہ گئیں
امام شافعی نے صاف لفظوں میں امام ابوحنیفہ کے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ ہار
ون بن ہرم قرشی نے امام شافعی سے کہا کہ آپ وہ حدیثیں لکھوائیے جو رسول اللہ ؐ سے ثابت ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ ارباب
معرفت کے نزدیک صحیح حدیثیں کم ہیں۔ کیونکہ ابوبکر صدیق نے جو حدیثیں رسول اللہ ؐ سے روایت کیں ان کی تعداد
سترہ سے زیادہ نہیں ہے۔ عمر بن الخطاب ؓ باوجود اس کے کہ رسول اللہ ؐ کے بعد مدت تک زندہ رہے ان کی
روایت سے پچاس حدیثیں بھی ثابت نہیں۔ حضرت عثمان ؓ کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت علی ؓ اگرچہ لوگوں کو حدیث
سیکھنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن ان سے بھی کم حدیثیں مروی ہیں کیونکہ وہ مطمئن نہیں ہیں اُن سے جو حدیثیں مروی
ہیں اکثر حضرت عمر ؓ اور حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت کی ہیں ان لوگوں کے سوا اور صحابہ سے بہت سی حدیثیں مروی
ہیں لیکن اہل معرفت کے نزدیک تمام حدیثیں صحیح سند سے ثابت نہیں ہیں۔[1] ان باتوں سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ امام ابوحنیفہ
معتزلیوں کی طرح احادیث کے منکر تھے یا صرف دس بیس حدیثوں کو تسلیم کرتے تھے ان کے شاگردوں نے خود ان سے
حدیثیں روایت کی ہیں موطا امام محمد، کتاب الآثار، کتاب الحجج جو امام محمد کی مشہور تصنیفات ہیں ان میں امام صاحب سے بہت سی حدیثیں
مروی ہیں البتہ اور محدثین کی نسبت ان کی احادیث مسلسل کی تعداد کم ہے اور اس کی وجہ وہی شروط روایت کی سختی ہے۔ امام صاحب
نے روایت کے متعلق جو شرطیں اختیار کیں کچھ تو وہی ہیں جو اور محدثین کے نزدیک مسلم ہیں کچھ ایسی ہیں جن میں وہ منفرد ہیں یا امام
امام مالک اور بعض اور مجتہدین ان کے ہم زبان ہیں ان میں سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ صرف وہ حدیث حجت ہے جس کو راوی نے
اول سے آخر تک سنا ہو اور روایت کے وقت تک یاد رکھا ہو" یہ قاعدہ بظاہر نہایت صاف ہے جس کا کسی کو انکار نہیں ہو سکتا
لیکن اس کی تفریعیں نہایت وسیع اثر رکھتی ہیں اور عام محدثین کو اُن سے اتفاق نہیں ہے۔ محدثین کے نزدیک ان پابندیوں
سے روایت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے اور اس سے ہم کو بھی انکار نہیں۔ لیکن ان کا فیصلہ ناظرین خود کر سکتے ہیں کہ
احتیاط مقدم ہے۔ یا روایت کی وسعت۔ ہم بعض تفریعات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جن سے

امام شافعی کا قول امام مالک صحیح حدیثیں بہت کم ہیں

امام صاحب نے روایت کیلئے کیا شرطیں مقرر کیں

[1] مناقب الشافعی امام رازی فصل ثامن شرح مذہب شافعی ۱۲

ظاہر ہوگا کہ امام ابو حنیفہ کو کس خیال نے اس قسم کی سختیوں پر مجبور کیا تھا۔

اکثر شیوخ کا حلقۂ درس نہایت وسیع ہوتا تھا یہاں تک کہ ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار سامعین جمع ہوتے تھے۔ اس وقت متعدد مستملی یعنے نائب جا بجا بٹھائے جاتے تھے کہ شیخ کے الفاظ کو دور والوں تک پہنچائیں بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے جن کے کانوں میں شیخ کا ایک لفظ بھی نہیں پہنچتا تھا وہ صرف مستملی کے الفاظ سنکر حدیث روایت کرتے تھے اب بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ جس شخص نے صرف مستملی سے سنا وہ اصل شیخ کی نسبت حدثنا کہہ سکتا ہے یا نہیں۔ اکثر ارباب روایت کا مذہب ہے کہ کہہ سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ اس کے خلاف ہیں ائمہ حدیثین میں سے حافظ ابو نعیم، فضل بن دکین۔ زائدہ بن قدامہ۔ امام صاحب کے ہمزبان ہیں[۱] حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مقتضائے عقل بھی (امام ابو حنیفہ کا) مذہب ہے لیکن عام مذہب میں آسانی ہے"

امام ابو حنیفہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا تھا وہ یہ تھی کہ ان کے زمانہ تک روایت بالمعنی کا طریقہ بہت عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے تھے اسلئے روایات میں تغیر و تبدل کا احتمال ہر واسطہ میں بڑھتا جاتا تھا کم از کم یہ کہ ہر روایت پہلے واسطہ میں جس قدر قوی ہوتی تھی دوسرے واسطہ میں آ سکا وہ پایہ نہیں قائم رہ سکتا تھا بے شبہ مستملی کے مقرر کرنیکا طریقہ قائم رکھنا ضرور تھا کیونکہ اکثر موقعوں پر بغیر مستملی کے کام نہیں چل سکتا تھا لیکن یہ ناانصافی تھی کہ جس شخص نے بلا واسطہ شیخ سے سنا ہو اور جس نے مستملی سے روایت کی ہو دونوں کا ایک ہی درجہ قرار دیا جائے مستملی کبھی کبھی نہایت غافل اور بے سمجھ ہوتے تھے اس لئے غلطیوں کا احتمال اور بھی قوی ہو جاتا تھا۔ اسیطرح بلکہ اس سے زیادہ غیر محتاط طریقہ یہ تھا کہ اخبرنا و حدثنا کو بعض بعض محدثین نہایت عام معنوں میں استعمال کرتے تھے

اخبرنا و حدثنا کے مفہوم کی وسعت

امام حسن بصری نے متعدد روایتوں میں کہا ہے حدثنا ابو ہریرہ حالانکہ وہ ابو ہریرہ سے کبھی نہیں ملے تھے انھوں نے اسکی یہ تاویل کی تھی کہ ابو ہریرہ نے جب یہ حدیث بیان کی تھی تو اس شہر میں موجود تھے۔ اسی طرح اور شیوخ بھی صحابہ کی نسبت حدثنا کا لفظ استعمال کرتے تھے اور معنی یہ لیتے تھے کہ ان کے شہر والوں نے ان شیوخ سے سنا تھا۔ محدث بزار نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے ان لوگوں سے روایت کی ہے جن سے وہ کبھی نہیں ملے۔ اور تاویل یہ کرتے تھے کہ ان کی قوم نے وہ حدیث ان لوگوں سے سنی تھی"۔ یہ امر علاوہ اسکے کہ ایک قسم کی غلط بیانی تھی۔ حدیث کی اسناد کو مشتبہ کر دیتا تھا کیونکہ راوی نے جب خود شیخ سے حدیث نہیں سنی تو بیچ میں کوئی واسطہ ہوگا۔ اور چونکہ راوی نے اس کا نام نہیں بتایا اس لئے اس کے ثقہ و غیر ثقہ ہونیکا حال نہیں معلوم ہو سکتا۔ صرف حسن ظن پر مدار رہ گیا کہ ایسے شخص نے جس سے سنا ہوگا وہ ضرور قابل استناد ہوگا۔ امام ابو حنیفہ نے اس طریقہ کو ناجائز قرار دیا۔ اور انکے بعد ائمہ حدیث نے بھی انکی متابعت کی۔ ارباب روایت کا ایک یہ طریقہ تھا کہ جب کسی شخص سے کچھ حدیثیں سنیں اور قلمبند کر لیں تو ان اجزا کو

---

[۱] فتح المغیث صفحہ ۱۷۱۔ ۱۲

اجزاء سے روایت

سے روایت کرنی ہمیشہ جائز سمجھتے تھے۔ اس کو اسقدر وسعت دی گئی کہ گو راوی کو ان حدیثوں کے الفاظ و معانی کچھ یاد نہ رہے ہوں تاہم اس بناء پر کہ اجزاء اُس کے پاس موجود ہیں اُن کی روایت کر سکتا ہے امام ابو حنیفہ اس طریقہ کو قائم رکھا لیکن یہ قید لگائی کہ حدیث کے دو مطالب محفوظ ہونے چاہئیں ورنہ روایت جائز نہیں یہ مسئلہ بھی اگرچہ عام طور پر نہیں تسلیم کیا گیا تاہم جیسا کہ محدث سخاوی نے تصریح کی ہے امام مالک اور بہت سے ائمہ فن نے اُس کی موافقت کی۔ امام بخاری و مسلم وغیرہ کے زمانہ میں اس قید کی چنداں ضرورت نہیں رہی تھی کیونکہ اُس وقت روایت باللفظ کا عام رواج ہو چکا تھا لیکن امام ابو حنیفہ کے عہد تک حدیثیں زیادہ تر بالمعنی روایت کی جاتی تھیں۔ اسلئے اگر راوی کو الفاظ حدیث موقع حدیث۔ شان نزول وغیرہ یاد نہیں ہوتے تھے تو روایت کا بعینہٖ ادا کرنا قریباً ناممکن ہوتا تھا۔ اسی ضرورت سے امام ابو حنیفہ نے اس طریقہ کو محدود کر دیا اور انصاف یہ ہے کہ ایسا کرنا ضروری تھا۔ سب سے زیادہ مہتم بالشان اور قابل بحث مسئلہ یہ ہے کہ روایت

روایت بالمعنی

بالمعنی جائز ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ ایسی روایت قطعاً قابل حجت ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ رہا ہے اور اب بھی ہے امام شافعی نے روایت کی ہے کہ بعض تابعین نے ایک حدیث متعدد صحابہ سے سُنی جبکہ سب نے مختلف لفظوں میں بیان کیا لیکن مطلب ایک تھا۔ اُنہوں نے کسی صحابہ سے یہ حقیقت بیان کی صحابی نے جواب دیا کہ جب معنی مختلف نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔" اگر امام شافعی نے تابعی کا نام نہ بتایا جس سے روایت کی قوت اور ضعف کا اندازہ ہو سکتا تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض صحابہ روایت بالمعنی جائز سمجھتے تھے اور اُس پر عمل کرتے بخلاف اس کے بعض صحابہ مثلاً عبد اللہ بن مسعود کو روایت باللفظ پر اصرار تھا علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں اُن کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ کہ وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو زجر کرتے تھے الفاظ کے ضبط میں بے پرواہی کریں" عبد اللہ بن مسعود جب کبھی بالمعنی روایت کرتے تھے تو ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کرتے تھے او مثلہ او نحوہ او شبیہ او فوق ذالک او دون ذالک او قریباً من ذالک یعنی رسول اللہ نے اس طرح فرمایا تھا یا اس کے مثل یا اس کے مشابہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کم یا اس کے قریب فرمایا تھا۔ ابو درداء کا بھی یہی حال تھا وہ حدیث بیان کر کے کہا کرتے تھے ہذا او نحو ہذا او شکلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگوں کو روایت سے منع کیا کرتے تھے اُنکا بھی غالباً یہی منشاء تھا۔ وہ جانتے تھے کہ الفاظ کم یاد رہ سکتے ہیں اور معنی کی عام اجازت میں تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے صحابہ کے دور کے بعد بھی یہ مسئلہ یکسو نہ ہوا تابعین کے دو گروہ تھے اور خود امام ابو حنیفہ کے اُستاد الاستاد روایت بالمعنی کے قائل تھے۔ آگے چلکر تو گویا اجماع اتفاق عام ہو گیا کہ روایت بالمعنی جائز ہے چنانچہ

[illegible]

اصول حدیث کی کتابوں میں جمہور کا یہی مذہب بیان کیا جاتا ہے مجتہدین میں صرف امام مالک اسکے خلاف ہیں۔ محدثین کا ایک گروہ جنمیں امام مسلم قاسم بن محمد، محمد بن سیرین۔ رجاء بن حیوۃ۔ ابو زرعہ سالم بن ابی الجعد عبد الملک بن عمیر داخل ہیں۔ روایت باللفظ پر عمل کرتا تھا لیکن عام محدثین جواز ہی کے قائل ہیں اور درحقیقت ایک ایسا فرقہ جس کا عام میلان ہر حالت میں کثرت روایت کی طرف ہو جواز ہی کا قائل ہو سکتا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ اکثر تابعین اور صحابہ نے بالمعنی حدیثیں روایت کیں اور اگر شروع سے یہ قید لگائی جائے تو روایت کا دائرہ اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ مسائل و احکام کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ روایت بالمعنی میں اصل روایت کا اصلی حالت پر قائم رکھنا اس قدر مشکل ہے کہ قریباً ناممکن ہے زبان کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ مرادف الفاظ بھی یکساں اثر نہیں رکھتے اور معنی کی حیثیتوں میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مجوزین نے مرادف وغیرہ کی قید بھی نہیں رکھی۔

اور ادائے مطلب کو نہایت عام وسعت دی ہے صحابہ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ کے الفاظ و مطالب کا اندازہ داں نہیں ہو سکتا تھا۔ اول تو وہ زباندان اور زبان کے عالم تھے۔ اس کے ساتھ شرف صحبت کی وجہ سے رسول اللہ کی طرز ادا، طریقہ گفتگو۔ انداز کلام۔ محاورے سخن سے خوب واقف تھے۔ تاہم کتب حدیث میں اسکی متعدد نظیریں ملتی ہیں کہ خود صحابہ سے ادائے مطلب میں کمی یا زیادتی ہوگئی۔

صحابہ سے ادائے مطلب میں کمی یا زیادتی ہوگئی اسکی مثالیں

ابن ماجہ میں روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے آنحضرت سے روایت کی ان المیت لیعذب ببکاء الحی اذا قالوا واعضداہ واکاسباہ واناصراہ واجبلاہ یعنی جب مردہ پر یہ الفاظ کہکر رویا جاتا ہے تو اس کو عذاب دیا جاتا ہے۔ کسی نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ ابن عمر یہ حدیث بیان کرتے تھے حضرت عائشہؓ نے کہا میں یہ نہیں کہتی کہ ابن عمر جھوٹ کہتے ہیں لیکن ان کو سہو ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عورت مر گئی اس کے گھر والے اس پر روتے تھے۔ آنحضرت نے سنا تو فرمایا کہ اس کے گھر والے رو رہے ہیں اور اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی لا تزر وازرة وزر اخرىٰ جس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ایک شخص کے فعل کا دوسرا شخص ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ گھر والے روتے ہیں تو ان کا قصور ہے مردہ نے کیا گناہ کیا ہے کہ اس پر عذاب کیا جاوے۔ دیکھو اس حدیث میں رسول اللہ نے یہودیہ عورت کا معذب ہونا بطور ایک واقعہ بیان کیا تھا۔ راوی نے روایت کو اس کا سبب قرار دیا اور حدیث کے یہ الفاظ بیان کئے کہ ان المیت لیعذب ببکاء الحی یعنی مردہ کو زندوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے

اسی طرح غزوہ بدر کے واقعہ میں عام روایت یہ ہے کہ رسول اللہ نے قلیب پر کھڑے ہو کر فرمایا ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا۔ لوگوں نے عرض کی کہ آپ مردوں سے خطاب فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ تم بھی ان لوگوں سے

لیا۔[۱] لیکن یہ واقعہ حضرت عائشہؓ کے سامنے بیان کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ الفاظ کہے تھے لقد علموا ان ما ادعوکم حق[۵۱] یعنے اُن لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ جس چیز کی میں نے دعوت کی تھی۔ وہ حق ہے دیکھو ان دونوں جملوں کے مفہوم میں کسقدر فرق ہے اور اس سے سماع موتیٰ کے مسئلہ پر کیسا مختلف اثر پڑتا ہے۔ غرض جب صحابہ سے اس قسم کے مسامحات واقع ہوتے تھے تو دوسرے اور تیسرے دور کا کیا ذکر ہے لطف یہ ہے کہ جو لوگ روایت بالمعنی کے قائل ہیں انہوں نے چند الفاظ مثلاً بتائے ہیں کہ انکو دوسرے لفظوں میں اس طرح ادا کر سکتے ہیں اور معنی میں مطلق فرق نہیں پیدا ہوگا۔ حالانکہ غور سے دیکھئے تو ان لفظوں کے اثر میں صاف تفاوت نظر آتا ہے۔ محدث سخاوی لکھتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے اقتلوا الاسودین الحیۃ والعقرب اب بجائے اسکے یہ کہہ سکتے ہیں کہ امر بقتلہما محدث سخاوی کے نزدیک اس مثال میں الفاظ کے اختلاف نے معنی میں کچھ فرق نہیں پیدا کیا حالانکہ اقتلوا اور امر بالقتل میں صریح تفاوت ہے اقتلوا اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن اس میں وہ تحتم اور تاکید نہیں ہے جو امر میں ہے امام ابوحنیفہ نے ان مشکلات کا اندازہ کر کے نہایت معتدل طریقہ اختیار کیا جو حدیثیں اُن کے زمانہ سے پہلے بالمعنی روایت ہو چکی تھیں اور محدثین میں شائع تھیں اُن کے قبول سے تو چارہ نہ تھا ورنہ روایت کا تمام دفتر بیکار ہو جاتا۔ اس لئے امام صاحب نے اُن حدیثوں کو قبول کیا لیکن یہ قید لگائی کہ روات حدیث فقیہ ہوں یعنے الفاظ کے اثر اور مطالب کی تعبیر سے واقف ہوں۔ گو تغیر مطالب کا احتمال اب بھی باقی رہتا ہے لیکن احادیث کا مدار (جیساکہ محدثین نے تصریح کر دی ہے) ظن غالب پر ہے اس لئے جب تک کوئی مخالف دلیل موجود نہ ہو روایت بالمعنی قابل عمل ہوگی۔ امام صاحب نے اُن احادیث کو بھی قبول کیا جن کے رواۃ ثقہ ہوں اور فقیہ نہ ہوں۔ لیکن ان کا درجہ پہلے کی بہ نسبت کم قرار دیا اور اُن میں اصول درایت کی زیادہ ضرورت سمجھی امام صاحب کے ان اصول سے اور ائمہ نے بھی اتفاق کیا۔ الفقیہ المحدث میں ہے کہ جو شخص مدلول الفاظ کو اچھی طرح نہیں سمجھتا اسکو روایت باللفظ ضروری ہے۔ البتہ جو شخص مطالب کا اندازہ داں ہے اُس کی نسبت اختلاف ہے۔ کثرت رائے اس طرف ہے کہ وہ الفاظ کا پابند نہیں[۱] لیکن امام ابوحنیفہ نے اس اجازت کو صحابہ اور تابعین تک محدود کر دیا اور لوگوں کے لئے روایت بالالفاظ کی قید لگائی اور امام طحاوی نے سند متصل اُن سے روایت کی ہے کہ صرف وہ حدیث روایت کرنی چاہیئے جو روایت کرنے کے وقت اُسی طرح یاد ہو جس طرح سننے کے وقت یاد تھی[۵۲]۔ ملا علی قاری اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ روایت بالمعنی

[۵۱] تاریخ کبیر علامہ ابوجعفر جریر طبری صفحہ ۱۳۳۲-۱۲

[۵۲] یعنی کہا گیا کہ روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہیں۔ محدثین و فقہا و اصولیین شافعیہ کا ایک گروہ اسی قول کا قائل ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ امام مالک کا صحیح مذہب یہی ہے ۱۲

روایہ
کے متعلّ
ابوحنی
۱۱

کو جائز نہیں رکھتے تھے" اس پابندی میں اگرچہ امام مالکؒ و بعض محدثین نے امام ابوحنیفہ سے اتفاق کیا
فتح المغیث میں ہے وقیل لا تجوز له الروایة بالمعنی مطلقا قاله طائفة من المحدثین والفقهاء والاصولیین من الشافعیة
وغیرهم قال القرطبی وهو الصحیح من مذهب مالک لیکن عام ارباب روایت اس سختی کے کیونکر پابند ہو سکتے تھے
چنانچہ ایک بڑے فرقہ نے مخالفت کی اور امام صاحب کو متشدد فی الروایۃ ٹھہرایا۔ تاہم انصاف یہ ہے
کہ جو اصول امام صاحب نے اختیار کیا وہ ضروری اور نہایت ضروری تھا۔ خود حدیث میں آیا ہے کہ نضر اللہ
امرأ سمع منا شیئا فبلغه کما سمعه یعنی رسول اللہ نے فرمایا کہ خدا اس شخص کو شاداب کرے جس نے ہم سے سنا اور
اسکو اسی طرح پہنچایا جیسا کہ ہم سے سنا تھا" اس سے زیادہ اس باب میں کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے صحابہ میں
سے جو لوگ روایت باللفظ کو غیر ضروری سمجھتے تھے ممکن ہے کہ یہ حدیث انکو نہ پہنچی ہو چنانچہ جن صحابہ کی نسبت
ثابت ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو سنا تھا۔ مثلاً عبد اللہ بن مسعود جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ الفاظ
کے پابند تھے۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں یہ حدیث عام ہو چکی تھی اسلئے انکو اسکی تعمیل میں کیا عذر ہو سکتا تھا

فن حدیث میں سب سے بڑا کام امام ابوحنیفہ نے یہ کیا کہ درایت کے اصول قائم کئے اور انکو احادیث کی تحقیق و
تنقید میں برتا۔ فن حدیث کی ایک شاخ یعنی روایت پر ہمارے علماء نے جسقدر توجہ کی اسکی کوئی نظیر دنیا کی گذشتہ اور
موجودہ تاریخ میں نہیں مل سکتی لیکن یہ افسوس ہے کہ اصول درایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا گیا حافظ ابن حجر
کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن میں بعض تصنیفیں لکھی گئیں لیکن وہ اس قدر کم اور غیر متعارف ہیں کہ گویا نہیں
ہیں اصول حدیث ایک مستقل فن بنگیا ہے اور بڑی بڑی کتابیں جو اس فن میں لکھی گئیں متداول ہیں لیکن انمیں
اصول درایت کے متعلق بہت کم واقفیت حاصل ہوتی ہے حالانکہ یہی اصول فن حدیث کے نہایت ضروری اجزا
ہیں یہ عزت صرف امام ابوحنیفہ کو حاصل ہے کہ جب اس فن کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اس وقت انکی نگاہ ان باریکیوں
پر پہنچی۔ بے شبہ صحابہ کی تاریخ میں جستہ جستہ اصول درایت کے آثار نظر آتے ہیں اور درحقیقت وہی امام ابوحنیفہ
کے لئے دلیل راہ بنے لیکن وہ باتیں عام مسائل کے ہجوم میں ایسی کم اور ناپید ہیں کہ بغیر امام کے لوگوں کی نگاہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی

روایت کی صحت و عدم صحت کا مدار ہمیشہ راویوں کے اعتبار و عدم اعتبار پر نہیں ہوتا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ
ایک واقعہ کی روایت جس سند سے بیان کی جاتی ہے اسکے تمام راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہوتے ہیں لیکن واقعہ صحیح
نہیں ہوتا۔ حدیث میں بھی اس کی سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ اسلئے ضرور ہے کہ صرف رواۃ کی بنا پر
احادیث کا فیصلہ نہ کیا جائے۔ بلکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ اصول درایت کے مطابق ہیں یا نہیں۔

درایت سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اس پر غور کی جائے کہ وہ طبیعت انسانی

۱؎ شرح امام اعظم از ملا علی قاری ص ۳۔ ۱۲

کے اقتضا۔ زمانہ کی خصوصیتیں منسوب الیہ کے حالات اور دیگر قرائن عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے اگر اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اس کی صحت بھی مشتبہ ہوگی یعنی یہ احتمال ہوگا کہ روایت کے تغیرات نے واقعہ کی صورت بدل دی ہے اس قسم کے قواعد حدیث کی تحقیق و تنقید میں بھی استعمال کئے جاتے ہیں اور انہیں کا نام اصول درایت ہے۔ علامہ ابن جوزی جو فن حدیث میں بڑا پایہ رکھتے تھے لکھتے ہیں۔ کہ جس حدیث کو تم دیکھو کہ عقل کے مخالف یا اصول کے مناقض ہے تو یہ سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے۔ اس میں راویوں کے تحقیق حال کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح وہ حدیث بھی موضوع ہے جو حس و مشاہدہ سے باطل ثابت ہو یا قرآن حدیث متواتر اجماع قطعی کے خلاف ہو اور قابل تاویل نہ ہو یا جس میں ایک معمولی سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا ذرا سے کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو۔ اس طرح کی حدیثیں واعظوں اور صوفیوں کی روایتوں میں بہت پائی جاتی ہیں[1]۔

امام ابو حنیفہ نے درایت کے جو اصول قائم کئے ان میں سے بعض ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

(۱) جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں[2]۔ یہ وہی قاعدہ ہے جس کو ابن جوزی نے تمام اصول درایت پر مقدم رکھا ہے۔ ابن جوزی چھٹی صدی میں تھے۔ اس وقت اسلامی علوم اوج کمال تک پہنچ گئے تھے اور فلسفیانہ خیالات کا اثر زیادہ عام ہو گیا تھا لیکن امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک مذہب میں عقل کا نام لینا ایک جرم عظیم تھا امام صاحب نے اول اول یہ قاعدہ قرار دیا اور روایات میں برتا تو سخت مخالفت ہوئی۔ اس قسم کی حدیثیں جن میں نا ممکن اور محال واقعات بیان کئے جاتے ہیں امام صاحب کے سامنے پیش کی جاتی تھیں تو وہ ان سے انکار کرتے تھے۔ یہ امر عام لوگوں پر گراں گزرتا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کے خیال میں روایات کی تحقیق و تنقید کا مدار صرف رواۃ کی حالت پر تھا۔ اصول درایت سے غرض نہ تھی۔ زمانہ مابعد میں اگرچہ یہ قواعد اصول حدیث میں داخل کر لیا گیا لیکن ارباب روایت نے اسکو بہت کم برتا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بیسیوں مزخرف اور دور از کار حدیثیں قبول عام کے شرف سے ممتاز ہیں۔

تلک الغرانیق العلیٰ کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہؐ کی زبان سے سورۂ نجم کی تلاوت

---

[1] ابن جوزی کے الفاظ جیسا کہ فتح المغیث میں منقول ہے یہ ہیں کل حدیث رایتہ یخالف المعقول او یناقض الاصول فاعلم انہ موضوع فلا تکلف اعتبارہ ای لا تعتبر رواتہ ولا تنظر فی جرحہم او یکون مما یدفعہ الحس والمشاھدۃ او مباینا لنص الکتاب او السنۃ المتواترۃ والاجماع القطعی حیث لا یقبل شئ من ذلک التاویل او تتضمن الافراط بالوعید الشدید علی الامر الیسیر او بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر وھذا الاخیر کثیر موجود فی حدیث القصاص والطرقیۃ۔

[2] اس اصول کو علامہ ابن خلدون نے مقدمۂ تاریخ میں امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے ۱۲۔

کے وقت) بتوں کی تعریف میں یہ الفاظ ادا ہوئے تلک الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجی۔ یعنی یہ بت
یہ بت بہت معزز ہیں اور اُن کی شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے" یہ الفاظ شیطان نے آنحضرت کی زبان
میں ڈال دیئے تھے چنانچہ تلاوت کے بعد جبرئیل آئے اور اُنہوں نے شکایت کی کہ میں نے تو یہ الفاظ
آپ کو نہیں سکھائے تھے۔ آپ نے کہاں سے پڑھ دیئے۔ اس حدیث کو امام صاحب کے موافق بعض
محدثین مثلاً قاضی عیاض۔ ابوبکر بیہقی وغیرہ نے غلط کہا لیکن محدثین کا ایک بڑا گروہ اس کو اب بھی صحیح
تسلیم کرتا ہے۔ متاخرین میں حافظ ابن حجر سے زیادہ نامور کوئی محدث نہیں گزرا۔ وہ بڑے زور شور سے
اس حدیث کی تائید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں اسلئے اسکی صحت سے انکار نہیں کیا
جاسکتا!!! اسی طرح رد الشمس کی حدیث کو جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی کی نماز عصر قضا ہوگئی تھی
اس لئے آنحضرت کی دعا سے آفتاب غروب ہونے کے بعد پھر طالع ہوا۔ محدث ابن جوزی نے جرأت کر کے
موضوع کہا لیکن حافظ ابن حجر و جلال الدین سیوطی وغیرہ نے نہایت شدت سے مخالفت کی۔ امام صاحب کے وقت
میں اس سے زیادہ مخالفتیں ہوئیں لیکن وہ ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتے تھے لیکن یہ یاد رکھنا
چاہیئے کہ لفظ عقل سے امام صاحب کی مراد وہ وسیع معنی نہیں ہیں جو آجکل کے تعلیم یافتہ لوگوں نے قرار
دیئے ہیں جنکی رو سے شریعت کے بہت سے اصلی مسائل برباد ہوئے جاتے ہیں۔

(۲) جو واقعات تمام لوگوں کو رات دن پیش آیا کرتے ہیں اُنکے متعلق اگر رسول اللہ سے کوئی ایسی روایت
منقول ہو جو اخبار احاد کے درجہ سے زیادہ نہ ہو تو وہ روایت مشتبہ ہوگی۔ یہ اصول اس بنا پر ہے کہ جو واقعات
تمام لوگوں سے متعلق تھے اسلئے صرف ایک آدھ شخص تک اس روایت کا محدود رہنا درایت کے خلاف ہے
اکثر مصنفین نے تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ ؒ اس روایت کو قبول نہیں کرتے جو قیاس کے مخالف
ہو۔ اگرچہ یہ قول محض بے اصل نہیں ہے لیکن اس کی تعبیر میں لوگوں نے اکثر غلطی کی ہے اور انہیں غلط تعبیرات
کا اثر ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت ارباب ظاہر میں بہت سی بدگمانیاں قائم ہوگئیں۔ ان لوگوں نے امام صاحب
کے مقصود و منشا پر کافی غور نہیں کی۔ اور یہ رائے قائم کر لی کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہیں
امام صاحب سے اس مسئلہ کے متعلق جو اقوال منقول ہیں وہ صریح اس دعوی کے خلاف ہیں۔ مسائل فقہ میں متعدد
مثالیں موجود ہیں جن میں امام ابوحنیفہ نے حدیث و اثر کی وجہ سے قیاس کو مطلقاً ترک کر دیا ہے
امام محمد اس مسئلہ میں کہ قہقہہ نماز کا ناقض وضو ہے امام ابوحنیفہ کی طرف استدلال کرتے ہیں
اور لکھتے ہیں۔ لولا ما جاء من الآثار کان القیاس علی ما قال اہل المدینہ ولکن لا قیاس مع اثر و
لا ینبغی الا ان ینقاد الآثار یعنی قیاس وہی ہے جو اہل مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے قیاس کوئی

نفقت
پاس

چیز نہیں اور صرف حدیث ہی کی پیروی کرنی چاہیے"[1] اس سے زیادہ اس باب میں کیا تصریح ہو سکتی ہے عقود الجمان
کے مصنف نے مختلف روایتوں سے امام ابوحنیفہ کے خاص اقوال نقل کئے ہیں کہ میں حدیث کے مقابلہ میں قیاس
کو دخل نہیں دیتا امام جعفر صادق سے امام صاحب کی جو گفتگو تھی اس میں بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے۔

ان تصریحات کو دیکھ کر بعضوں نے اس انتساب میں تخصیص کی اور دعویٰ کیا کہ جو حدیث قیاس جلی کے مخالف ہو
اس کو امام صاحب قبول نہیں کرتے عبد الکریم شہرستانی نے اصحاب الرائے کے بیان میں جہاں امام ابوحنیفہ
اور ان کے تلامذہ کا ذکر آیا ہے لکھا ہے کہ وربما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار یعنی یہ لوگ اکثر
قیاس جلی کو اخبار احاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ امام رازی نے بھی مناقب الشافعی میں اس کی جا بجا تصریح کی ہے
اور اس بنا پر امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں امام شافعی کی ترجیح کے وجوہ قائم کئے ہیں۔

میں نے بہت کچھ جد و جہد کی کہ اس مسئلہ کے متعلق امام حنیفہ کا کوئی صریح قول مل سکے لیکن نہ مل سکا۔ جن
لوگوں نے امام صاحب کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے غالباً صرف استنباط سے کام لیتے ہیں صریح قول
نہیں پیش کر سکتے بے شبہ حنفیوں کے اصول فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ وہ حدیث جس کے راوی فقیہ نہ ہوں
اور ہر طرح قیاس کے مخالف ہو قابل حجت نہیں لیکن یہ حنفیوں کا مسئلہ اصول نہیں ہے بلکہ صرف عیسیٰ
ابن ابان اور ان کے پیروؤں کی رائے ہے۔ ابوالحسن کرخی وغیرہ صریح اس کے مخالف ہیں اور صاحب
مسلم الثبوت نے اس قول کو ترجیح دی ہے تعجب اور سخت تعجب ہے کہ بغیر کسی ثبوت کے امام ابوحنیفہ کی طرف
یہ دعویٰ صرف اس اعتماد پر منسوب کر دیا گیا کہ فقہائے حنفیہ میں سے چند علماء اس کے قائل ہیں بہت بڑی مثال
بیع مصراۃ کی پیش کی جاتی ہے جس سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس مسئلہ میں صریح حدیث کے
ہوتے ہوئے قیاس کو مقدم رکھا ہے[1] لیکن ان مدعیوں کو معلوم نہیں کہ اس مثال میں قیاس کی تقدیم بعض علمائے حنفیہ کی
ذاتی رائے ہے امام صاحب سے اس کو کچھ واسطہ نہیں امام رازی نے مناقب الشافعی میں اپنی احتیاط کی کہ اس موقع پر امام
ابوحنیفہ کا نام نہیں لیا بلکہ اصحاب ابی حنیفہ لکھا لیکن ہم اس احتیاط میں بھی ان کو معذور نہیں سمجھتے کیونکہ یہ
رائے بعض حنفیوں کی ہے نہ سب کی امام رازی نے اصحاب کے لفظ سے جو تعمیم ظاہر کی وہ صحیح نہیں۔

بیع مصراۃ کی حدیث کو امام ابوحنیفہ نے قیاس کی بنا پر رد نہیں کیا بلکہ اس کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے امام
طحاوی نے معانی الآثار میں اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے وہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا مذہب لکھ کر
لکھتے ہیں۔ وذهبوا الى ان ما روی عن رسول اللہ فی ذلك مما قد تقدم ذکرنا له فی هذا الباب منسوخ یعنی یہ لوگ
اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ اس بارہ میں جو کچھ رسول اللہ سے روایت کیا گیا ہے وہ منسوخ ہے۔

---

[1] تعجب ہے کہ بڑے بڑے علماء یہاں تک کہ امام غزالی، امام رازی نے بھی امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ الزام لگایا اور بیع مصراۃ کی مثال پیش کی ۱۲

اس موقع پر ہم اس بحث کی تفصیل نہیں کر سکتے صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام صاحب نے قیاس کو ترجیح نہیں دی بلکہ نسخ کا دعوی کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے موقعوں پر نہایت دقیقہ بینی سے دیکھنا چاہیئے کہ جو اقوال امام صاحب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں وہ انسے ثابت بھی ہیں یا نہیں، متاخرین نے ان باتوں میں کم احتیاط کی ہے اسلئے ہمکو نہایت غور و تحقیق سے کام لینا ہے یہی بیع مصراۃ کی حدیث ہمیشہ اصول موضوعہ کے طور پر پیش کیجاتی ہے اور اسسے ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے تھے لیکن ذرا تحقیق سے کام تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام شور و غل کی کچھ اصل نہیں بخلاف اسکے نہایت قوی ذریعہ سے امام ابوحنیفہ کی تصریحات ثابت ہیں کہ وہ حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کا مطلق اعتبار نہیں کرتے تھے امام محمد اس بحث کے ذیل میں کہ جو شخص رمضان میں بھول کر کچھ کھا پی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور قضا نہیں لازم آتی حدیث پر استدلال کر کے لکھتے ہیں کہ آثار کے ہوتے ہوئے کچھ چیز نہیں پھر امام ابوحنیفہ کا خاص قول نقل کرتے ہیں کہ لولا ماجاء فی ھذا الاثار لامرت بالقضا یعنی اگر اس بارہ میں آثار موجود نہ ہوتے تو میں قضا کا حکم دیتا[1]۔

صریح کی ہے کہ دو حدیث کے مقابلہ میں قیاس کا اعتبار نہیں کرتے تھے

ہاں یہ ضرور ہے کہ احادیث کے ثبوت کے متعلق امام ابوحنیفہ کی شرطیں نہایت سخت ہیں جبتک وہ شرطیں پائی نہ جائیں وہ حدیث کو قابل استدلال نہیں سمجھتے لیکن ان شرطوں کے ساتھ حدیث ثابت ہو تو انکے نزدیک پھر قیاس کوئی چیز نہیں جس حد تک ہم تحقیق کر سکے امام ابوحنیفہ نے قیاس فقہی کو حدیث پر ہرگز مقدم نہیں کہا لیکن انکے زمانہ تک قیاس کا لفظ نہایت وسیع معنوں میں مستعمل تھا اور ان معنوں کے لحاظ سے امام صاحب نے قیاس کو حدیثوں میں دخل دیا ہے مسائل اور احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہو گئے تھے ایک کا خیال تھا کہ شرعی احکام مصلحت اور اقتضائے عقل پر مبنی نہیں ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حسن و قبح اشیاء عقلی نہیں ہے۔ دوسرے فریق کی رائے تھی کہ تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں جن میں سے بعض کی مصلحتیں صاف نمایاں ہیں اور خود شارع کے کلام سے اسکے اشارے پائے جاتے ہیں بعض ایسے ہیں جن کی مصلحت ہمکو معلوم نہیں لیکن فی الواقع وہ مصالح سے خالی نہیں اس اختلاف رائے نے حدیثوں کی روایت پر مختلف اثر پیدا کئے بعض لوگ جب کسی حدیث کو سنتے تھے تو صرف یہ دیکھ لیتے تھے کہ اسکے راوی ثقہ ہیں یا نہیں اگر ان کے خیال کے موافق قابل حجت ہیں تو پھر انکو کوئی بحث نہیں ہوتی تھی اور بے تکلف اس حدیث کو قبول کر لیتے تھے دوسرا فریق جو حسن و قبح عقلی کا قائل تھا یہ بھی دیکھتا تھا کہ جو مسئلہ در حقیقت حدیث سے مستنبط ہوتا ہے وہ عقل و مصلحت کے موافق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو وہ حدیث کی زیادہ تحقیق و تنقید کیطرف مائل ہوتے تھے وہ دیکھتے تھے کہ راوی فہم و درایت کی

[1] کتاب الحج امام محمد ۱۲۔

لحاظ سے کیا پایہ رکھتے ہیں روایت باللفظ ہی یا بالمعنی۔ موقع حدیث کیا تہا کون لوگ مخاطب تھے کیا حالت تھی غرض اس قسم کے اسباب اور وجوہ پر غور کرتے تھے ان باتوں سے اکثر اصل حقیقت کا پتہ لگ جاتا تہا۔

یہ طرز تحقیق خود صحابہ کے زمانہ میں قائم ہو چکا تہا۔ صحیح ابن ماجہ و ترمذی میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ سے حدیث روایت کی کہ توضؤا مما غیرت النار یعنی جس چیز کو آگ نے متغیر کر دیا ہو اسکے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی بنا پر بعض مجتہدین قائل ہیں کہ گوشت کہانے سے وضو لازم آتا ہے۔ ابوہریرہ نے جب یہ حدیث بیان کی تو عبداللہ بن عباس موجود تھے بولے کہ اتوضا من الحمیم یعنی اس بنا پر تو گرم پانی استعمال سے بھی وضو لازم آتا ہے۔ ابوہریرہ نے کہا اے برادر زادہ! جب رسول اللہ سے کوئی روایت سنو تو اس پر مثالیں نہ کہو۔ لیکن عبداللہ بن عباس اپنی رائے پر قائم رہے حضرت عائشہ نے ابن عمر کی اس حدیث پر ان المیت یعذب ببکاء اھلہ جو اعتراض کیا تہا اسی طرز تحقیق پر مبنی تہا صحابہ کے حالات میں اس قسم کی متعدد مثالیں ملتی ہیں جن کا استقصا اس موقع پر ضروری نہیں۔

امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک تہا اور اسی کو لوگوں نے قیاس کے لفظ سے شہرت دی اس مسئلہ پر کہ احکام شریعت مصالح پر مبنی ہیں۔ اس موقع پر ہم تفصیلی گفتگو نہیں کر سکتے شاہ ولی اللہ صاحب کی بینظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ اس بحث کے لئے کافی و وافی ہے یہاں صرف اس قدر کہنا ضرور ہے کہ علمائے اسلام میں جو لوگ عقل و نقل دونوں کے جامع تھے مثلاً امام غزالی عز الدین عبد السلام شاہ ولی اللہ وغیرہ ان لوگوں کا یہی مسلک تہا امام ابوحنیفہ احادیث کی تنقید میں اس اصول کو ضروری طور پر ملحوظ رکھتے تھے دو متعارض حدیثیں جو روایت کی حیثیت سے یکساں نسبت رکھتی تہیں انہیں وہ اس حدیث کو ترجیح دیتے تھے جو اصول مذکور کے موافق ہو۔

امام صاحب نے بعض موقعوں پر محض اس اصول کی مخالفت کی وجہ سے بعض حدیثوں کے تسلیم میں تامل کیا ہے انکی اصطلاح میں یہ ایک علت خفیہ ہے محدثین نے اقسام حدیث میں ایک قسم معلل قرار دی ہے جسکی یہ تعریف کی ہے کہ حدیث میں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں اور وہ قابل استدلال نہیں ہوتی اس قسم کی حدیثوں کی تمیز پر محدثین کو نہایت فخر ہے اور وہ اسکو ایک قسم کا الہام سمجھتے ہیں علی ابن المدینی جو امام بخاری کے استاد اور بہت بڑے مشہور محدث تھے انکا قول ہے کہ ھی الہام ولو قلت للقیم بالتعلل من این لک ھذا لم یکن لہ حجۃ[1] یعنی یہ الہام ہے اور اگر تم ماہر علل سے پوچھو کہ تم نے کیونکر اسکو معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا محدث ابو حاتم سے ایک شخص نے چند حدیثیں پوچھیں انہوں نے بعض کو مدرج بعض کو باطل بعض کو منکر بعض کو صحیح بتایا پوچھنے والے نے کہا کہ آپکو کیونکر معلوم ہوا کیا راوی نے آپکو ان باتوں

[1] فتح المغیث ۹۸۔ ۱۲

مبنی ہیں جنکی نسبت عموماً تسلیم کیا گیا ہے۔ فہم الصحابی لیس بحجۃ یعنی صحابی کی سمجھ کوئی دلیل نہیں
اسی بنا پر بعض علما نے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ الفاظ رفع و اتصال کیلئے کافی نہیں ہیں امام شافعی ابن
حزم ظاہری ابوبکر رازی اور دیگر محققین نے صحابہ کے اس قول کو کہ "یہ فعل سنت ہے" حدیث مرفوع
نہیں قرار دیا کتب سیر و احادیث میں بیسیوں مثالیں ملتی ہیں جہاں صحابی نے یہ الفاظ استعمال کئے اور
وہ حدیث نبوی نہ تھی بلکہ خود انکا قیاس و اجتہاد تھا لیکن اکثر محدثین نے ان حدیثوں کو مرفوع کہا اس
خیال نے یہ آفت پیدا کی کہ اس کی بنا پر بعض رواۃ نے صریح مرفوع الفاظ میں حدیثوں کی روایت کردی
جس کی وجہ سے ایک عام شبہہ پیدا ہو گیا۔

معنعن روایتوں میں اتصال کا ثابت ہونا نہایت مشکل ہے حالانکہ اس قسم کی روایتیں کثرت سے ہیں
امام بخاری کا مذہب ہے کہ معنعن حدیثوں میں اگر یہ ثابت ہو کہ راوی اور مروی عنہ دونوں ہمزمان اور کبھی
ملے بھی تھے تو وہ حدیث متصل سمجھی جائیگی امام مسلم حالانکہ امام بخاری کے شاگرد اور زیادہ انہیں کے
طریقے کے پیرو تھے تاہم انہوں نے نہایت سختی سے اس شرط کی مخالفت کی اور صرف ہمزمان ہونا کافی سمجھا[1]
اس اختلاف کا یہ نتیجہ ہے کہ امام بخاری کے اصول کے موافق امام مسلم کی وہ تمام معنعن روایتیں جن
میں لقا نہیں ثابت ہے مقطوع ہیں حالانکہ امام مسلم ان کو متصل سمجھتے ہیں اور اس پر ان کو یہاں
تک اصرار ہے کہ اپنے مخالف کو سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں امام مسلم نے تو زیادہ توسیع کی لیکن امام بخاری
کی شرط کے موافق بھی معنعن روایت میں اتصال کا ثبوت محض ظنی ہے یہ کچھ ضرور نہیں کہ دو شخص ہمزمان
اور ہم لقا ہوں تو انکی روایتیں ہمیشہ بالذات ہوں جہاں حدثنا اور اخبرنا ہوگا وہاں ایسا ہونا البتہ
ضرور ہے لیکن اگر یہ الفاظ نہیں ہیں اور راوی نے عن کے لفظ سے روایت کی ہے تو اتصال کا خیال قیاس
غالب ہوگا لیکن یقینی نہ ہوگا حدیث و سیر میں بیسیوں مثالیں ملسکتی ہیں کہ دو راوی ایک زمانہ میں تھے اور آپس میں
ملاقات بھی تھی تاہم ایک نے دوسرے سے بعض روایتیں بواسطہ کیں روزمرہ کے تجربہ سے اسکی سینکڑوں شہادتیں ملتی ہیں

سب سے بڑا ضروری اور اہم مسئلہ رجال کی تنقید ہے اخبار احاد کا تمام تر مدار رجال پر ہے لیکن رجال کی تنقید
و توثیق ایسا ظنی مسئلہ ہے جس کا قطعی فیصلہ نہایت مشکل اور قلیل الوجود ہے ایک شخص کو بہت سے لوگ نہایت
ثقہ نہایت متدین نہایت راستباز سمجھتے ہیں اسی شخص کو دوسرے اشخاص عندالروایۃ غیر ثقہ
ناقابل اعتبار خیال کرتے ہیں لطف یہ ہے کہ دونوں فریق اس رتبے کے ہوتے ہیں جنکی عظمت و شان سے
انکار نہیں کیا جاسکتا امام بخاری و مسلم میں گو ایسا سخت اختلاف نہیں تاہم بہت سی رواۃ ہیں جن کو

[1] دیکھو مقدمہ صحیح مسلم ۱۲

ان دونوں اماموں سے ایک قابل حجت سمجھتا ہے اور دوسرا نہیں سمجھتا۔ علامہ نووی نے مقدمہ شرح صحیح مسلم میں بعضوں کے نام بھی لکھتے ہیں اور محدث حاکم کی کتاب المدخل سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد جن سے امام مسلم نے مسند صحیح میں احتجاج کیا ہے اور امام بخاری نے جامع صحیح میں انسے حجت نہیں لی ۶۲۵ ہے۔

میزان الاعتدال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں رواۃ ہیں جنکی جرح وتعدیل مختلف فیہ ہے اور ایسا ہونا ضرور تہا کسی شخص کے ان تمام اوصاف وعادات پر مطلع ہونا جن کا اثر روایت کی قوت وضعف پر پڑ سکتا ہے۔ مدتوں کی ملاقات اور تجربہ پر موقوف ہے جو لوگ جرح وتعدیل کے کام میں مصروف تھے سینکڑوں ہزاروں راویوں سے ایسی عمیق واقفیت کیونکر حاصل کر سکتے تھے اسی لئے مختلف قرائن ظاہری آثار عام شہرت سمعی روایتوں سے کام لینا پڑتا تھا۔ اور بہت کم قطعی فیصلہ ہو سکتا تھا۔ اگرچہ محدثین نے ان تعارضات کے رفع کرنیکے لئے اصول قرار دیئے ہیں لیکن وہ اصول خود اجتہادی اور مختلف فیہ ہیں اسکے علاوہ متعدد موقعوں پر محدثین کو خود اپنے اصول سے انحراف کرنا پڑتا ہے جرح کو عموماً تعدیل پر مقدم مانا گیا ہے لیکن بہت سی رواۃ ہیں جنکی نسبت اس قاعدہ کی پابندی نہیں کی جاتی محمد بن بشار المصری احمد بن صالح مصری۔ عکرمہ مولی ابن عباس کی نسبت مفصل جرحیں موجود ہیں تاہم ان جرحوں کا اعتبار نہیں کیا جاتا تعجب یہ ہے کہ جارحین و معدلین دونوں ائمہ فن ہوتے ہیں اور ان کی رایوں میں اس قدر اختلاف ہوتا ہے جس سے سخت تعجب پیدا ہوتا ہے جابر جعفی کوفی ایک مشہور راوی ہے جس کو دعوی تہا کہ مجکو پچاس ہزار حدیثیں یاد ہیں اسکی نسبت ائمہ جرح وتعدیل کی یہ رائیں ہیں

سفیان کا قول ہے کہ میں نے جابر سے زیادہ محتاط حدیث میں نہیں دیکھا شعبہ کہتے ہیں کہ جابر جب اخبرنا حدثنا کہیں تو وہ اوثق الناس ہیں۔ امام سفیان ثوری نے شعبہ سے کہا کہ اگر تم جابر جعفی میں گفتگو کروگے تو میں تم میں گفتگو کرونگا۔ وکیع کا قول ہے کہ تم لوگ اور کسی بات میں شک کرو تو کرو لیکن اسبات میں کچھ شک نہ کرو کہ جابر جعفی ثقہ ہیں اسکے مقابلہ میں اور ائمہ فن کی رائیں ہیں جنکے یہ الفاظ ہیں کہ وہ متروک ہے کذاب ہے وضاع ہے چنانچہ آخیر فیصلہ جو پچھلے محدثوں نے کیا وہ یہی ہے کہ جابر کی روایت قابل اعتبار نہیں۔

اس سے یہ غرض نہیں کہ جرح وتعدیل کا فن ناقابل اعتبار ہے بلکہ یہ مقصود ہے کہ جن وسائل اور طریق سے رجال کے حالات قلمبند کئے گئے اور کئے جا سکتے تھے ان کا مرتبہ ظن غالب یا محض ظن سے فائق نہیں ہو سکتا اس لئے اس پر یقینیات اور قطعیات کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی۔

ان امور کے بعد تادیہ معنی کی بحث باقی رہتی ہے مثلاً ایک حدیث تمام محدثین اور مجتہدین کے اصول کے موافق متصل بھی ہے رواۃ بھی ثقہ ہیں شذوذ بھی نہیں ہے لیکن یہ بحث اب بھی باقی ہے کہ راوی نے اداے مطلب کیونکر کیا؟ موقع اور محل روایت کی تمام خصوصیتیں ملحوظ رکھیں یا نہیں؟ فہم مطلب یا طریقہ ادا میں تو کوئی غلطی نہیں کی

چونکہ یہ مسلم ہے کہ حدیثیں اکثر بالمعنی روایت کیگئی ہیں اسلئے ان احتمالات کو زیادہ قوت ہوجاتی ہے صحابہ کے زمانہ میں کسی روایت کی صحت سے انکار کیا جاتا تہا تو اسی بنا پر کیا جاتا تہا ورنہ یہ ظاہر ہے کہ صحابہ عموماً ثقہ تھے اور ان کی روایت میں انقطاع کا کوئی احتمال نہ تہا صحیح مسلم باب التیمم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر سے مسئلہ دریافت کیا کہ مجکو غسل کی حاجت ہوئی اور پانی نہ مل سکا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز نہ پڑہو عمار موجود تھے انہوں نے اس مسئلہ کے متعلق رسول اللہ سے ایک روایت بیان کی اور کہا کہ اس موقع پر آپ بھی موجود تھے حضرت عمرؓ نے کہا اتق اللہ یا عمار یعنی اے عمار خدا سے ڈرو" یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ عمار کو کاذب الروایۃ نہیں سمجھتے تھے لیکن اس احتمال پر کہ شاید ادائے مطلب میں غلطی ہوئی یہ الفاظ فرمائے چنانچہ عمار نے کہا کہ اگر آپکی مرضی نہو تو میں یہ حدیث نہ روایت کیا کروں" اخبار احاد کی بحث کو ہمنے قصداً اسلئے طول دیا کہ محدثین زیادہ تر اسی مسئلہ کی وجہ سے امام ابوحنیفہ پر رد و قدح کرتے ہیں حالانکہ امام صاحب کا مذہب نہایت تحقیق اور دقت پر مبنی ہے۔

یہ تمام احتمالات اور اجتہادات اخبار واحاد کے ساتھ مخصوص ہیں متواتر اور مشہور میں ان بحثوں کا مساغ نہیں انہیں وجوہ اور اسباب سے اخبار احاد کے متعلق مختلف رائیں پیدا ہوگئیں۔ معتزلہ نے تو سرے سے انکار کیا انکے مقابلہ میں بعض محدثین نے یہ شدت کی کہ خبر واحد کو قطعی قرار دیا صرف یہ شرط لگائی کہ رواۃ ثقہ ہوں اور انقطاع و شذوذ و علت نہو۔ بعض محدثین اگرچہ اصول کے طور پر اخبار احاد کو ظنی کہتے ہیں۔ لیکن جزئیات احکام اور مسائل اعتقادی میں اس کا خیال نہیں رکھتے امام ابوحنیفہ نے اس بحث میں جو مسلک اختیار کیا وہ نہایت معتدل اور انکی دقت نظر کی بہت بڑی دلیل ہے انہوں نے نہ معتزلہ کی طرح سرے سے انکار کیا نہ ظاہریوں کیطرح حسن اعتقادی سے اسکی قطعیت تسلیم کی امام صاحب کی یہ رائے بڑے بڑے صحابہ کی رائے کے موافق ہے حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ عبداللہ مسعود نے متعدد موقعوں پر خبر واحد کی تسلیم میں تردد کیا ہے جس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اخبار احاد کو قطعی نہیں سمجھتے تھے فاطمہ بنت قیس نے جب حضرت عمرؓ کے سامنے رسول اللہ سے روایت کی کہ لا سکنی ولا نفقۃ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا لا نترك كتاب الله بقول امرأة لا ندری صدقت ام کذبت یعنی "ایک عورت کی روایت کی بنا پر جسکی نسبت معلوم نہیں کہ اسنے غلط کہا یا صحیح ہم کتاب الہی کو چھوڑ نہیں سکتے" فقہی احکام میں اس قاعدہ متعدد تفریعیں ہیں مثلاً یہ کہ اخبار احاد سے کسی حکم کا فرض ہونا نہیں ثابت ہوسکتا کیونکہ فرضیت ثبوت قطعی کی محتاج ہے البتہ اس سے ظن غالب پیدا ہوتا ہے اسلئے وجوب تسنن استحباب ثابت ہوسکتا ہے اسی بنا پر نماز میں قرأۃ فاتحہ کو امام شافعی فرض سمجھتے ہیں اور امام ابوحنیفہ واجب اس اصول پر بہت سے احکام متفرع ہیں۔

فقہ سے زیادہ اس قاعدہ کا اثر علم کلام پر پڑتا ہے اور یہی چیز ہے جسنے ایک زمانہ کو امام ابوحنیفہ کا مخالف بنادیا تھا امام صاحب نے مذکورہ بالا قاعدہ کی بنا پر یہ اصول قرار دیا تہا کہ جو مسائل عقائد اسلام میں متفق علیہ ہیں انکے خلاف اخبار احاد قابل

اعتبار نہیں مثلاً انبیا کی عصمت اہل حق کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے اِسکے برخلاف جن روایتوں سے انبیا کا مرتکب
کبائر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے اصول کے موافق وہ روایتیں قابل اعتبار نہیں اس اصول کی بنا
پر بہت سے اشکالات سے جو ملاحدہ پیش کرتے ہیں نجات ملتی ہی لیکن افسوس ہی کہ اکثر ارباب روایت نے اس عمدہ
اصول کی قدر نہ کی بلکہ اُلٹی اُسکی مخالفت کی۔ علامہ ابن عبدالبر نے جو مشہور محدث ہیں کتاب العلم میں لکہا ہی کان

یعنی اخبار احاد میں امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب تہا کہ اصول متفق علیہ کے خلاف ہو تو قابل
قبول نہیں اسپر اصحاب حدیث نے اُن کی مخالفت کی اور افراط کو پہنچا دیا۔

محدثین اور امام ابوحنیفہ کے اصول میں عملاً یہ فرق ہی کہ جو حدیث اصول متفق علیہ کے خلاف ہوتی تہی محدثین اُسکی
صحت کو تسلیم کرکے تاویل سے کام لیتے تہے حالانکہ اکثر جگہ محض بارد تاویل ہوتی تہی بخلاف اسکے امام صاحب
اس طرف مائل ہوتے تہے کہ چونکہ وہ حدیث متواتر اور مشہور نہیں ہی اسلیئے ممکن ہے کہ رواۃ نے غلطی یا مسامحت
کی ہو۔ امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں ایک بحث لکہی ہی جو اس موقع کی ایک عمدہ مثال ہی وہ لکہتے ہیں
کہ ایک شخص سے میں نے کہا کہ یہ حدیث جس میں بیان کیا گیا ہی کہ حضرت ابراہیم تین بار جہوٹ بولے (ما کذب ابراہیم
الا ثلث کذبات) صحیح نہیں۔ کیونکہ اس سے حضرت ابراہیم کا (نعوذ باللہ) کاذب ہونا لازم آتا ہی۔ اُس شخص نے
کہا کہ اس حدیث کے رواۃ ثقہ ہیں انکو کاذب کیونکر کہا جاسکتا ہے میں نے جواب دیا کہ حدیث کو صحیح مانیں تو حضرت ابراہیم کا
کذب لازم آتا ہی اور غلط تسلیم کریں تو راوی کا کذب ماننا پڑتا ہی لیکن یہ بدیہی بات ہی کہ حضرت ابراہیم کو راوی
پر ترجیح ہے" امام رازی کا استدلال امام ابوحنیفہ کے اسی خیال پر مبنی ہی یعنی چونکہ انبیا کا معصوم اور صادق ہونا متفق
علیہ ہے اسلیئے خبر واحد اسکے متعارض نہیں ہوسکتی۔ افسوس ہے کہ محدث قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں استدلال کو نقل کرکے لکہتے ہیں کہ جب
رواۃ ثقہ ہیں تو حدیث کو بہرحال صحیح ماننا چاہیئے۔ اسی اصول پر امام صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم
ہر سورہ کے شروع میں جزو قرآن نہیں۔ امام شافعی اور بعض محدثین اسکے خلاف ہیں مسند میں جو حدیثیں پیش کرتے ہیں
امام ابوحنیفہ کی طرف سے یہ جواب ہی کہ قرآن تواتر سے ثابت ہی اور جو تواتر سے ثابت ہی وہی قرآن ہے اخبار
احاد سے قرآن نہیں ثابت ہوسکتا اسی طرح امام صاحب کے اصول کے مطابق وہ روایتیں قابل اعتبار نہیں جن
میں عبداللہ بن مسعود کی طرف معوذتین کا انکار منسوب کیا گیا ہی حافظ ابن حجر نے ان روایتوں کو صحیح تسلیم کیا ہی
اور کہا ہے کہ روایت سے انکار نہیں کرنا چاہیئے کہ معوذتین متواتر نہیں ہیں۔ یا تو انکار نہ کرنا ہوگا کہ رسول اللہ
کے اصحاب کو بہی اُس سے واقف ہونا ضرور نہ ہوا امام صاحب کے اس اصول کے مطابق اسلام کا دائرہ اس قدر وسیع
ہوتا ہی جسقدر کہ آجکل ہونا چاہیئے بخلاف اسکے اور لوگوں کی رائے کے مطابق اُسکی وسعت نقطہ سے

یہی حکم رہجاتا ہے مثلاً یہ مسلم اور یقینی ہے کہ جو شخص توحید اور نبوت کا قائل ہے اور دل سے اسپر اعتقاد رکھتا ہے وہ قرآن مجید کی نص کے مطابق مسلمان ہے اب اسکے مقابلے میں وہ حدیثیں جو قطعی الثبوت نہیں ہیں اور جنمیں بہت سے خارجی امور پر کفر کا حکم دیا گیا ہے کچھ اثر نہیں پیدا کر سکتیں اسی بنا پر امام صاحب معتزلہ قدریہ جہمیہ وغیرہ کو کافر نہیں کہتے تھے اور اس قسم کی حدیثوں کا کہ بہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ بہشتی ہے اور باقی دوزخی اعتبار نہیں کرتے تھے لیکن بہت سے ظاہر بینوں نے ان حدیثوں کا یہ رتبہ قائم کیا کہ ان کی بنا پر بات بات پر کفر کے فتوے دیئے یہاں تک کہ جو شخص وضع قطع میں ذرا بھی کسی دوسرے کے مشابہ ہو جائے وہ کافر ہے خود متاخرین حنفیہ نے امام صاحب کے اس عمدہ اصول کو نظر انداز کر دیا اور سیکڑوں ہزاروں مسئلے کفر کے ایجاد کر دیئے جنکی تفصیل سے فقہ کی کتابیں مالا مال ہیں۔

فقہ

اسلامی علوم مثلاً تفسیر، حدیث، مغازی کی ابتدا اگرچہ اسلام کیساتھ ساتھ ہوئی لیکن جس وقت تک انکو فن کی حیثیت نہیں حاصل ہوئی وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہیں ہوئے دوسری صدی کے اوائل میں تدوین و ترتیب شروع ہوئی ہے اور جن لوگوں نے تدوین و ترتیب کی وہ ان علوم کے بانی کہلائے چنانچہ بانی فقہ کا لقب امام ابوحنیفہ کو ملا جو درحقیقت اس لقب کے سزاوار تھے اگر ارسطو علم منطق کا موجد ہے تو بے شبہ امام ابوحنیفہ بھی علم فقہ کے موجد ہیں۔ امام صاحب کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہی ہے اس لیئے ہم اسپر تفصیلی بحث کرنی چاہتے ہیں لیکن اصل مقصد سے پہلے ضرور ہے کہ مختصر طور پر ہم علم فقہ کی تاریخ لکھیں جس سے ظاہر ہو کہ یہ علم کب شروع ہوا اور کیونکر شروع ہوا؟ اور خاصکر یہ کہ امام ابوحنیفہ نے جب اسکو پایا تو اسکی کیا حالت تھی۔

فقہ کی تاریخ

فقہ کی تاریخ پر شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے جس کا انتخاب ہمارے لئے کافی ہے وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے زمانہ میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے یہ واجب ہے یہ مستحب ہے۔ صحابہ آپکو دیکھکر اسی طرح وضو کرتے تھے نماز کا بھی یہی حال تھا یعنی صحابہ فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھ لی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا لیکن انہوں نے رسول اللہ کی تمام زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے جو سب قرآن میں مذکور ہیں البتہ جو واقعات غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے انمیں لوگ آنحضرت سے استفتا کرتے [illegible] [illegible] لوگوں نے [illegible] کیا اور آپ نے [illegible] کی [illegible] ظاہر کی [illegible] آنحضرت [illegible] لوگ [illegible]

آنحضرت کی وفات کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کر دیا۔ اب بحث یہ پیش آئی کہ نماز ہوئی یا نہیں؟ اس بحث کی پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جسقدر اعمال ہیں سب کو فرض کہدیا جاتا صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں کتنے مسنون اور مستحب اس تفریق کیلئے جو اصول قرار دیئے جا سکتے تھے ان پر تمام صحابہ کی رایوں کا متفق ہونا ممکن نہ تھا اس لئے مسائل میں اختلاف آرا ہوا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کی مختلف رائیں قائم ہوئیں بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں انکا عین و اثر بھی پایا گیا تھا صحابہ کو ان صورتوں میں استنباط تفریع حمل النظیر علی النظیر قیاس سے کام لینا پڑا ان اصول کے طریقے یکساں نہ تھے اس لئے ضروری اختلاف پیدا ہوئے غرض صحابہ ہی کے زمانہ میں احکام اور مسائل کا ایک دفتر بن گیا اور جدا جدا طریقے قائم ہو گئے صحابہ میں سے جن لوگوں نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا اور مجتہد یا فقیہ کہلائے انہیں سے چار بزرگ نہایت ممتاز تھے عمرؓ علیؓ۔ عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن عباس حضرت علی و عبداللہ بن مسعود زیادہ تر کوفہ میں رہے اور وہیں انکے احکام کی زیادہ ترویج ہوئی۔ اس تعلق سے کوفہ فقہ کا دارالعلوم بنگیا جسطرح کہ حضرت عمر و عبداللہ بن عباس کے تعلق سے حرمین کو دارالعلوم کا لقب حاصل ہوا تھا۔

مجتہدین صحابہ

حضرت علیؓ

حضرت علی بچپن سے رسول اللہ کی آغوش تربیت میں پلے تھے اور جس قدر انکو آنحضرت کے اقوال و افعال سے مطلع ہونیکا موقع ملا تھا کسی کو نہیں ملا تھا ایک شخص نے انسے پوچھا کہ آپ اور صحابہ کی نسبت کثیر الروایہ کیوں ہیں؟ فرمایا کہ میں آنحضرت سے کچھ دریافت کرتا تھا تو بتاتے تھے اور چپ رہتا تھا تو خود ابتدا کرتے تھے اسکے ساتھ ذہانت قوت استنباط ملکہ استخراج ایسا بڑھا ہوا تھا کہ عموماً صحابہ اعتراف کرتے تھے حضرت عمرؓ کا عام قول تھا کہ خدا نکرے کہ مشکل مسئلہ آن پڑے اور علیؓ موجود نہوں، عبداللہ بن عباس خود مجتہد تھے مگر کہا کرتے تھے کہ جب ہمکو علیؓ کا فتویٰ ملجائے تو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

عبداللہ بن مسعود

عبداللہ بن مسعود بھی حدیث و فقہ دونوں میں کامل تھے رسول اللہ کے ساتھ جسقدر جلوت و خلوت میں ہمدم و ہمراز رہے تھے بہت کم لوگ رہے ہونگے۔ صحیح مسلم میں ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک مدینہ میں رہے۔ ہم نے عبداللہ بن مسعود کو رسول اللہ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ان کو [illegible] سمجھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جسکی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کس باب میں اتری ہے، اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اسکے پاس سفر کرکے جاتا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ انہوں نے ایک مجمع میں دعویٰ کیا کہ تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں [illegible] جلسہ میں موجود تھے کہتے ہیں کہ

اس واقعہ کے بعد میں اکثر صحابہ کے حلقوں میں شریک ہوا لیکن کسی کو عبد اللہ بن مسعودؓ کے دعویٰ کا منکر نہیں پایا۔
عبد اللہ بن مسعودؓ باقاعدہ طور پر حدیث و فقہ کی تعلیم دیتے تھے اور انکی درسگاہ میں بہت سے تلامذہ کا مجمع رہتا
تھا جنمیں سے چند شخص یعنی اسود، عبیدہ، حارث، علقمہ نہایت نامور اور مشہور تھے علقمہ رسول اللہ کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے
اور حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عائشہؓ، سعدؓ، حذیفہؓ، خالد بن الولیدؓ، خبابؓ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت
کیں تھیں لیکن خاصکر عبد اللہ بن مسعودؓ کی صحبت میں اس التزام سے رہے تھے اور انکے طور و طریقہ کے اسقدر قدم بقدم چلتے تھے
کہ لوگوں کا قول تھا کہ جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اس نے عبد اللہ بن مسعود کو دیکھ لیا خود عبد اللہ بن مسعود کا
قول تھا کہ جس قدر علقمہ کی معلومات ہیں میری معلومات اس سے زیادہ نہیں ہیں اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ
صحابہ ان سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے عبد اللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں میں اگر کوئی شخص علقمہ کا ہمسر تھا تو اسود تھے

ابراہیم نخعی

علقمہ و اسود کے انتقال کے بعد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے اور فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہانتک کہ انکو فقیہ العراق
کا لقب ملا علم حدیث میں اس پایہ کو پہنچے تھے کہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے امام شعبی نے جو علامۃ التابعین کے لقب سے ممتاز ہیں
انکی وفات کے وقت کہا کہ "ابراہیم نے کسی کو نہیں چھوڑا جو ان سے زیادہ عالم اور فقیہ ہو اس پر ایک شخص نے تعجب سے
پوچھا کہ کیا حسن بصری اور ابن سیرین بھی؟ شعبی نے کہا حسن بصری اور ابن سیرین پر کیا منحصر ہے بصرہ، کوفہ، شام،
حجاز میں کوئی شخص ان سے زیادہ عالم نہیں رہا ابراہیم نخعی کے عہد میں مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہو گیا تھا
جسکا ماخذ حدیث نبوی اور حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود کے فتوے تھے یہ مجموعہ گو ترتیب طور پر قلمبند نہیں
کیا گیا لیکن انکے شاگردوں کو اسکے مسائل زبانی یاد تھے سب سے زیادہ یہ مجموعہ حماد کے پاس جمع تھا جو ابراہیم کے تلامذہ
میں نہایت ممتاز تھے چنانچہ انکے مرنے کے بعد فقہ کی مسند خلافت بھی انہیں کو ملی حماد نے گو فقہ کو چنداں ترقی
نہیں دی لیکن وہ ابراہیم کے مجموعہ فقہ کے بہت بڑے حافظ تھے۔ حماد نے سنہ ۱۲۰ ہجری میں قضا کی اور
لوگوں نے انکی جگہ امام ابوحنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا۔

امام صاحب کے زمانہ تک اگرچہ فقہ کے معتدبہ مسائل مدون ہو چکے تھے لیکن اولاً تو یہ تدوین صرف زبانی
روایت تھی دوسرے جو کچھ تھا فن کی حیثیت سے نہ تھا نہ استنباط و استدلال کے قواعد قرار پائے تھے نہ احکام کی
تفریع کے اصول منضبط تھے نہ حدیثوں میں امتیاز مراتب تھا نہ قیاس اور تشبیہ النظیر علی النظیر کا قاعدہ مقرر تھا مختصر یہ کہ فقہ
جزئیات مسائل کا نام تھا اور اسکو قانون کے رتبہ تک پہنچانے کیلئے بہت کچھ باقی تھا۔ تاریخ سے اس بات
کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امام ابوحنیفہ کو خاص کس وجہ سے فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا تاہم عقود العقیان کے
مصنف نے کتاب انموذج القتال سے اسکا ایک قصہ نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ دو شخص [illegible]
اور حماد کے پاس انکی امانت رکھتے تھے ایکبار ان میں سے [illegible]

[illegible] تدوین کا خیال [illegible] پیدا ہوا

چلتا بنا۔ دوسرا حمام سے باہر آیا اور امانت مانگی تو اسنے عذر کیا کہ میں نے تمہارے شریک کو حوالہ کردی۔ اسنے عدالت میں استغاثہ کیا قاضی صاحب نے حمامی کو ملزم ٹھہرایا کہ جب دونوں نے ملکر تیرے پاس امانت رکھی تھی تو تجھکو ضرور تھا کہ دونوں کی موجودگی میں واپس کرتا۔ حمامی گھبرایا ہوا امام ابوحنیفہ کے پاس آیا۔ امام صاحب نے کہا کہ تم جا کر اس شخص سے کہو کہ میں تمہاری امانت ادا کرنیکے لئے تیار ہوں لیکن قاعدے کے موافق تنہا تمکو نہیں دے سکتا۔ شریک کو لاؤ تو لیجاؤ۔ اس واقعہ کے بعد امام صاحب کو فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا اور اسکی ترتیب شروع کی۔

ممکن ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہو لیکن اس خیال کے پیدا ہونے کے اصلی اسباب اور تھے۔ یہ امر تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام صاحب کو تدوین فقہ کا خیال قریباً ۱۲۰ھ میں پیدا ہوا یعنی جب انکے استاد حماد نے وفات پائی۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ اسلام کا تمدن نہایت وسعت پکڑ گیا تھا۔ عبادات اور معاملات کے متعلق اس کثرت واقعات پیدا ہو گئے تھے اور ہوتے جاتے تھے کہ ایک مرتب مجموعہ قانون کے بغیر کسی طرح کام نہیں چل سکتا تھا۔ نیز سلطنت کی وسعت اور دوسری قوموں کے میل جول سے تعلیم و تعلم نے اس قدر وسعت حاصل کر لی تھی کہ زبانی سند و روایت اسکا تحمل نہیں کر سکتی تھی۔ ایسے وقت پر قدرتی طور پر لوگوں کے دل میں خیال آیا ہو گا کہ ان جزئیات کو اصول کیساتھ ترتیب دیکر ایک فن بنا دیا جاوے۔ امام ابوحنیفہ کی طبیعت مجتہدانہ اور غیر معمولی طور پر مستقیانہ واقع ہوئی تھی۔ اسکے ساتھ تجارت کی وسعت اور ملکی تعلقات نے انکو معاملات کی ضرورتوں سے خبردار کر دیا تھا۔ اطراف بلاد سے ہر روز جو سینکڑوں ضروری استفتا آتے تھے انسے انکو اندازہ ہوتا تھا کہ ملک کو اس فن کی کس قدر حاجت ہے۔ قضاۃ اور حکام فصل قضایا میں جو غلطیاں کرتے تھے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔

غرض یہ اسباب اور وجوہ تھے جنہوں نے انکو اس فن کی تدوین و ترتیب پر آمادہ کیا۔ ممکن ہے کہ کسی خاص واقعہ سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس آمادگی کو اور تحریک ہوئی جسکے ساتھ عملی کوشش کا ظہور ہوا۔

امام صاحب نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور پرخطر کام تھا۔ اس لئے انہوں نے اتنے بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا۔ اس غرض سے انہوں نے اپنے شاگردوں میں سے چند نامور شخص انتخاب کئے جنمیں سے اکثر خاص خاص فنون میں جو تکمیل فقہ کے لئے ضروری تھے استاد زمانہ تسلیم کئے جاتے تھے۔ مثلاً یحییٰ ابی زائدہ حفص بن غیاث قاضی ابویوسف داؤد الطائی حبان مندل حدیث و آثار میں نہایت کمال رکھتے تھے۔ امام زفر قوت استنباط میں مشہور تھے۔ قاسم بن معن اور امام محمد کو ادب اور عربیت میں کمال تھا۔ امام صاحب نے ان لوگوں کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی۔ امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کی ہے کہ ابوحنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی چالیس تھے جنمیں یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے ابویوسف زفر داؤد الطائی اسد بن عمرو یوسف

تلامذہ جو فقہ تدوین میں شریک تھے

بن خالد التیمی یحییٰ بن ابی زائدہؒ امام طحاوی نے یہ بھی روایت کی ہی کہ لکھنے کی خدمت یحییٰ سے متعلق تھی اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہی اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اس کام میں کم و بیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی ۱۲۱ھ ہجری سے ۱۵۰ھ تک جو امام ابوحنیفہ کی وفات کا سال ہے لیکن یہ غلط ہی کہ یحییٰ شروع ہی اس کام میں شریک تھی یحییٰ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اسلئے وہ شروع سے کیونکر شریک ہو سکتے تھے طحاوی نے جن لوگوں کے نام گنائے ہیں انکے سوا عافیہ ازدی ابوعلی عزوی علی سہر قاسم بن معن حبان مندل بھی اس مجلس کے ممبر رہے تھے

تدوین کا طریقہ یہ تہا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تہا اگر اسکے جواب میں سب لوگ متفق الرائے ہوتے تو اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا ورنہ نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہوتیں کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی امام صاحب بہت غور اور تحمل کیساتھ سب کی تقریریں سنتے اور بالآخر ایسا جنچا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رایوں پر قائم رہتے اسوقت وہ سب مختلف اقوال قلمبند کر لئے جاتے اسکا التزام تہا کہ جبتک تمام شرکای جلسہ جمع نہولیں کسی مسئلہ کو طے نکیا جائے

جواہر مضیہ کی مصنف نے عافیہ بن یزید کے تذکرہ میں اسحٰق سے روایت کی ہی کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب کسی مسئلہ میں بحث کرتے ہوتے اور عافیہ موجود نہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ عافیہ کو آلینے دو جب وہ آلیتے اور اتفاق کرتے تب وہ مسئلہ درج تحریر کیا جاتا اس طرح تیس برس کی مدت میں یہ عظیم الشان کام انجام کو پہونچا امام صاحب کی اخیر عمر قید خانہ میں گذری وہاں بھی یہ کام برابر جاری رہا۔

اس مجموعہ کی ترتیب جیسا کہ حافظ ابوالمحاسن نے بیان کی ہی یہ تھی اول باب الطہارۃ باب الصلوٰۃ باب الصوم پھر عبادات کے اور ابواب اسکے بعد معاملات سب سے اخیر میں باب المیراث

امام صاحب کی زندگی ہی میں اس مجموعہ نے وہ حسن قبول حاصل کیا کہ اسوقت کی حالات کے لحاظ سے مشکل سے قیاس میں آسکتا ہی جسقدر اسکے اجزا تیار ہوتے جاتے تھی ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں اسکی اشاعت ہوتی جاتی تھی امام صاحب کا درس گاہ ایک قانونی مدرسہ تہا جسکے طلبا نہایت کثرت سے ملکی عہدوں پر مامور ہوتے اور انکی آئین حکومت کا یہی مجموعہ تہا تعجب یہ ہی کہ جن لوگوں کو امام صاحب سے ہمسری کا دعویٰ تہا وہ بھی اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے۔ امام سفیان ثوری نے بڑے لطائف الحیل سے کتاب الرہن کی نقل حاصل کی اور اس کو اکثر پیش نظر رکھتے تھے زائدہ کا بیان ہی کہ میں نے ایک دن سفیان کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جس کا وہ مطالعہ کر رہے تھے ان سے اجازت مانگ کر میں اسکو دیکھنے لگا تو ابوحنیفہ کی کتاب الرہن نکلی میں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ابوحنیفہ کی کتابیں دیکھتے ہیں" بولے "کاش انکی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں۔

یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ باوجودیکہ اسوقت بڑے بڑے مدعیان فن موجود تھے اور ان میں بعض

تدوین کا طریقہ

اس مجموعہ کا رواج

امام کے زمانہ میں جو مجموعہ مرتب ہوا تھا وہ معدوم ہو گیا

امام ابوحنیفہ سے مخالفت بھی رکھتے تھے تاہم کسی کو اس کتاب کی رد و قدح کی جرأت نہیں ہوئی امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں ان اصحاب الرای اظہروا مذاہبہم وکانت الدنیا مملوۃ من المحدثین ورواۃ الاخبار ولم یقدر احد منہم الطعن فی ادلۃ اصحاب الرای یعنی اصحاب الرائے (ابوحنیفہ اور انکے تلامذہ) نے اپنے مسائل جس زمانہ میں ظاہر کئے دنیا محدثین اور راویان اخبار سے بھری ہوئی تھی تاہم کسی کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ ان کے قول پر اعتراض کرتا۔ امام رازی نے تو عام نفی کی ہے لیکن ہم کو زیادہ استقصا سے معلوم ہوا کہ اس عموم میں ایک استثنا ہے کیونکہ بیہقی نے تصریح کی ہے کہ امام اوزاعی نے ابوحنیفہ کی کتاب السیر کا رد لکھا تھا جس کا جواب قاضی ابویوسف نے لکھا۔

غالباً یہ مجموعہ بہت بڑا مجموعہ تھا اور ہزاروں مسائل پر مشتمل تھا۔ قلائد عقود العقیان کے مصنف نے کتاب الصیانۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے جس قدر مسائل مدون کئے انکی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے۔ شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے کہ "یہ مسائل چھ لاکھ تھے" یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ ان کی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی۔ امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں ان سے اسکی تصدیق ہو سکتی ہے۔

اگرچہ اس میں کسی طرح شبہ نہیں ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہ کی زندگی ہی میں فقہ کے تمام ابواب مرتب ہو گئے تھے۔ رجال و تاریخ کی کتابوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے جس کا انکار گویا تواتر کا انکار ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ مجموعہ ایک مدت سے ضائع ہو گیا ہے اور دنیا کے کسی کتبخانہ میں اسکا پتہ نہیں چلتا۔ امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ "ابوحنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی" امام رازی نے ۶۰۶ھ میں انتقال کیا اس لحاظ سے کم از کم چھ سو برس ہوتے کہ امام صاحب کی تصنیفات ناپید ہو چکیں امام صاحب کی تصنیفات کا ضائع ہو جانا اگرچہ کچھ محل تعجب نہیں اس عہد کی ہزاروں کتابوں میں سے آج ایک کا بھی وجود نہیں امام اوزاعی ابن جریج۔ ابن عروبہ حماد بن ابی عمر ان کی تالیفات علمی اسی زمانہ میں شائع ہوئیں جب امام ابوحنیفہ کا دفتر فقہ مرتب ہو رہا تھا تاہم ان کتابوں کا نام بھی کوئی نہیں جانتا لیکن امام ابوحنیفہ کی تصنیفات کی گمشدگی کی ایک خاص وجہ ہے امام صاحب کا مجموعہ فقہ اگرچہ بجائے خود مرتب اور نہایت مبسوط تھا لیکن قاضی ابویوسف و امام محمد نے انہیں مسائل کو اس توضیح و تفصیل سے لکھا اور ہر مسئلہ پر استدلال و براہین کے ایسے حاشیے اضافہ کئے کہ انہیں کو رواج عام ہو گیا اور اصل نسخہ سے لوگ بے پروا ہو گئے۔ بیشک اسی طرح جس طرح کہ متاخرین نحویوں کی تصنیفات کے بعد [illegible] ابوعبیدہ کی کتابیں رفتہ رفتہ بالکل ناپید ہو گئیں حالانکہ یہ لوگ فن نحو کے بانی اور مدون اول تھے امام صاحب کے مسائل کا آج جو ذخیرہ دنیا میں موجود ہے وہ امام محمد اور قاضی ابویوسف کی تالیفات ہیں جنکے نام اور مختصر حالات ان بزرگوں کے ترجمہ میں ہم لکھیں گے۔

یہ فقہ اگرچہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتا ہے لیکن درحقیقت وہ چار شخصوں یعنی امام ابو حنیفہ۔ زفر۔ قاضی ابو یوسف۔ امام محمد کی رایوں کا مجموعہ ہے۔ قاضی ابو یوسف و امام محمد نے بہت سے مسائل میں امام ابو حنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ فقہاء حنفیہ نے روایتیں نقل کی ہیں کہ ان صاحبوں کو اعتراف تھا کہ ہم نے جو اقوال امام ابو حنیفہ کے مخالف کہے وہ بھی امام ابو حنیفہ ہی کے اقوال تھے کیونکہ بعض مسئلوں میں امام ابو حنیفہ نے متعدد اور مختلف رائیں ظاہر کی تھیں۔ یہ روایتیں شامی وغیرہ میں مذکور ہیں لیکن ان کا ثابت ہونا مشکل ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ان فقہاء کا حسن ظن ہے۔ قاضی ابو یوسف و امام محمد اجتہاد مطلق کا منصب رکھتے تھے اور ان کو اختلاف کا پورا حق حاصل تھا۔ اسلام کی ترقیاں اسی وقت تک رہیں کہ لوگ باوجود حسن عقیدت کے بزرگوں اور استادوں کی رائے سے علانیہ مخالفت کرتے تھے اور خیالات کی ترقی محدود نہ تھی۔

یہ مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہیں نہایت تیزی سے تمام ملک میں پھیل گئے۔ عرب میں تو چنداں ان مسائل کو رواج نہ ہوا کیونکہ مدینہ میں امام مالک اور مکہ میں اور ائمہ ان کے حریف مقابل موجود تھے۔ لیکن عرب کے سوا تمام ممالک اسلامی میں جن کی وسعت سندھ سے ایشیائے کوچک تک تھی عموماً انہیں کا طریقہ جاری ہو گیا۔ ہندوستان۔ سندھ۔ کابل۔ بخارا۔ وغیرہ میں تو انکے اجتہاد کے سوا کسی کا اجتہاد تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔ دوسرے ممالک میں گو شافعی و حنبلی فقہ کا رواج ہوا لیکن فقہ حنفی کو دبا نہیں سکا البتہ بعض ملکوں میں وہ بالکل معدوم ہو گیا اور اسکے خاص اسباب تھے مثلاً افریقہ میں ۴۰۰ھ تک امام ابو حنیفہ کا طریقہ تمام طریقوں پر غالب تھا لیکن معز بن بادیس نے ۴۰۶ھ میں جب وہاں کی مستقل حکومت حاصل کی تو حکومت کے زور سے تمام ملک میں مالکی فقہ کو رواج دیدیا کہ آجتک قائم ہے۔[1]

سلاطین اکثر حنفی تھے

ایک خاص بات یہ ہے کہ عنان حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں رہی وہ اکثر حنفی ہی فقہ کے پابند تھے۔ خلفائے عباسیہ تو اس بحث سے خارج ہیں۔ کیونکہ یہ خاندان جب تک اوج پر رہا یہ لوگ تلوار کے ساتھ قلم کے بھی مالک رہے یعنی ان کو خود دعویٰ اجتہاد تھا اور کبھی کسی کی تقلید نہیں کی۔ تنزل کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہے کہ ان کے حالات سے کسی ملکی اثر کا اندازہ کیا جائے تاہم ان میں اگر کسی نے تقلید گوارا کی تو ابو حنیفہ ہی کی کی۔ عبد اللہ بن المعتز جو فن بدیع کا موجد تھا اور خلفائے عباسیہ میں سب سے بڑا شاعر اور ادیب تھا حنفی المذہب[2] تھا۔

عباسیہ کے تنزل کے ساتھ جن خاندانوں کو عروج ہوا اکثر حنفی تھے۔ خاندان سلجوق جس نے ایک وسیع مدت تک حکومت کی اور جن کے دائرہ حکومت کی وسعت طول میں کاشغر سے بیت المقدس تک اور عرض میں قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک پہنچی تھی حنفی تھا۔ محمود غزنوی جسکے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے فقہ حنفی کا بہت بڑا عالم تھا فن فقہ میں اس کی ایک نہایت عمدہ تصنیف موجود ہے جسکا نام التفرید ہے اور جس میں کم و بیش ساٹھ ہزار مسئلے ہیں۔ نور الدین زنگی کا نام چھپا ہوا نہیں ہے وہ ہمارے ہیروز میں داخل ہے۔

[1] تاریخ ابن خلکان ترجمہ معز بن بادیس ۱۲ [2] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبد اللہ بن المعتز ۱۲

بیت المقدس کی لڑائیوں میں اول انہی نے نام حاصل کیا صلاح الدین فاتح بیت المقدس انہی کے دربار ملازم تھا۔ دنیا میں پہلا دار الحدیث انہی نے قائم کیا۔ اگرچہ وہ شافعی و مالکی فقہ کی بھی عزت کرتا تھا۔ لیکن وہ خود اور اسکا تمام خاندان مذہباً حنفی تھا صلاح الدین خود شافعی تھا لیکن اس کے خاندان میں بھی حنفی المذہب موجود تھے الملک المعظم جیسے بن الملک العادل جو ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا علامہ ابن خلکان اُسکے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ نہایت عالی ہمت فاضل ہوشمند و دلیر پر رعب تھا۔ اور حنفی مذہب میں غلو رکھتا تھا چراکسہ مصر جو نویں صدی کے آغاز میں مصر کی حکومت پر پہنچے اور ۱۴۸ برس تک فرمانروا رہے اور بہت سی فتوحات حاصل کیں خود حنفی تھے اور اُن کے دربار میں اسی مذہب کو زیادہ فروغ تھا سلاطین ترک جو کم و بیش چھ سو برس سے روم کے فرمانروا ہیں اور آج انہیں کی سلطنت اسلام کی عزت و وقار اُمیدگاہ ہے عموماً حنفی ہیں خود ہماری ہندوستان کے فرمانروا خوانین اور آل تیمور اسی مذہب کے پابند رہے اور اُن کی وسیع سلطنت میں اس طریقہ کے سوا اور کسی طریقہ کا رواج نہ ہو سکا بعضوں کا خیال ہے کہ حنفی مذہب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ حکومت کے صدقہ سے ہوا۔ ابن حزم جو ارباب ظاہر کے مشہور امام ہیں انکا قول ہے کہ دو مذہبوں نے سلطنت کے زور سے ابتدا ہی میں رواج عام حاصل کیا ایک ابو حنیفہ کا مذہب کیونکہ جب قاضی ابو یوسف کو قاضی القضاۃ کا منصب ملا تو انہوں نے حنفی لوگوں کو عہدۂ قضا پر مقرر کیا دوسرا امام مالک کا مذہب اندلس میں۔ کیونکہ امام مالک کے شاگرد یحییٰ مصمودی خلیفۂ اندلس کے نہایت مقرب تھے اور کوئی شخص بے اُنکے مشورے کے عہدۂ قضا پر مقرر نہیں ہو سکتا تھا وہ صرف اپنے ہم مذہبوں کو مقرر کراتے تھے۔[۱]

لیکن یہ ابن حزم کی ظاہر بینی ہے۔ امام ابو حنیفہ ۱۲۰ھ میں مسند اجتہاد پر بیٹھے قاضی ابو یوسف نے ۱۷۰ھ کے بعد قاضی القضاۃ کا منصب حاصل کیا۔ کیونکہ اُن کے تقرر اور عروج کا زمانہ ہارون الرشید کے عہد سے شروع ہوتا ہے جو ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ قاضی ابو یوسف کے فروغ سے پہلے پچاس برس کا زمانہ گزر چکا تھا جس میں امام ابو حنیفہ کے مذہب نے قبول عام حاصل کر لیا تھا اور اُنکے سینکڑوں شاگرد قضا کے عہدوں پر مامور ہو چکے تھے اس کامیابی کو کس کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے؟ یہ ضرور ہے کہ قاضی ابو یوسف کی وجہ سے امام صاحب کے مسائل کو اور زیادہ عروج ہوا لیکن مذہب حنفی کا اصلی عروج قاضی صاحب کی کوششوں کا محتاج نہ تھا امام رازی نے باوجود مخالفت کے تسلیم کیا ہے کہ ثم انہ لما قوی مذہب اصحاب الرای و اشتہر و عظم و تعصب فی اصحابہ ثم اتفق اتصال ابی یوسف و محمد بخدمۃ ہارون الرشید عظمت تلک القوم جدا لان العلم والسلطنۃ حصلا معا یعنی "اصحاب الرائے کا مذہب قوی ہوا اور شہرت پکڑ گیا اور اُس کی وقعت لوگوں میں بہت ہو گئی پھر اس کے بعد ابو یوسف و محمد کو ہارون الرشید کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی تو یہ قوت بہت ہی زیادہ بڑھ گئی۔ کیونکہ علم اور حکومت دونوں مجتمع ہو گئے۔

حنفی فقہ کے حسن قبول کا سبب

---

[۱] الجواہر المضیئۃ ترجمہ نور الدین زنگی ۱۲ [۲] ابن حزم کے اس قول کو علامہ ابن خلکان نے یحییٰ مصمودی کے ترجمہ میں نقل کیا ہے ۱۲

تمدن نے زیادہ ترقی نہیں کی تھی۔ علامہ ابن خلدون اس بات کی وجہ بتاتے ہیں کہ مغرب اندلس میں بدویت غالب تھی اور وہاں کے لوگوں نے وہ ترقی نہیں حاصل کی تھی جو اہل عراق نے حاصل کی تھی یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں امام مالکؒ کی فقہ کے سوا اور کسی فقہ کو فروغ نہ ہو سکا،،

حنفی فقہ جس میں امام ابوحنیفہ کے علاوہ اُن کے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں اُس زمانہ کا بڑا قانون بلکہ بہت بڑا مجموعہ قوانین تھا۔ زمانہ مابعد میں گو علمائے حنفیہ نے اُس پر بہت کچھ اضافہ کیا اور کائنات کی تفریع کیساتھ اصول فن کو نہایت ترقی دی لیکن ایجاد کے زمانہ میں جس قدر کسی فن کی حالت ہو سکتی ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی جو امام ابوحنیفہ کے عہد میں فقہ کو حاصل ہو چکی۔ اس مجموعہ میں عبادات کے علاوہ دیوانی فوجداری تعزیرات۔ لگان۔ مالگزاری۔ شہادت معاہدہ وراثت وصیت۔ اور بہت سے قوانین شامل تھے اُس کی وسعت اور خوبی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہارون الرشید اعظم کی وسیع سلطنت جو سندھ سے ایشائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی۔ انہیں اصول پر قائم تھی اور اس عہد کے تمام واقعات و معاملات انہیں قواعد کی بنا پر فیصل ہوتے تھے یہ قانون جس کو فقہ کہتے ہیں دو قسم کے مسائل پر مشتمل ہے اور اس لحاظ سے اُس کے واضع کی دو مختلف حیثیتیں ہیں (۱) وہ مسائل جو شریعت سے ماخوذ ہیں۔ اور تشریعی احکام کہے جا سکتے ہیں (۲) وہ احکام جن سے شریعت نے سکوت کیا ہے اور جو تمدن اور معاشرت کی ضرورتوں سے پیدا ہوتے ہیں یا جنکا ذکر شریعت میں ہے لیکن تشریعی طور پر نہیں۔

پہلی قسم کے مسائل کے لحاظ سے فقیہ کی حیثیت شارح اور مفسر کی حیثیت ہے اور اس اعتبار سے اُس کے لئے جس قسم کی قابلیت درکار ہے وہ مہارت زبان واقفیت نصوص۔ قوت استنباط۔ توفیق متعارضات ترجیح دلائل ہے۔ دوسری قسم کے احکام کے لحاظ سے واضع فقہ ایک مقنن کی حیثیت رکھتا ہے اور اس لحاظ سے اُسکی قابلیت اُس رتبہ کی ہونی چاہیئے جیسی کہ دنیا کے اور مشہور مقننوں کی تھی۔ یہ دونوں حیثیتیں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ اسلام میں بہت سے نامور گزرے ہیں جو مقنن اور واضع قانون تھے لیکن نصوص شرعی کے مفسر نہیں کہے جا سکتے تھے۔ جہانتک ہماری واقفیت ہے اسلام کے اس وسیع دور میں قدرت نے یہ دونوں قابلیتیں جس اعلیٰ درجہ پر امام ابوحنیفہ میں جمع کر دی تھیں کسی مجتہد یا امام میں جمع نہیں ہوئیں علم فقہ کے متعلق سب سے بڑا کام جو امام صاحب نے کیا وہ تشریعی اور غیر تشریعی احکام میں امتیاز قائم کرنا تھا۔

شارع علیہ السلام کے اقوال و افعال جو سلسلہ روایت سے منضبط کئے گئے اُن میں بہت سے ایسے امور تھے جنکو منصب نبوت سے کچھ تعلق نہ تھا لیکن بطور ایک اصطلاح کے اُن سب پر حدیث کا لفظ اطلاق کیا جاتا تھا۔ فقہ کی توضیح میں ایک عام اور سخت غلطی یہ ہوئی کہ لوگوں نے ان تمام امور کو شرعی حیثیت پر

دیوانی کی فقہ

مسائل کی تقسیم

تشریعی غیر تشریعی احادیث کا

محمول کیا اور اس خیال سے اُنپر مسائل اور احکام کی بنیاد قایم کی۔ حالانکہ وہ حدیثیں منصب شریعت سے علاقہ نہیں رکھتی تھیں شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت سے جو کچھ روایت کیا گیا ہے اور کتب حدیث میں اس کی تدوین ہوئی اُس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جو تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے اور اسی بارہ میں یہ آیت اُتری ہے مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا یعنی پیغمبر جو چیز تمکو دے اُسکو اختیار کرو اور جس چیز سے روکے اُس سے باز آؤ۔

(۲) جو تبلیغ رسالت سے متعلق نہیں چنانچہ اُن کی نسبت آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے انما انا بشر اذا امرتکم بشیٔ من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیٔ من رای فانما انا بشر یعنی میں ایک آدمی ہوں جب میں کوئی مذہبی حکم دوں تو تم لوگ اُس کے پابند ہو اور جب میں اپنی رائے سے کسی بات کا حکم دوں تو میں صرف ایک آدمی ہوں۔ اس دوسری قسم میں وہ حدیثیں ہیں جو آنحضرت نے طب کے متعلق ارشاد کیں۔ اور اسی قسم میں وہ افعال داخل ہیں۔ جو آنحضرت سے عادتاً صادر ہوئے نہ عبادۃً اور اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً اور اسی قسم میں وہ حدیثیں داخل ہیں جو آنحضرت نے اپنی قوم کے گمان کے موافق بیان کیں مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث اور اسی قسم میں وہ امور داخل ہیں جو آنحضرت نے اُسوقت مصلحت جزئی کے موافق اختیار فرمائے اور وہ سب لوگوں پر واجب العمل نہیں ہیں مثلاً فوج کی تیاری اور شعار کی تعیین اسی بنا پر حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ اب رمل کرنیکی کیا ضرورت ہے جس قوم کے دکھانیکے لئے ہم رمل کرتے تھے اُنکو خدا نے ہلاک کر دیا اور آنحضرت کے بہت سے احکام اسی قسم میں داخل ہیں۔ مثلاً یہ حکم کہ جہاد میں جو شخص کسی کافر کو قتل کرے تو اُسکے ہتیار کا مالک بھی وہی ہوگا۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کی قسموں میں جو دقیق فرق بیان کیا۔ یہ وہی نکتہ ہے جسکی طرف سب سے پہلے امام ابوحنیفہ کا ذہن منتقل ہوا اسی بنا پر بہت سے مسائل مثلاً غسل جمعہ۔ خروج النساء الی العیدین۔ نفاذ طلاق تعین جزیہ۔ تشخیص خراج۔ تقسیم غنائم وغیرہ میں جو حدیثیں وارد ہیں اُنکو امام ابوحنیفہ نے دوسری قسم میں داخل کیا ہے لیکن امام شافعی وغیرہ ان حدیثوں کو بھی تشریعی حدیثیں سمجھتے ہیں۔

حنفی فقہ کو مقابلہ اور فقہوں کے بہت بڑی خصوصیت جو حاصل ہے وہ یہی ہے کہ اُسکے مسائل عموماً اسی قاعدے پر مبنی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُنمیں وہ وسعت اور آزادی پائی جاتی ہے جو اور ائمہ کے مسائل میں نہیں پائی جاتی یہ قاعدہ اگرچہ نہایت صاف اور صریح ہے لیکن افسوس ہے کہ اور ائمہ نے اسپر لحاظ نہیں کیا اور اگر خلفائے راشدین کی نظریں موجود نہوتیں تو شاید امام ابوحنیفہ کو بھی اُسکے اختیار کرنیکی جرأت نہوتی اگرچہ امام صاحب کے بعد بھی بعض ائمہ نے جنکو اُن کے مقابلہ میں اجتہاد کا دعوی تھا اس عمدہ اصول کی پیروی نکی اور اُسی غلط خیال پر قائم رہے لیکن اس میں کون شبہہ کرسکتا ہے کہ امام صاحب کی رائے نہایت صحیح اور دقیقہ سنجی پر مبنی تھی۔

ملحقہ حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ بریلی صفحہ ۱۲۳ و ۱۲۴

جو مسائل تشریعی نہ تھے اُن میں ترمیم کی گئی

خلفائے راشدین سے بڑھکر کون احکام شریعت کا نکتہ شناس ہوسکتا ہے انہوں نے کیا کیا ؟ حضرت عمرؓ کے آغاز خلافت تک امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جنسے اولاد ہوچکی ہو عموماً خریدی اور بیچی جاتی تہیں حضرت عمرؓ نے اس رواج کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت نے تبوک کے سفر میں ۔ غیر مذہب والوں پر جو جزیہ مقرر کیا وہ فی کس ایک دینار تھا حضرت عمرؓ نے ایران میں ۴۸ و ۲۴ و ۱۲ کے حساب سے شرحیں مقرر کیں ۔ آنحضرت مال غنیمت جب تقسیم کرتے تھے تو اپنے عزیز و اقارب کا بھی حصہ لگاتے تھے خلفائے راشدین میں سے کسی نے حتی کہ حضرت علیؓ نے بھی ہاشمیوں کو حصہ نہیں دیا۔ آنحضرت کے زمانہ میں بلکہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد تک تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تہیں ۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں منادی کرادی کہ تین طلاق طلاق بائن سمجھی جائیگی آنحضرت کے عہد میں شراب پینے کی سزا میں کوئی خاص حد نہیں مقرر ہوئی تھی ۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسکی حد چالیس درے قرار دئے اور حضرت عمرؓ نے بسبب اس کے کہ اُن کے زمانہ میں مے نوشی کا زیادہ رواج ہوچلا تہا چالیس سے اسی درے کردئے یہ وہ واقعات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں ۔ اور جنکے ثبوت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا لیکن کیا اسکا یہ مطلب ہے کہ خلفائے راشدین کسی حکم کو آنحضرت کا تشریعی حکم سمجھکر اُسکی مخالفت کرتے تھے !! اگر نعوذ باللہ ایسا کرتے تھے تو وہ خلفائے راشدین نہ تھے بلکہ (عیاذاً باللہ) رسول اللہ کے حریف اور غاصب تھے !!!

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ جو رات دن آنحضرت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور فیض صحبت کیوجہ سے شریعت کے اداشناس ہوگئے تھے ان کو یہ تمیز کرنا نہایت آسان کام تہا کہ کون سے احکام تشریعی حیثیت رکھتے ہیں اور کون سے اُس حد میں داخل ہیں جنکی نسبت آنحضرتؐ نے فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم حضرت عائشہؓ نے آنحضرت کی وفات کے بعد ایک موقع پر کہا کہ "آج اگر رسول اللہ موجود ہوتے تو عورتوں کو مسجد میں جانیکی اجازت نہ دیتے" یہ صریح اسباب کی شہادت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ کی اُس اجازت کو تشریعی اور لازمی حکم نہیں قرار دیا ورنہ اور حالات کے اختلاف سے اُس پر کیا اثر پڑسکتا تہا ۔

امام ابوحنیفہ ۔ نے اس مرحلہ میں صحابہ ہی کو دلیل راہ بنایا ۔ اور اس قسم کے مسائل میں اُنکی رائے عموماً خلفائے راشدین کے طرز عمل کے موافق ہے ۔ لیکن جن لوگوں کی نگاہ اُس نکتہ تک نہیں پہنچی وہ امام ابوحنیفہ بلکہ صحابہ کو بھی مورد الزام ٹھہراتے ہیں طلاق کے مسئلہ میں قاضی شوکانی نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کرکے لکھا ہے کہ رسول اللہ کے مقابلہ میں بیچارے عمرؓ کی کیا حقیقت ہے ۔ لیکن قاضی شوکانی یہ نہ سمجھے کہ حضرت عمرؓ قاضی صاحب سے زیادہ اسباب کو سمجھتے تھے کہ رسول اللہ کے مقابلہ میں اُن کی کوئی حقیقت نہیں ۔

استنباط احکام کی ابتدا

فقہ کی پہلی قسم کے متعلق ۔ امام ابوحنیفہ نے جو بڑا کام کیا وہ قواعد استنباط کا انضباط تہا جسکی وجہ سے (جو انکا ... مسائل کا نام تہا) ایک مستقل فن بنگیا ۔ امام ابوحنیفہ کی علمی تاریخ میں جو چیز سب سے زیادہ قابل داد اور تعجب انگیز ہے وہ ان قواعد کی تدوین و انضباط ہے ایسے زمانہ میں جبکہ علوم نہایت ابتدائی حالت

ہیں تھے یہانتک کہ نقل کتابت کا بھی رواج نہ تھا ایسے دقیق فن کی بنیاد ڈالنی درحقیقت امام ابوحنیفہ ہی کا کام تھا۔

عام خیال یہ ہے کہ قواعد جنکو اب اصول فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے سب سے پہلے امام شافعی نے مرتب کئے یہ دعویٰ اس لحاظ سے تو صحیح ہے کہ امام شافعی سے پہلے یہ مسائل مستقل طور سے حیز تحریر میں نہیں آئے تھے لیکن اصل فن کی بنیاد امام شافعی سے بہت پہلے پڑ چکی تھی۔ اور اگر تحریر کی قید اٹھا دیجائے تو امام ابوحنیفہ اس کے موجد کہے جا سکتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ مسائل کا استنباط اور احکام کی تفریع تابعین بلکہ صحابہ ہی کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی لیکن استنباط اور استخراج کا جو طریقہ تھا وہ کوئی علمی صورت نہیں رکھتا تھا جس طرح عام لوگ کسی عبارت سے کسی نتیجہ کا استنباط یا اور کسی حکم کی تفریع صرف وجدانی مذاق کی رو سے کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ انکا استنباط یا تفریع کس قاعدۂ کلیہ کے تحت میں داخل ہے اور اس کے کیا شرائط اور قیود ہیں اسیطرح فقہی مسائل بھی استنباط کئے جاتے تھے نہ علمی اصطلاحیں قائم ہوئی تھیں نہ کچھ اصول منضبط ہوئے تھے۔

بنو امیہ کے اخیر دور میں کچھ کچھ علمی اصطلاحیں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ واصل بن عطا نے جو علم کلام کا موجد تھا احکام شرعیہ کی تقسیم کی اور کہا کہ حق کے ثبوت کے چار طریقے ہیں۔ قرآن ناطق۔ حدیث متفق علیہ اجماع امت عقل وحجت (یعنی قیاس) واصل نے اور بھی چند مسائل اور اصطلاحیں قائم کیں مثلاً یہ کہ عموم وخصوص دو جداگانہ مفہوم ہیں نسخ صرف اوامر ونواہی میں ہو سکتا ہے۔ اخبار وواقعات میں نسخ کا احتمال نہیں[1]۔

ان مسائل کے لحاظ سے اصول فقہ میں اولیت کا فخر واصل کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے لیکن یہ اسی قسم کی اولیت ہوگی جسطرح نحو کے دو تین قاعدے کے بیان کر دینے سے کہا جاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام فن نحو کے موجد ہیں۔ بہرحال امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک جو کچھ ہوا تھا اس سے زیادہ نہیں ہوا تھا لیکن چونکہ امام صاحب نے فقہ کو بہت بڑا اور مستقل فن کی حیثیت سے ترتیب دینا چاہا اسلئے استنباط اور تخریج مسائل کے اصول قرار دینے پڑے۔ اگرچہ زمانہ مابعد میں اصول فقہ ایک نہایت وسیع فن بنگیا اور سینکڑوں مسائل ایسے ایجاد ہوگئے جنکا امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں اثر بھی نہ تھا لیکن کچھ شبہہ نہیں کہ اس فن کے امہات مسائل جن پر فن کی بنیاد قائم ہے امام صاحب ہی کے زمانہ میں منضبط ہو چکے تھے۔ اصول اربعہ کی توضیح حدیث کے مراتب اور انکے احکام جرح وتعدیل کے اصول اجماع کے حدود وضوابط۔ قیاس کے احکام وشرائط احکام کی انواع عموم وخصوص کی تحدید رفع تعارض کے قواعد فہم مراد کے طرق۔ یہ مسائل ہیں جو اصول فقہ کے ارکان ہیں ان تمام مسائل کے متعلق امام صاحب نے ضروری اصول وقواعد منضبط کر دیے تھے۔

حدیث کے متعلق امام صاحب نے جو اصول قرار دیے انکو ہم حدیث کی بحث میں لکھ آئے ہیں ان کے علاوہ اور

[1] یہ مسائل ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں [illegible] کی طرف منسوب کیا ہے ۱۲

ابواب کے متعلق امام صاحب نے تمام ضروری اصول منضبط کر دیے تھے مثلاً ما لم یثبت بالتواتر لیس بقرآن الزیادۃ تنسخ لا یجوز الزیادۃ علی الکتاب بخبر الواحد حمل المطلق علی المقید زیادۃ علی النص عموم القرآن لا یتخصص بالآحاد۔ العام قطعی کالخاص۔ الخاص ان کان متاخرا خصص العام وان کان متقدما فلا بل کان العام ناسخا للخاص وان جہل التاریخ تساقطا ویطلب دلیل آخر مفہوم الصفۃ لا یحتج بہ النہی لا تدل علی البطلان امام صاحب کے یہ اقوال انکے شاگردوں کی تصنیفات یا اصول کی کتابوں میں جو شافعیہ و حنفیہ وغیرہ نے لکھے ہیں جستہ جستہ مذکور ہیں جن کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو ایک مختصر رسالہ تیار ہو سکتا ہے[1] یہی اصول ہیں جن کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ امام حنیفہ ایک خاص طریقہ اجتہاد کے بانی ہیں۔ انہیں اصول کے اتحاد کی بنا پر۔ امام محمد و قاضی ابو یوسف کا طریقہ امام صاحب کے طریقہ سے الگ نہیں سمجھا جاتا حالانکہ جزئیات مسائل میں ان لوگوں نے سیکڑوں ہزاروں جگہ ان سے اختلاف کیا ہے۔

اصول فقہ کی کلیات

ان اصولی مسائل پر چونکہ امام شافعی وغیرہ نے ان سے اختلاف کیا ہے نہایت وسیع اور دقیق بحثیں قائم ہو گئی ہیں۔ افسوس ہے کہ ہماری مختصر تالیف میں ان کی گنجائش نہیں اصول کی کتابوں میں یہ مباحث نہایت تفصیل سے مذکور ہیں جس شخص کا جی چاہے ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں فقہ کے اس حصہ میں امام صاحب کی حیثیت ایک مقنن اور منتظم کی حیثیت ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ اسباب میں امام صاحب نے جو کام کیا وہ نہ صرف تاریخ اسلام میں بلکہ کل دنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہے دنیا میں اور بھی قومیں ہیں جن کے پاس آسمانی کتابیں ہیں اور وہ لوگ ان کتابوں سے اخذ احکام کرتے ہیں لیکن کوئی قوم یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس نے استنباط مسائل کے اصول اور قواعد منضبط کئے اور اسکو ایک مستقل فن کے رتبہ تک پہنچا دیا۔

فقہ کا دوسرا حصہ

فقہ کا دوسرا حصہ جو صرف قانون کی حیثیت رکھتا ہے پہلے حصہ کی نسبت بہت زیادہ وسیع اور بہت زیادہ نازک ہے اور یہی حصہ ہے جس کی وجہ سے امام ابوحنیفہ علانیہ تمام مجتہدین سے ممتاز ہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر اسلام میں کوئی واضع قانون گزرا ہے تو وہ امام ابوحنیفہ تھے۔ مسلمانوں میں وضع قانون کا کام ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو مذہبی پیشوا تھے اور زہد و اتقا میں نہایت غلو رکھتے تھے۔ مذہبی لوگوں میں جو اوصاف نہایت قابل قدر سمجھے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔ دنیاوی امور سے علیحدگی کم آمیزی۔ معاملات میں سختی عام واقعات سے بے خبری۔ غیر مذہب والوں سے تنفر یہ تمام اوصاف وہ ہیں

[1] لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اصول فقہ کی کتابوں میں جو بہت سے اصول مذکور ہیں ان کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امام ابوحنیفہ کے اقوال ہیں شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس پر ایک نہایت عمدہ تقریر لکھی ہے لیکن شاہ صاحب نے بعض ان اقوال سے بھی انکار کیا ہے جو بروایت صحیحہ امام صاحب سے ثابت ہیں ۱۲

جو تمدن کے مخالف ہیں اور جس شخص میں یہ اوصاف اعتدال سے بڑھکر اور فطرتی ہوں وہ مشکل سے تمدن کی ضرورتوں کا اندازہ داں ہوسکتا ہے تقدس پاکیزہ نفسی کے لحاظ سے اُن لوگوں کی جس قدر عظمت کی جائے کم ہے لیکن دنیا اور دنیا والوں کا کام اُن سے نہیں چل سکتا حضرت جنید بغدادی معروف کرخی۔ شیخ شبلی۔ داؤد طائی کی عظمت وشان سے کس کو انکار ہوسکتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ واضع قانون نہیں ہوسکتے تھے۔"

مجتہدین جنہوں نے فقہ کے نام سے ملکی اور شخصی قانون بنائے۔ اگرچہ رہبانیت کی حد سے دور تھے تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ تمدن کے وسیع تعلقات پر اُن کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ جن سے اُن کو عمر بھر کبھی سروکار نہیں ہا یہی وجہ ہے کہ اُنکے قوانین میں بعض جگہ ایسی سختی اور تنگی پائی جاتی ہے جس پر مشکل سے عملدرآمد ہوسکتا ہے امام شافعی وغیرہ کا مذہب ہے کہ نکاح بجز ثقات کے کوئی شخص گواہ نہیں ہوسکتا۔ ہمسایہ کو حق شفعہ نہیں پہنچتا۔ بیع بالمعاطات جائز نہیں۔ ذمیوں کی شہادت کسی حال میں مقبول نہیں۔ ایک مسلمان سیکڑوں ذمیوں کو بے قصور قتل کرڈالے تاہم وہ قصاص میں پکڑا نہیں جاسکتا۔ ان مسائل سے دنیا کا کام کیونکر چل سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ اس وصف میں اپنے تمام ہمعصروں سے ممتاز تھے کہ وہ مذہبی تقدس کے ساتھ دنیاوی اغراض کے اندازہ شناس تھے۔ اور تمدن کی ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ مرجعیت اور فصل قضایا کی وجہ سے ہزاروں پیچیدہ معاملات اُن کی نگاہ سے گذر چکے تھے۔ اُن کی مجلس افتا بہت بڑی عدالت عالیہ تھی جس نے لاکھوں مقدمات کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ملکی حیثیت رکھتی تھی اور ارکان سلطنت مہمات امور میں اُن سے مشورہ لیتے تھے اُن کے شاگرد اور ہمنشین جن کی تعداد سیکڑوں سے زیادہ تھی عموماً وہ لوگ تھے جو منصب قضا پر مامور تھے ان باتوں کے ساتھ خود اُنکی طبیعت متقنانہ اور معاملہ سنج واقع ہوئی تھی وہ ہر بات کو قانونی حیثیت سے دیکھتے تھے اور اُسکے دقیق نکتوں تک پہنچتے تھے اس بات کا اندازہ واقعہ ذیل سے ہوسکتا ہے جسکا ذکر اکثر مورخین نے کیا ہے۔

ایک دن امام صاحب قاضی ابن ابی لیلی سے ملنے گئے۔ اُس وقت اُنکے سامنے ایک مقدمہ پیش تھا مدعی کا بیان تھا کہ فلاں شخص نے میری ماں کو زانیہ کہا ہے۔ اسلیئے میں ازالہ حیثیت کا دعویدار ہوں قاضی صاحب نے مدعاعلیہ کی طرف جو اُس موقع پر موجود تھا خطاب کیا کہ تم کیا جواب دیتے ہو۔ امام ابوحنیفہ نے قاضی صاحب سے کہا کہ ابھی مقدمہ قائم نہیں ہوا مدعی کا اظہار لینا چاہیئے کہ اُسکی ماں زندہ ہے یا نہیں کیونکہ اُسکو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیئے یا اگر اُس نے اسکی معرفت مقدمہ دائر کیا ہے تو اُس کو مختارنامہ پیش کرنا چاہیئے۔ قاضی صاحب نے مدعی کا اظہار لیا معلوم ہوا کہ اسکی ماں مرچکی ہے اسپر قاضی صاحب نے مقدمہ آگے چلانا چاہا۔ امام صاحب نے کہا مدعی سے پوچھنا چاہیئے کہ اس کے بھائی بہن ہیں یا نہیں کیونکہ اگر وہ دعویدار موجود ہیں تو اُن کو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیئے۔ اسیطرح امام صاحب نے اور چند سوالات کیئے۔ جب وہ مراتب طے ہوچکے تو فرمایا کہ اب مقدمہ قائم ہوا اور آپ مدعاعلیہ کا اظہار لیجیے

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے جس طریقہ سے مقدمہ کی کارروائی شروع کی تھی اس حیثیت سے بڑھکر نہ تھا جس طرح عوام آپس میں فصل خصومات کیا کرتے ہیں لیکن امام صاحب باقاعدہ فیصلہ چاہتے جس کا ضروری اصول یہ ہے کہ ایک حق سے جتنے لوگ دعویدار ہو سکتے ہیں اُن سب کو مقدمہ میں شریک ہونا چاہیئے - تاکہ عدالت کو ایک ہی حق کو فیصلہ کرنے میں بار بار زحمت نہ اُٹھانی پڑے۔

امام صاحب نے فقہ کے اس دوسرے حصہ کی جسطرح تدوین کی اور جس ضبط و ربط سے اُسکی جزئیات کا استقصا کیا وہ اُس زمانہ کا نہایت وسیع قانون تھا - اگرچہ اُسکی تعبیر ایک عام لفظ (فقہ) سے کیجاتی ہے لیکن درحقیقت اسمیں بہت سے قوانین شامل تھے چنانچہ آج تعلیم یافتہ دنیا میں ان ہی ابواب کے مسائل جو ترتیب دیئے گئے وہ جداجدا قانون کے نام سے موسوم ہیں مثلاً قانون معاہدہ - قانون بیع - قانون لگان و مالگذاری - تعزیرات ضابطہ فوجداری وغیرہ وغیرہ

کیا فقہ حنفی رومن لاء سے ماخوذ ہے

اسی بنا پر بعض یورپین مصنفوں کا خیال[۱] ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فقہ کی تدوین میں رومن لا یعنی رومیوں کے

---

[۱] ہم نے اس خیال کو شہرت عالم کی بناپر لکھا تھا - لیکن تالیف کتاب کے بعد ہم کو معلوم ہوا مسٹر شیلڈون ایموس نے جو آج کل لندن یونیورسٹی کے لا پروفیسر ہیں - اپنی کتاب رومن سول میں اس دعوی کو بڑے شدومد سے ثابت کرنا چاہا ہے اور اس پر ایک مفصل بحث کی ہے۔ یورپ کو جو برتری آج تمام قوموں بالخصوص مسلمانوں پر حاصل ہے اُسنے یورپین مصنفوں کے دل میں بالطبع یہ بات پیدا کر دی ہے کہ وہ مسلمانوں کے تمام گذشتہ کارناموں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھیں اور اگر کوئی کمال ایسا ہو اور نمایاں ہو جس سے کسی طرح انکار نہ ہو سکے تو یہ دعوی کریں کہ وہ مسلمانوں کی ایجاد نہیں ہے بلکہ روم و یونان و مصر وغیرہ سے ماخوذ ہے یہی اثر ہے جس نے مسٹر شیلڈون ایموز کو اس بحث پر مجبور کیا انہوں نے اپنے دعوی کو فقہ حنفی تک محدود نہیں رکھا بلکہ عام قانون اسلام کی نسبت انکا یہ دعوی ہے ہم انکے مضمون کو قریباً انکے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے دعوی میں کہانتک کامیاب ہوئے ہیں وہ اپنے مضمون کو اس تمہید سے شروع کرتے ہیں "مشرق میں دفعۃً ایک بالکل جدید وطبع زاد قائم بالذات سلسلہ قانون کا پیدا ہو جانا جسکی نسبت دعوی کیا گیا ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر مبنی ہے ایک ایسی عجیب بات ہے کہ خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی کی نسبت جو دعوی کیا جاتا ہے اُسکی تاریخی بنیاد کیا ہے علاوہ دوسری شہادتوں کے مورخانہ قیاس اس دعوی کے سخت مخالف ہے" اسکے بعد پروفیسر موصوف اس کلیہ پر بحث کرکے کہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ ہر سلسلہ قانونی کو کسی اتفاقی یا فرضی واضع قانون کے نام سے موسوم کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ اس لحاظ سے ابتداہی میں ایک قوی قیاس پیدا ہوتا ہے کہ جو باترتیب و منضبط سلسلہ قانون مسلمان فاتحوں نے تمام ممالک مفتوحہ میں جاری کیا وہ بہ تبدیل ہیئت کوئی اعلی درجہ کا مکمل رواج یافتہ سلسلہ قانون تھا" پروفیسر موصوف نے تاریخی شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ جس وقت مسلمانوں نے تمام مصر کو فتح کیا تو وہاں وہی قوانین متعدد موجود تھے جو قیصر الگزانڈر سیورس کے زمانہ سے ایک مدرسہ قانون چلا آتا تھا جس کے پروفیسر تھیوفیلس قیصر کی بابت جسٹنین کا لکھا ہوا [illegible] تھی اسکندریہ میں قانون کی تعلیم جاری تھی ان واقعات کی تفصیل کے بعد پروفیسر موصوف فرماتے ہیں کہ اس قیاس کی نسبت کہ اسلامی قوانین پر رومی قانون کا اثر پڑا ہے اس قدر کہنا کافی ہوگا لیکن جس طریقہ سے کہ اسلامی فتوحات عمل میں آئیں اور جسطرح پر مسلمان ممالک مفتوحہ میں آباد ہوئے اگر ان امور پر غور کیا جائے تو یہ قیاس یقین سے بدل جاتا ہے" اسلامی فتوحات کے طریقہ سے پروفیسر موصوف نے اسطرح استدلال کیا ہے کہ شروع میں مسلمانوں نے غیر قوموں سے بجز جزیہ وصول کرنے کے اور کسی قسم کا اثر ڈالنا نہیں چاہا - لیکن

[illegible] صفحہ ۱۵۱

قانون سے بہت کچھ مدد لی اور اُسکے بہت سے مسائل اپنی فقہ میں داخل کرلیئے اس خیال کی تائید میں قرائن
پیش کئے جاتے ہیں (۱) حنفی فقہ کے بہت سے مسائل رومن لا کے مطابق ہیں۔
(۲) رومن لا تمام ممالک شام میں جاری تھا اور چونکہ مسلمانوں پر شام کی معاشرت تمدن کا بہت کچھ اثر
پڑا تھا۔ اس لیئے قیاس غالب یہ ہے کہ علمائے اسلام نے قانونی مسائل میں بھی اُس سے استفادہ حاصل کیا
(۳) اس قدر متعدد اور وسیع قوانین جو فقہ میں شامل ہیں اُنکی توجیہ بغیر اسکے نہیں ہوسکتی کہ دنیا کی اور قوانین
سے مدد لی گئی ہو۔

اس بحث کا اصلی تصفیہ تو جب ہوسکتا ہے کہ رومن لا اور حنفی فقہ کا نہایت دقت نظر اور استقصا کیساتھہ
مقابلہ کیا جاسکے جس سے یہ اندازہ ہوسکے کہ جس قدر دونوں قانونوں میں تطابق ہے وہ توارد کی حد سے متجاوز ہے
یا اسی قدر ہے جتنا کہ عموماً تمام قوموں کے قوانین بہت سی باتوں میں موافق ہوا کرتے ہیں اولاً تو رومن لا
سے واقف نہیں اور ہوتا بھی تو اتنی فرصت کہاں نصیب کہ تمام مسائل کا مقابلہ کرسکتا اس لیئے مجھکو اعتراف
کرنا چاہیئے کہ اس موقع پر جو کچھ میں لکھوں گا اُسکا رتبہ قیاس اور ظن سے زیادہ نہیں لیکن یہ یاد
رکھنا چاہیئے کہ جن لوگوں نے اس بحث کو چھیڑا ہے وہ بھی قیاس اور ظن ہی سے کام لیتے ہیں کیونکہ باوجود
تحقیق کے ہمکو کوئی ایسا منصف نہیں ملا جسکا یہ دعویٰ ہو کہ وہ رومن لا اور حنفی فقہ کے تمام یا اکثر مسائل کا مقابلہ کرچکا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹) لیکن جب علمی ترقی کا زمانہ آیا تو انہوں نے غیر قوموں کیلئے قانون وضع کئے جو خود انہیں قوموں سے ماخوذ تھے۔ پروفیسر موصوف
کے الفاظ یہ ہیں نہ تو قرآن اور نہ ابتدائی خلافت کے زمانہ میں اسبات کی کچھ کوشش ہوئی کہ جو اعلیٰ قومیں عرب کے ماتحت ہوگئی تھیں۔ ان کی
دنیوی زندگی کے پیچیدہ معاملات میں دستاندازی کی جائے نہ اسکے لئے فرصت تھی نہ دماغ اور نہ ایسے آدمی موجود تھے جو اس خدمت کو انجام دے
سکتے جب بغداد اور اندلس کے شہروں اور قاہرہ میں امن و امان کا زمانہ آیا اور مطالعہ و غور کا موقع ملا تو طب و ریاضت و منطق اور علوم انفسیہ میں ترقی ہوئی جس
طرح کہ ارسطو سے عربوں نے منطق سیکھی اسی طرح جیل ( ) ملیوا ( ) اور انکے یونانی شارحوں سے علم قانون اخذ کیا اسکے بعد پروفیسر صاحب
موصوف اس خیال قطعیت پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ قرآن میں اس قدر احکام ہیں کہ ان پر ایک قانون کی بنیاد نہیں قائم ہوسکتی پروفیسر صاحب
فرماتے ہیں کہ قرآن میں صرف یہ احکام ہیں خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ تم اپنی بیبیوں کو دو دفعہ طلاق دے سکتے ہو پھر ان کو رسمدلی یا مہربانی
سے علیحدہ کردو۔ سود خوار قیامت میں آسیب زدوں کی طرح اٹھیں گے میعادی قرض کو قلمبند کر لیا کرو اگر بیبیوں کے ساتھ انصاف نہ کرسکو
تو کئی نکاح کر سکتے ہو لیکن چار سے زیادہ نہیں مرد کو دو حصہ ملے گا۔ اور عورتوں کو ایک لیکن صرف عورتیں ہوں تو دو ثلث۔ شوہر کو نصف
حصہ ملیگا۔ مرض الموت میں وصیت کے وقت گواہوں کا ہونا ضرور ہے۔ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے۔ مکاتب کو آزادی کا معاہدہ
لکھ دو۔ اگر تمہاری مرضی ہو۔ سزائے زنا و غیبت ۱۴ پروفیسر صاحب کے نزدیک قرآن میں صرف اسی قدر قانونی احکام مذکور ہیں اور
اسلئے انکے نزدیک قرآن مجید ایک وسیع قانون کی بنیاد نہیں قرار پاسکتا چنانچہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہے قواعد اوپر درج ہوئے اس میں مشکل سے اُن کے

اس امر سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ فقہ حنفی میں ایسے مسائل موجود ہیں جو عرب اور عراق میں اسلام سے پہلے معمول بہ تھے لیکن اس میں فقہ حنفی کی خصوصیت نہیں۔ یہ سلسلہ اور آگے چلتا ہے جو مسائل آج خاص اسلام کے مسائل خیال کیے جاتے ہیں اور خود قرآن مجید میں اُن کا ذکر ہے اُن میں متعدد ایسے ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں معمول و متداول تھے علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں اُن کی تفصیل بھی کی ہے حضرت عمرؓ نے خراج و ٹیکس کے متعلق جو قاعدے مقرر کیے وہ عموماً وہی ہیں جو نوشیرواں عادل نے اپنے زمانۂ حکومت میں وضع کیے تھے اور یہ کچھ توارد نہ تھا بلکہ حضرت عمرؓ نے دانستہ نوشیرواں کی اقتدا کی تھی۔ چنانچہ علامہ طبری و ابن الاثیر نے صاف انہیں الفاظ میں تصریح کی ہے۔ ایک مقنن جب کسی ملک کے لیے قانون بناتا ہے تو اُن تمام احکام اور رسم و رواج کو سامنے رکھ لیتا ہے جو اس ملک میں اس سے پہلے جاری تھے اُن میں سے بعض کو وہ بعینہٖ اختیار کرتا ہے بعض میں ترمیم و اصلاح کرتا ہے بعض کی بالکل مخالفت کرتا ہے بے شبہ امام ابو حنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا لیکن اس حیثیت سے وہ رومن لا کی بہ نسبت ایران کے قانون سے زیادہ مستفید ہوئے ہونگے کیونکہ اولاً تو وہ خود فارسی النسل تھے اور اُنکی زبان مادری فارسی تھی دوسرے اُن کا وطن کوفہ تھا اور وہ فارس کے اعمال میں داخل تھا۔

غرض یہ امر بہرحال قابل تسلیم ہے کہ امام صاحب کو فقہ کی توضیح میں ان قواعد اور رسم و رواج سے ضرور مدد ملی ہوگی جو اُن ممالک میں جاری تھے لیکن سوال یہ ہے کہ ایسی استعانت امام صاحب کے واضع قانون ہونے کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ١٢٠) بنیاد کا پتہ لگ سکتا ہے اس لحاظ سے یہ امر اور بھی حیرت انگیز ہے کہ جو عمارت مسلمان فقہا نے ایسے مصالحہ سے تیار کی وہ قریب قریب ہر ایک موقع پر رومی قانون کی کلیوں اور جزئیوں کو یاد دلاتی ہے اسکے بعد پروفیسر موصوف نے دعویٰ کیا ہے کہ مسائل مندرجہ ذیل میں فقہ اسلام اور رومی قانون بالکل یکساں ہے اور بالآخر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ سلسلہ قانون یعنی علم فقہ دراصل رومی قانون ہے لیکن بہ تبدیل ہیئت۔ پروفیسر موصوف نے نو صفحوں میں یہ بحث لکھی ہے ہم نے اس کا خلاصہ لکھا ہے لیکن کوئی ضروری بات ترک نہیں کی بلکہ اکثر اُن کے خاص فقرے نقل کیے ہیں پروفیسر موصوف نے جن مقدمات کی ترتیب سے استدلال کیا ہے وہ مختصراً یوں بیان کیے جا سکتے ہیں" قرآن مجید میں بہت احکام ہیں اور وہ قانون نہیں بن سکتا ممالک مفتوحہ اسلام میں وہی قانون پہلے سے جاری تھا مسلمانوں نے یونان و روم وغیرہ کی تصنیفات کے ترجمے کیے" فلاں فلاں مسائل میں اسلامی فقہ اور رومی قانون متحد ہیں" یہ بحث حقیقت میں نہایت مفید اور اعتبار تحقیق بحث ہے لیکن جیسا کہ ہم نے اصل کتاب میں بیان کیا ہے اس بحث کے لیے اس شخص کو قدم رکھنا چاہیے جو فقہ اسلام و رومن لا دونوں سے پوری واقفیت رکھتا ہو پروفیسر موصوف بے شبہ رومن لا کی نسبت ہر قسم کی واقفیت کا دعویٰ کر سکتے ہیں لیکن مسائل اسلام کے متعلق انکی وسعت معلومات کا اعتراف کرنا مشکل ہے انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن مجید میں قانونی احکام [illegible] جن کی انہوں نے تفصیل کر دی ہے حالانکہ قرآن مجید کی آیات احکام کم و بیش پانسو ہیں اور اگرچہ ان میں بہت احکام عبادات وغیرہ کے متعلق ہیں اہم خاص وہ آیتیں جن میں قانونی احکام ہیں تعداد میں کم نہیں ہیں یہ آیتیں بیسیوں صدی کی تفسیریں ہیں اور علمائے ان پر متعدد تفسیریں لکھی ہیں اگر ان تمام احکام سے واقف ہوتا تو

حیثیت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ یعنی وہ ایک مستقل واضع قانون کہے جاسکتے ہیں یا صرف ناقل اور جامع۔ جہاں تک ہماری تحقیق ہے مسلمانوں نے غیر قوموں کی قانونی تصنیفات سے بہت کم واقفیت حاصل کی۔ ترجموں کی فہرست میں ہم سینکڑوں ہزاروں کتابوں کے نام پاتے ہیں لیکن وہ فلسفہ طب وغیرہ کی تصنیفات ہیں۔ قانون کی ایک کتاب کا بھی پتہ نہیں چلتا جو عربی زبان میں ترجمہ کی گئی ہو اور اس قدر قطعاً ثابت ہے کہ امام صاحب نے جس زمانہ میں فقہ کی تدوین کی کسی ایسی کتاب کا ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے یہ احتمال کہ امام ابوحنیفہ نے غیر قوموں کی تصنیفات سے فائدہ اٹھایا ہو بالکل بے اصل ہے۔ ملک میں رسم و رواج کی بنیاد پر جو احکام نافذ تھے۔ اس قابل نہ تھے کہ بغیر تحریر میں آکر قانون کا لقب حاصل کر سکتے"

مختصر یہ کہ جس قدر تاریخی قرائن موجود ہیں ان سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ امام صاحب کو روم یا فارس کی کوئی قانونی تصنیف ہاتھ آئی جسکے نمونہ پر انہوں نے فقہ کی بنیاد رکھی۔ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہ سے پہلے فقہ کے مسائل جس قدر اور جس صورت میں مدون ہو چکے تھے وہ فن کی حیثیت نہیں رکھتے تھے ان باتوں کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اگر فقہ کو ایک قانون مانا جائے تو ضرور ماننا پڑیگا کہ امام صاحب ہی اسکے مقنن اور واضع تھے۔ البتہ ان کو ملک کے رسم و رواج مسائل معمول بہا علماء کے فتاوی سے مدد ملی لیکن یہ اسی قسم کی مدد ہے جس سے دنیا کے اور واضعان قانون بھی بے نیاز نہ تھے اس لئے یہ امر امام صاحب کی مقننیت کے رتبہ کو گھٹا نہیں سکتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۱) ایک طرف پروفیسر صاحب کی وسعت معلومات کا یہ حال ہے کہ نکاح وطلاق کے مسائل میں سے انکو صرف دو مسئلے معلوم ہیں تعداد طلاق و تعداد نکاح حالانکہ قرآن مجید میں محرمات نکاح۔ موطوایا بہ جمع بین الاختین۔ نکاح۔ بامشرکات۔ طلاق قبل خلوت صحیحہ و بعد خلوت اور دونوں کے احکام خلع اور ایلاء کے مسائل تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب کو صرف شوہر کا حصہ اور یہ کہ مرد کو عورت کے دو حصہ کے برابر ملتا ہے معلوم ہے افسوس ان کو یہ معلوم نہیں کہ وراثت کا پورا باب اجمالاً قرآن مجید میں مذکور ہے اور خصوصاً والدین کا حصہ اور کلالہ کے احکام تو صاف صاف صریحاً مذکور ہیں۔ قصاص اور روایت کے مسائل بھی نہایت تفصیل سے قرآن میں مذکور ہیں اور جن میں قتل عمد اور قتل خطا اور انکے احکام کی پوری تفصیل ہے پروفیسر صاحب کو سرے سے معلوم نہیں حیرت ہے کہ اس محدود واقفیت کے ساتھ پروفیسر صاحب نے اس بحث کے طے کرنے کی کیونکر جرأت کی؟

یہ تو ضمنی بحث تھی اب ہم ان مقدمات پر توجہ کرتے ہیں جن پر پروفیسر صاحب کی استدلال کی بنا ہے اس قدر انہوں نے خود تسلیم کر لیا ہے اور واقع میں بھی صحیح ہے کہ شروع اسلام یعنی خلافت راشدہ کے اخیر زمانہ تک مسلمان غیر قوموں سے بالکل الگ رہے اور انکو قانونی احکام سے کسی قسم کی واقفیت نہیں حاصل کی اسلئے دمشق و بیروت و اسکندریہ میں اسوقت رومن لا کے جو مدرسے جاری تھے خود بقول پروفیسر صاحب کے اسلامی فقہ پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑ سکتا تھا اب قابل لحاظ یہ امر ہے کہ پروفیسر صاحب نے اسلام کے جو مسائل اس دعوی کے ساتھ پیش کئے ہیں وہ رومن لا کے موافق ہیں وہ کس زمانہ کے ایجاد شدہ مسائل ہیں مثلاً وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ مسائل ذیل یعنی اولاد سلسلہ اصولی رشتہ داران طرفی خواہ

ان عام مباحث کے بعد اب ہم اُن خاصیتوں کا ذکر کرتے ہیں جن کی وجہ سے حنفی فقہ کو اور فقہوں کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے۔

فقہ حنفی کی خصوصیتیں
فقہ حنفی کا اصول عقلی کے مواقف ہے

(۱) سب سے مقدم اور قابل قدر خصوصیت جو فقہ حنفی کو حاصل ہے وہ مسائل کا اسرار اور مصالح پر مبنی ہونا ہے احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہو گئے ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ یہ احکام تعبدی احکام ہیں یعنی ان میں کوئی سر اور مصلحت نہیں ہے مثلاً شراب خواری یا فسق و فجور صرف اس لیے ناپسندیدہ ہیں کہ شریعت نے اُن سے منع کیا ہے اور خیرات و زکوۃ صرف اس لیے مستحسن ہیں کہ شارع نے اُن کی تاکید کی ہے ورنہ فی نفسہ یہ افعال بُرے یا بھلے نہیں ہیں۔ امام شافعی کا اسی طرف میلان پایا جاتا ہے اور شاید اسی کا اثر تھا کہ ابو الحسن اشعری نے جو شافعیوں میں علم کلام کے بانی ہیں علم کلام کی بنیاد اسی مسئلہ پر رکھی۔

دوسرے فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ شریعت کے تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں۔ البتہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جنکی مصلحت عام لوگ نہیں سمجھ سکتے لیکن درحقیقت وہ مصلحت سے خالی نہیں یہ مسئلہ اگرچہ بوجہ اس کے کہ اس کے دونوں پہلو بڑے بڑے علما نے اختیار کئے ہیں ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بن گیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ اس قدر بحث و اختلاف کے قابل نہ تھا تمام مہمات مسائل کی مصلحت خدا نے خود کلام الٰہی میں مذکور ہے کفار کے مقابلہ میں قرآن کا طرز استدلال عموماً اسی اصول کے مطابق ہے نماز کی مصلحت خدا نے خود بتائی کہ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ روزہ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲) آدھا خون ملا ہو یا کل اور اُن کی اولاد۔ بی بی یا خاوند مولائی غلام آزاد یہ سب رومن لا کے موافق ہیں اس کے بعد وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں ترکہ اس طرح تقسیم کیا جاتا تھا جو سوسن لا کا طریقہ تھا یعنی کل حصے یہ تھے نصف ربع ثمن دو ثلث ایک ثلث سدس یہی حصے رومن لا میں تھے لیکن پروفیسر صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یہ حصص خود قرآن مجید میں مذکور ہیں اور قرآن مجید کی نسبت خود پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ اس میں رومی بنیاد کا پتہ نہیں لگتا البتہ ورثا کی بعض افراد قرآن مجید میں مذکور نہیں لیکن وہ زمانہ رسالت خلافت تک پوری طرح سے معین و مقرر ہو چکے تھے حدیث و آثار کی نہایت قدیم کتابیں آج موجود ہیں۔ انکو بڑے سے بڑا متعصب سے متعصب شخص بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا وصیت کے متعلق پروفیسر صاحب نے فقہ کے جن مسائل کو رومن لا سے ماخوذ سمجھا ہے انکی یہ تفصیل ہے کہ وصیت تقریری یا تحریری دو گواہوں کے سامنے وصی ایک ثلث جائداد سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا جبتک کہ ورثا راضی ہوں لیکن یہ مسائل بھی زمانہ نبوت یا خلافت کے مسائل ہیں اور اس امر سے ایک عالم عربی دان بھی انکار نہیں کر سکتا پروفیسر صاحب نے اور بھی مسائل گنائے ہیں جو انکی رائے میں رومن لا سے ماخوذ ہیں ہم ان سب کی تفصیل نہیں کر سکتے مختصراً اس قدر کہنا کافی ہے کہ انہیں اکثر مسائل اُسی زمانے کے ہیں جنکی نسبت پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کے قوانین و احکام سے کچھ واقفیت نہیں حاصل کی تھی پروفیسر صاحب کو اس بات پر بڑی حیرت ہے کہ قرآن مجید یا حدیث میں قانونی مسائل بہت کم تھے انکی بنیاد پر فقہ کا اتنا بڑا دفتر کہاں سے تیار ہو گیا اسی حیرت نے انکو مجبور کیا کہ وہ فقہ اسلام کو رومن لا کا خوشہ چین بنائیں لیکن پروفیسر صاحب کس کس بات پر حیرت کریں گے قانونی مسائل تو خیر رومن لا سے ماخوذ ہیں نماز روزہ حج زکوۃ کے متعلق قرآن مجید و احادیث میں کونسی بڑی تفصیل ہے پھر فقہ میں انہی مسائل کا ایک عظیم الشان سلسلہ کیونکر قائم ہو گیا؟ کیا

فرضیت کے ساتھ ارشاد ہوا لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ جہاد کی نسبت فرمایا حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ - اسی طرح اور احکام کے متعلق قرآن و حدیث میں جابجا تصریحیں اور اشارے موجود ہیں کہ اُن کی غرض و غایت کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب تھا اور یہ اصول اُن کے مسائل فقہ میں عموماً مرعی ہے اسی کا اثر ہے کہ حنفی فقہ جس قدر اصول عقلی کے مطابق ہے اور کوئی فقہ نہیں۔ امام طحاوی نے جو محدث اور مجتہد دونوں ہیں اس بحث میں ایک کتاب لکھی ہے جو شرح معانی الآثار کے نام سے مشہور ہے اور جس کا موضوع یہ ہے کہ مسائل فقہ کو نصوص و طریق نظر سے ثابت کیا جائے محدث مذکور نے فقہ کے ہر باب کو لیا ہے اور اگرچہ انصاف پرستی کے ساتھ بعض مسئلوں میں امام ابوحنیفہ سے مخالفت کی ہے لیکن اکثر مسائل کی نسبت مجتہدانہ طرز استدلال سے ثابت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب احادیث اور طریق نظر دونوں کے موافق ہے امام محمد نے بھی کتاب الحجج میں اکثر مسائل میں عقلی وجوہ سے استدلال کیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں چھپ گئی ہیں اور ہر جگہ ملتی ہیں جس کو تفصیل مقصود ہو ان کتابوں کی طرف رجوع کرے اس حد تو مسلّم ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب عقل کے موافق ہے شافعیہ وغیرہ کو بھی انکار نہیں اور وہ انکار کیوں کرتے ان کے نزدیک احکام شرعیہ خصوصاً عبادات جس قدر عقل سے بعید ہوں اسی قدر اُن کی خوبی ہے۔

امام رازی نے زکوۃ کی بحث میں لکھا ہے[1] کہ امام شافعی کا مذہب امام ابوحنیفہ سے زیادہ صحیح ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ امام شافعی کا مذہب عقل و قیاس سے بعید ہے اور یہی اُسکی صحت کی دلیل ہے کیونکہ زکوۃ کے مسائل زیادہ تر تعبدی احکام ہیں جن میں عقل و رائے کو دخل نہیں۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳) یہ مسائل بھی رومن لا سے ماخوذ ہیں اسکو بھی جانے دو تمام دراسلامی علوم کیونکر پیدا ہوئے؟ اور اس وسعت کو کیونکر پہنچے؟ آنحضرت کے زمانہ میں تفسیر حدیث، اصول فقہ، اصول حدیث، اسماء الرجال کے کتنے مسائل پیدا ہوئے تھے اور آج انکی کیا حالت ہے کیا آج یہ سب علوم جداگانہ فن نہیں ہیں کیا انسے مسلمانوں کی قوت نظری تیزی طبع وسعت خیال کا اندازہ نہیں ہوتا کیا یہ علوم و فنون بھی مسلمانوں نے روم و یونان سے سیکھے؟ فقہ کے جن مسائل کو پروفیسر صاحب نے رومن لا سے ماخوذ بتایا ہے وہ تو اس زمانہ کے مسائل ہیں جب خود بقول پروفیسر صاحب کے مسلمانوں نے غیر قوموں سے کچھ نہیں سیکھا تھا لیکن زمانہ بعد میں بھی فقہ نے رومن لا کا کبھی احسان نہیں اٹھایا۔ پروفیسر صاحب کا یہ دعوی صحیح ہے کہ دولت عباسیہ کے عہد ترقی میں مسلمانوں نے یونان و مصر سے علوم و فنون سیکھے لیکن انکو جاننا چاہیے کہ یونان و مصر کے شاگرد ذرا گروہ یہ خاص گروہ تھا جسے مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو غیر قوموں سے مستفید ہوتے تھے اور اسکو عیب نہیں سمجھتے تھے لیکن مسلمانوں ہی میں ایک گروہ بھی تھا اور وہی بہت بڑا گروہ تھا جو اپنے فضل و کمال کے زعم میں غیر قوموں کی طرف کبھی رخ نہیں کرتا تھا محدثین اور فقہا اسی گروہ میں داخل ہیں یونان اور روم وغیرہ کی کتابیں جو عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں انکی نہایت مفصل فہرست ہم کو یہ معلوم ہے ان میں فلسفہ، ادب، ہندسہ، نجوم، کیمیا، صنعت، تاریخ، لالف ناول کی کتابیں ہیں لیکن قانون کی ایک تصنیف بھی نہیں جس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ فقہا اور مجتہدین جو اسلام میں واضع قانون تھے غیر قوموں کی خوشہ چینی

[1] مناقب شافعی مصنفہ امام فخرالدین رازی ۱۲

بخلاف اور ہمعصروں کے امام ابو حنیفہ کا اس اصول کی طرف مائل ہونا ایک خاص سبب سے تھا دیگر ائمہ جنہوں
نے فقہ کی تدوین و ترتیب کی۔ انکی علمی ابتدا فقہی مسائل سے ہوئی تھی۔ بخلاف اس کے امام ابو حنیفہ کی تحصیل علم
کلام سے شروع ہوئی جس کی ممارست نے انکی قوت فکر اور حدت نظر کو نہایت قوی کر دیا تھا معتزلہ وغیرہ جن سے انکو معرکہ
رہتے تھے عقلی اصول کے پابند تھے اس لیے امام صاحب کو بھی انکے مقابلہ میں انہیں اصول سے کام لینا پڑتا تھا اور متنازع
فیہ مسئلوں میں مصالح و اسرار کی خصوصیتیں دکھانی پڑتی تھیں اس غور اور تدقیق مشق و مہارت سے انکو ثابت
ہو گیا تھا کہ شریعت کا ہر مسئلہ اصول عقل کے مطابق ہے علم کلام کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے تو ان مسائل
میں بھی وہی تجویز ہی حنفی فقہ کے مسائل کا دوسری فقہوں کے مسائل سے مقابلہ کیا جائے تو یہ تفاوت صاف
نظر آتا ہے۔ معاملات تو معاملات عبادات میں بھی جس کی نسبت ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ اس میں عقل کو
دخل نہیں امام صاحب کے مسائل عموماً عقل کے موافق معلوم ہوتے ہیں۔

اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ شریعت میں کن مصلحتوں سے فرض کئے گئے ہیں اور ان
مصالح کے لحاظ سے ان احکام کی بجا آوری کا کیا طریقہ ہونا چاہیے تو وہی طریقہ موزوں ثابت ہو گا جو حنفی فقہ
ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً نماز چند افعال کے مجموعہ کا نام ہے لیکن اس لحاظ سے کہ نماز کی اصل غرض کیا ہے؟ (یعنی
خضوع۔ اظہار تعبد۔ اقرار عظمت الٰہی۔ دعا) اور اس کے حاصل ہونے میں کن افعال کو کس نسبت سے دخل ہے
ان افعال کے مراتب مختلف ہیں بعض نہایت ضروری ہیں کیونکہ ان کے نہ ہونے سے نماز کی اصل غرض فوت
ہوتی ہے ان افعال کو شریعت کی زبان میں فرض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض افعال ایسے ہیں جن سے طریقہ ادا میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴) کو اپنی اصطلاح میں حرام کہتے تھے کیا امام ابو حنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد حنبل سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ
وہ مسائل فقہ کو جو ان کے نزدیک مذہب کا ایک حصہ تھا روم و یونان سے سیکھتے تھے اگر پروفیسر صاحب کو ان ائمہ کے حالات معلوم
ہوتے اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ فقہ کے تمام ابواب ان ہی بزرگوں کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے تو وہ ہرگز [illegible]

البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ بعض مسائل میں رومن لا اور فقہ اسلام متحد ہیں لیکن اس [illegible] کی تخصیص نہیں ہے
قانونوں کا گروہ کتنے ہی بے تعلق ہوں آپس میں مقابلہ کیا جائے تو [illegible] ثابت ہو نگے اور [illegible]
دنیا کے آدمیوں کی ذاتی۔ تمدنی ملکی ضرورتیں اکثر متحد اور یکساں ہیں تو ان ضرورتوں کے لحاظ سے [illegible]
مشترک ہونا کونسے تعجب کی بات ہے [illegible]

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۲۴ سطر ۹) یہ یاد رکھنا [illegible] خصوصیتوں کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ بلحاظ اکثر مسائل [illegible]
جزئیات کے لحاظ سے [illegible]
امام صاحب کے اکثر مسائل میں یہ خصوصیتیں پائی جاتی ہیں اور امام شافعی وغیرہ کے اکثر مسائل میں نہیں پائی جاتیں ۱۲

ایک حسن و خوبی پیدا کرتے ہیں لیکن اُن کے فوت ہونے سے اصل غرض فوت نہیں ہوتی۔ ان افعال کا رتبہ پہلی قسم سے کم ہے اور ان کو سنت و مستحب سے تعبیر کرتے ہیں۔

او پر ہم لکھ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرض و واجب و سنت کی تصریح نہیں فرمائی۔ لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ نماز کے تمام افعال یکساں درجہ نہیں رکھتے تھے اس لئے تمام مجتہدین نے اُن کے امتیاز مراتب پر توجہ کی اور استنباط و اجتہاد کی رو سے اُن افعال کے مختلف مدارج قائم کئے اور اُن کے جدا جدا نام رکھے۔ امام ابو حنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ لیکن اس باب میں ان کو اور ائمہ پر جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے جن افعال کو جس رتبہ پر رکھا درحقیقت انکا وہی رتبہ تھا۔ مثلاً سب سے ضروری امر یہ ہے کہ نماز کے ارکان یعنی وہ افعال جن کے بغیر نماز ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا ہیں؟ چونکہ نماز اصل میں اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا نام ہے اس لئے اس قدر تو سب مجتہدوں کے نزدیک مسلم رہا کہ نیت، تکبیر، قرأت، رکوع، سجود وغیرہ جن سے بڑھ کر اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا فرض اور لازمی ہیں اور خود شارع نے اُن کے لازمی اور ضروری ہونے کی طرف اشارے کئے۔ بلکہ بعض جگہ تصریح بھی کی لیکن اور ائمہ نے یہ زیادتی کی کہ اُن ارکان کی خصوصیتوں کو بھی فرض قرار دیدیا۔ حالانکہ وہ خصوصیتیں لازمی نہ تھیں اس لئے امام ابو حنیفہ اُن کے فرضیت کے قائل نہیں۔ مثلاً امام ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کے سوا اور الفاظ سے بھی ادا ہو سکتی ہے جو اس کے ہم معنی ہیں (مثلاً اللہ اعظم۔ اللہ اجل) امام شافعی کے نزدیک نہیں ہو سکتی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیر اگر فارسی زبان میں کہی جائے تب بھی جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی کسی آیت کے پڑھنے سے قرأت کا فرض ادا ہو جاتا ہے امام شافعی کے نزدیک بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز ہو ہی نہیں سکتی۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک جو شخص عربی میں قرآن پڑھنے سے معذور ہے وہ مجبوراً ترجمہ پڑھ سکتا ہے[١] امام شافعی کے نزدیک ترجمہ سے کسی حالت میں نماز نہیں ہو سکتی۔

اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ امام ابو حنیفہ یا کسی مجتہد نے صرف عقل و قیاس سے نماز کے ارکان متعین کئے ہیں۔ ائمہ نے ان ارکان کے ثبوت کے لئے عموماً احادیث کی تصریحات و اشارات

[١] امام محمد نے جامع صغیر میں جو روایت کی ہے اُس میں مجبوری کی قید نہیں ہے اور اسی بنا پر بعض لغویوں نے امام ابو حنیفہ پر یہ سخت اعتراض کیا ہے کہ وہ قرآن کی حقیقت و مفہوم میں الفاظ کو داخل نہیں سمجھتے یعنی اُن کے نزدیک صرف قرآن کے معانی پر قرآن کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ بیشبہ امام صاحب کی اس غلطی کو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن فقہائے حنفیہ نے دعوے کیا ہے کہ امام صاحب نے بالآخر اس قول سے رجوع کیا ہے ١٢۔

سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ ہر مجتہد کے نقلی دلائل کتب فقہ میں بتفصیل مذکور ہیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دعووں پر جس طرح نقلی دلائل یعنی احادیث کی تصریحیں اور اشارے موجود ہیں اسی طرح عقلی وجوہ بھی اُن کی صحت کے شاہد ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب شریعت کے اسرار اور مصالح کو نہایت دقیق نگاہ سے دیکھتے تھے۔

زکوٰۃ کے مسائل کا بھی یہی حال ہے زکوٰۃ کا اصلی مقصد بنی نوع کی ہمدردی اور اعانت ہے اسی لیئے زکوٰۃ کے مصرف میں وہ لوگ خاص کر دیئے گئے ہیں جو سب سے زیادہ ہمدردی اور اعانت کا استحقاق رکھتے ہیں یعنی فقراء۔ مساکین۔ عمال۔ زکوٰۃ۔ مولفۃ القلوب۔ مقروض۔ مسافر۔ غازی۔ مکاتب۔ چونکہ ان لوگوں کی تصریح خود قرآن مجید میں مذکور ہے اسی لیئے اس امر میں سب مجتہدین کا اتفاق رہا کہ یہ لوگ مصرف زکوٰۃ ہیں لیکن بعضین نے ایک اختلاف پیدا کر دیا۔ امام شافعی نے ان اقسام ذکر سے یہ خیال کیا کہ یہ سب اشخاص زکوٰۃ کے ادا میں لازمی ہیں یعنی جب تک ان آٹھوں اقسام کے لوگوں کو زکوٰۃ ادا نہ کی جائے فرض ادا نہیں ہو سکتا۔ بخلاف اس کے امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ زکوٰۃ اُن اقسام سے باہر نہ جانے پائے باقی یہ امر کہ اُن لوگوں میں سے سب کو دی جائے یا بعض کو یہ امر مقتضائے وقت اور ضرورت پر موقوف ہے امام اور حاکم وقت ضرورت کے لحاظ سے جس کو چاہے انتخاب کر سکتا ہے۔

ایک اور مسئلہ جس میں امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ مختلف ہیں یہ ہے کہ چارپایوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک زکوٰۃ میں جانور یا اُس کی قیمت ادا کی جا سکتی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک قیمت ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ حالانکہ زکوٰۃ کی غرض حاصل ہونے میں جانور اور اس کی قیمت دونوں برابر ہیں اس لیئے شارع نے بھی کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔

ان مسائل کے سوا عبادات کے سیکڑوں مسائل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی مسائل میں ہر جگہ مصالح اور اسرار کی خصوصیت ملحوظ ہے لیکن ہم تطویل کے لحاظ سے اُن سب کی تفصیل نہیں کر سکتے معاملات کے مسائل میں یہ عقدہ زیادہ حل ہو جاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب کس قدر مصالح اور اسرار کے موافق ہے۔

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حنفی فقہ بہ نسبت تمام اور فقہوں کے نہایت آسان اور سہل التعمیل ہے قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے کہ خدا تم لوگوں کے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔ رسول اللہ کا قول ہے کہ میں نرم اور آسان شریعت لے کر آیا ہوں۔ اگرچہ شریعت اسلام کو تمام اور مذہبوں کے مقابلہ میں یہ فخر حاصل ہے کہ وہ نہایت سے نہایت سہل ہے۔ اس باب میں ہم اوروں کی نسبت فقہ حنفی پر زیادہ [illegible]

دوسری خصوصیت فقہ حنفی کا آسان اور سہل ہونا

آسان اور یسیر التعمیل ہیں حنفی فقہ کو بھی اور فقہوں پر بھی ترجیح حاصل ہے۔"
حنفی فقہ کا آسان اور وسیع ہونا ایسا متعارف ہے کہ شعراء اور مصنفین اس کو ضرب المثل کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ انوری نے جو ایک فحاش اور بدزبان شاعر تھا اگرچہ بُرے موقع پر اس کا استعمال کیا اور کہا۔
ع چوں رخصت اسے بوحنیفہ ہے تاہم اس مدعا کا ثبوت اُس کے کلام سے بھی ہوتا ہے عبادات اور معاملات کا کوئی باب کوئی فصل لیلو۔ یہ تفرقہ صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مسائل ایسے آسان اور نرم ہیں جو شریعت سہلہ کی شان ہے بخلاف اس کے اور ائمہ کے بہت سے احکام نہایت سخت اور عسیر التعمیل ہیں مثلاً کتاب الجنایات و کتاب الحدود کے مسائل۔ انہی میں سے سرقہ کے احکام ہیں۔ چنانچہ ہم اُس کے چند جزئیات نمونہ کے طور پر یہاں لکھتے ہیں۔
اس قدر تو سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ سرقہ کی سزا قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنا ہے لیکن مجتہدین نے سرقہ کی تعریف میں چند شرطیں اور قیدیں لگائی ہیں جن کے بغیر قطع ید کی سزا نہیں ہوسکتی۔ ان شروط کے لحاظ سے احکام پر جو اثر پڑتا ہے وہ ذیل کی جزئیات سے معلوم ہوگا جس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب کس قدر آسان ہے اور تمدن و شائستگی کے کس قدر موافق ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مسائل	اور ائمہ کے مسائل
نصاب سرقہ کم از کم ایک اشرفی	ایک اشرفی کا ربع
اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہو تو کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔	امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔
نادان بچہ پر قطع ید نہیں	امام مالک کے نزدیک ہے۔
کفن چور پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
زوجین میں سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔	امام مالک کے نزدیک ہے
بیٹا باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔	امام مالک کے نزدیک ہے۔
قرابت قریبہ والے مثلاً بھائی وغیرہ پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
ایک شخص کسی سے کوئی چیز مستعار لے کر انکار کر گیا تو قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔

ایک شخص نے ایک چیز چرائی پھر بذریعہ ہبہ یا بیع اُس کا مالک ہو گیا تو قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
غیر مذہب والے جو مستامن ہو کر اسلام کی عملداری میں رہتے ہیں ان پر قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہیں	امام شافعی و مالک کے نزدیک ہے۔
لکڑی یا جو چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں اُن کے سرقہ سے قطع ید لازم نہیں آتا۔	اور ائمہ کے نزدیک لازم آتا ہے۔

فقہ کا ایک بڑا حصہ کتاب الحظر والاباحۃ ہے یعنی حرام و حلال۔ جائز و ناجائز کی تفصیل اسباب میں یہ دعوےٰ اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اور ائمہ کے بہت سے ایسے مسئلے ہیں جنکی پابندی کی جائے تو زندگی دشوار ہو جائے بخلاف اسکے امام ابو حنیفہ کے احکام نہایت آسان اور سہل ہیں۔ مثلاً امام شافعی کے نزدیک جو پانی اپلوں کی آگ سے گرم کیا گیا ہو اُس سے غسل اور وضو ناجائز ہے۔ رانگ۔ کانچ بلور عقیق کے برتنوں کا استعمال ناجائز ہے۔ مثلاً پشمینہ سمور پوستین وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے اور اسکو پہنکر نماز نہیں ہو سکتی برتن یا کرسیاں اور زین وغیرہ جنپر چاندی کا کام ہو انکا استعمال ناجائز ہے بیع بالمعاطاۃ یعنی خرید و فروخت کا عام طریقہ جس میں بعت و اشتریت کی تصریح نہیں کی جاتی ناجائز ہے۔ ان تمام مسائل میں امام ابو حنیفہ کا مذہب امام شافعی سے مخالف ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی فقہ۔ دوسرے فقہوں کی طرح تنگ اور سخت گیر نہیں ہے

تیسرا (۳) فقہ کا بہت بڑا حصہ جس سے دنیوی ضرورتیں متعلق ہیں معاملات کا حصہ ہے اور یہی وہ موقع ہے جہاں مجتہد کی وقت نظر اور نکتہ شناسی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک معاملات کے احکام ایسے ابتدائی حالت میں تھے کہ متمدن اور تہذیب یافتہ ملک کے لیے بالکل ناکافی تھے۔ نہ معاہدات کے استحکام کے قاعدے منضبط تھے نہ دستاویزات وغیرہ کی تحریر کا اصول قائم ہوا تھا۔ نہ فصل قضایا یا ادائے شہادت کا کوئی باقاعدہ طریقہ تھا۔ امام ابو حنیفہ پہلے شخص ہیں جو ان چیزوں کو قانون کی صورت میں لائے۔ لیکن افسوس ہے کہ جو مجتہدین اُن کے بعد ہوئے انہوں نے بجائے اس کے کہ اُس کو اور وسعت دیتے اسی غیر تمدنی حالت کو قائم رکھنا چاہا جس کا منشاء وہ زاہدانہ خیالات تھے جو انکے دلوں پر چھا گئے تھے۔ ایک مشہور محدث فقہا پر طعن کیا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک جب کسی زمین کا دعویٰ کسی عدالت میں پیش کیا جائے تو ضرور ہے کہ عرضی دعوے میں زمین کا وقعہ بتایا جائے اسکی حدود اربعہ لکھی جائیں حیثیت اور دعوے کی تفصیل کیجائے حالانکہ رسول اللہ یا صحابہ کے زمانہ میں ان جزئیات اور قیدوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ محدث مذکور کے

نزدیک یہ بڑے الزام کی بات ہے لیکن اگر ان کو کسی ترقی یافتہ ملک میں رہنے کا اتفاق ہوتا اور معاملات سے
بھی کام پڑتا تو معلوم ہوتا کہ جن چیزوں کو وہ الزام کی بات سمجھتے ہیں اُن کے بغیر زندگی بسر کرنی مشکل ہے
امام شافعی ہبہ کے لیئے قبضہ کو ضروری نہیں سمجھتے شفعہ ہمسایہ کو جائز نہیں رکھتے تمام معاملات میں
مستورالحال کی شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں گواہان نکاح کے لیئے ثقہ اور عادل ہونے کی قید ضروری
سمجھتے ہیں۔ ذمیوں کے باہمی معاملات میں بھی اُن کی شہادت جائز نہیں قرار دیتے بےشبہ یہ باتیں اُن ممالک
میں آسانی سے چل سکتی ہیں جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی ہے اور معاملات کی صورتیں بالکل سادہ
اور بےپیچ حالت میں ہیں۔ لیکن جن ملکوں میں تمدن نے ترقی حاصل کی ہو معاملات کی مختلف اور پیچ در پیچ
صورتیں پیدا ہو جاتی ہوں حقوق کی تجدید اور انضباط کے بغیر چارہ نہ ہو وہاں ایسے احکام کا قائم رہنا
آسان نہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان تمام مسائل میں امام ابوحنیفہ امام شافعی سے مخالف ہیں۔ مورخ ابن خلدون
نے لکھا ہے کہ امام مالک کا مذہب انہی ممالک میں رواج پا سکا جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی تھی اور
اس کی وجہ یہی ہے کہ امام مالک کے مسائل میں اصول تمدن کی رعایت نہ تھی امام ابوحنیفہ نے جس دقت نظر اور
نکتہ شناسی کے ساتھ معاملات کے احکام منضبط کیئے اس کا صحیح اندازہ تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ معاملات
کے چند ابواب پر ایک مفصل ریویو لکھا جائے لیکن ایسی تفصیل کے لیئے نہ وقت مساعد ہے نہ اس مختصر کتاب
میں اس کی گنجائش ہے تاہم اس لیئے نمونہ کے طور پر ہم صرف مسائل نکاح کا ذکر
کرتے ہیں جو عبادات اور معاملات دونوں کا جامع ہے۔

نکاح کو اگرچہ فقہا نے عبادات میں شامل کیا ہے لیکن یہ صرف ایک اصطلاح ہے۔ ورنہ نکاح پر جسقدر تمدن
اور معاشرت کے وسیع نتائج اس پر متفرع ہوتے ہیں۔ معاملات کا نہایت ضروری حصہ قرار دیا جا سکتا ہے
مسائل نکاح کے انتخاب کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ بعض بعض یورپین مصنفوں نے یہ دعوے کیا ہے
کہ حنفی فقہ کے مسائل نکاح نہایت وحشیانہ اور ظالمانہ ہیں۔ لیکن ہم اس بحث میں دکھا دیں گے کہ آج مہذب سے
مہذب ملکوں میں بھی نکاح کے قواعد حنفی فقہ سے عمدہ تر نہیں ہیں۔ مسٹر ہم نے اپنی کتاب پونٹی میں لکھا ہے
کہ روشن کے بموجب قواعد نکاح ایک مجموعہ ظلم ہیں"

لیکن ہم ثابت کر دیں گے کہ حنفی فقہ کے بموجب قواعد نکاح مجموعہ انصاف ہیں۔ غالباً اس بحث سے
اُن لوگوں کے خیالات کی بھی کسیقدر اصلاح ہوگی جو غلطی سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ حنفی فقہ روشن کا نمونہ ہے
نکاح و انتظام رحم۔ تمدن اور معاشرت کا نہایت وسیع حصہ ہے۔ نکاح بقول ایک حکیم کے جماعتوں کا شیرازہ
تہذیب کی اصل، تمدن کی بنیاد ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ مقنن نے اس کے اصول وضوابط کی

عمدہ توضیح یا تشریح کی وہ قانون تمدن کا بہت بڑا نکتہ شناس ہے اگرچہ امام ابوحنیفہ ان اصول وضوابط کے موجد نہیں ہیں۔ شارع نے خود اس کے اہمات مسائل بتا دیئے تھے۔ تاہم جس نکتہ سنجی کے ساتھ انہوں نے ان اصول کی تشریح کی اور اس پر احکام متفرع کئے وہ خود ایک بڑے مقنن کا کام تھا۔ شارع کا کلام کہیں مجمل واقع ہوا تھا کہیں محتمل المعنیین بعض جگہ صرف اشارے تھے۔ خاصکر جزئیات بہت کم مذکور تھیں یہی وجہ ہے کہ نکاح کے اکثر مسائل میں مجتہدین کی مختلف رائیں قائم ہوگئیں یہی مختلف فیہ مسائل ہیں جن میں امام صاحب کے اجتہاد کے جوہر کھلتے ہیں اور صاف نظر آتا ہے کہ جس طرح انہوں نے ان موقعوں پر شارع کے اجمال کی تفصیل کی احتمالات کے محل معین کئے۔ اشاروں کی تصریحیں بتائیں جزئیات کی تفریع کی وہ انہیں کا کام تھا جن میں اور مجتہدین کسی طرح ان کی ہمسری نہیں کر سکتے۔

نکاح کے مسائل جن اصول پر متفرع ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) کن لوگوں کے ساتھ نکاح ہونا چاہیئے۔

(۲) معاملہ نکاح کس کے اختیار سے ہونا چاہیئے۔

(۳) اس کی بقا و ثبات کا استحکام کس حد تک ضروری ہے۔

(۴) فریقین کے حقوق کیا قرار دیئے جائیں۔

(۵) نکاح کن دستورات اور رسوم کے ساتھ عمل میں آئے۔

محرمات نکاح

یہ امر کہ نکاح کی وسعت کو کس حد تک محدود کیا جائے۔ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ تمام مذاہب میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ ہر قوم نے چند محرمات قرار دیئے ہیں جنکے ساتھ ازدواج کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہ محرمات تمام مذہبوں میں مشترک ہیں جس کی وجہ یہی ہے کہ یہ امر نہایت صریح اصول عقلی پر مبنی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور فلاسفر بنتھم نے کتاب پولیٹکس میں محرمات کی حرمت کے جو دلائل قائم کئے بالکل مشترک ہیں چونکہ یہ امر بالکل اصول فطرت کے مطابق ہے اور قرآن مجید میں محرمات کے نام تصریحاً مذکور ہیں اس لئے اصل مسئلہ میں تمام مجتہدین کا اتفاق رہا لیکن جزئیات ظاہر نص کے ذیل میں نہیں آتیں۔ ان میں اختلاف پیدا ہوگیا ان میں حرمت بالزنا کا مسئلہ ہے جو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے اختلاف کا ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے امام شافعی کا مذہب ہے کہ زنا سے حرمت کے احکام نہیں پیدا ہوتے مثلاً باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو بیٹے کا نکاح اس عورت سے ناجائز نہیں ہے۔ امام شافعی نے یہاں تک وسعت دی ہے کہ ایک شخص نے اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اور اس سے لڑکی پیدا ہوئی تو خود وہ شخص اس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے انکی دلیل ہے کہ زنا ایک حرام فعل ہے اس لئے وہ حلال کو حرام نہیں کر سکتا امام ابوحنیفہ

اس کے بالکل مخالف ہیں۔ ان کے نزدیک مقاربت کے ذریعہ سے مرد اور عورت کے تعلقات پر جو فطری اثر پڑتا ہے وہ نکاح پر محدود نہیں ہے اور یہ بالکل صحیح ہے محرمات کی حرمت جس اصول پر مبنی ہے اسکو نکاح کی ساتھ خصوصیت نہیں اپنے نطفہ سے جو اولاد ہو گو زنا ہی سے ہو اس کے ساتھ نکاح و مقاربت کا جائز رکھنا بالکل اصول فطرت کے خلاف ہے۔ باپ کی موطوءہ کا بھی یہی حال ہے وعلی القیاس خود قرآن مجید میں اسکے اشارے موجود ہیں لیکن چونکہ یہاں نقلی بحث نہیں ہم اس کا ذکر نہیں کرتے۔

… نکاح … اختیار

دوسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا مختار کون ہے؟ یہ ایک نہایت مہتم بالشان سوال ہے اور نکاح کے اثر کی خوبی یا برائی بہت کچھ اسی امر پر منحصر ہے۔ امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک عورت گو عاقلہ بالغہ ہو نکاح کے بارے میں خود مختار نہیں یعنی کسی حال میں وہ اپنا نکاح آپ نہیں کر سکتی۔ بلکہ ولی کی محتاج ہے۔ ان بزرگوں نے ایک طرف تو عورت کو اس قدر مجبور کیا۔ دوسری طرف ولی کو ایسے وسیع اختیارات دیئے کہ وہ زبردستی جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح باندھ دے عورت کسی حال میں انکار نہیں کر سکتی۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک بالغہ عورت اپنے نکاح کی آپ مختار ہے بلکہ اگر نابالغی کی حالت میں ولی نے نکاح کر دیا ہو تو بالغ ہو کر وہ نکاح فسخ کر سکتی ہے۔

اس اختلاف کی اصل بنیاد عورتوں کے حقوق کے مسئلہ پر مبنی ہے۔ تمام مذہبوں میں عورتوں کی حالت نہایت پست قرار دی گئی ہے اور ان کے حقوق نہایت تنگدلی سے قائم کئے گئے ہیں۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کے ہاں عورت کو میراث نہیں ملتی خود عرب میں اسلام سے پہلے یہی دستور تھا۔ اسی طرح اور بہت سے امور ہیں جن سے عورتوں کا کم رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن اسلام نے مردوں اور عورتوں کے حقوق یکساں درجہ پر قائم کئے ہیں اور فرمایا للرجال نصیب مما اکتسبوا و للنساء نصیب مما اکتسبن امام ابو حنیفہ نے تمام مسائل میں اس اصول مساوات کو مرعی رکھا ہے اور یہی خصوصیت ہے جو اس باب میں ان کی فقہ کو اور ائمہ کی فقہ سے ممتاز کرتی ہے مثلاً امام ابو حنیفہ کے نزدیک نکاح۔ طلاق عتق وغیرہ معاملات میں عورتوں کی شہادت اسی طرح معتبر ہے جس طرح مردوں کی۔ بخلاف اس کے اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک عورتوں کی شہادت کا اعتبار نہیں بعض معاملات میں ان بزرگوں نے عورتوں کی شہادت جائز بھی رکھی ہے تو یہ قید لگائی ہے کہ دو سے کم نہ ہوں اور امام شافعی کے نزدیک چار سے کم کسی حالت میں قابل اعتبار نہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جس طرح ایک مرد کی گواہی معتبر ہے عورت کی بھی ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک عورت منصب قضا پر مامور کی جا سکتی ہے لیکن اور ائمہ مخالف ہیں۔ اسی بنا پر انکے نزدیک جب مرد نکاح کے معاملہ میں خود مختار قرار دیا گیا ہے تو عورت کو بھی ایسا ہی اختیار دینا چاہئیے۔

اس عام اصول مساوات کے قطع نظر صورت متنازعہ میں خصوصیت کیوجہ یہ بھی ہے کہ نکاح کا معاملہ عام معاملات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا نکاح ایک ایسا تعلق ہے جس کا اثر نہایت وسیع ہے اور زندگی کے اخیر وقت تک قائم رہتا ہے۔ اس لئے ایسے معاملہ میں ایک فریق کو بالکل بے اختیار رکھنا نہایت نا انصافی ہے۔

اس بحث میں امام شافعی کا مدار محض نقلی دلیلوں پر ہے لیکن اس میدان میں بھی امام ابوحنیفہ ان سے پیچھے نہیں۔ اگر امام شافعی کو لا نکاح الا بولی پر استدلال ہے تو امام صاحب کی طرف الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستاذن فی نفسہا موجود ہے لیکن اس بحث کا یہ موقع نہیں۔

تیسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا استحکام و بقا کس حد تک ضروری ہے عقد نکاح کی خوبی کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے یعنی یہ کہ وہ تمدن کی بنیاد اور جماعتوں کا شیرازہ ہے یہ اُسی حالت میں ہے جب وہ ایک مضبوط اور دیرپا معاملہ قرار دیا جائے ورنہ وہ صرف قضائے شہوت کا ایک ذریعہ ہے امام ابوحنیفہ نے اس اصول کو نہایت قوت کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے۔ انہوں نے طریقہ انعقاد تعیین مہر۔ ایقاع طلاق۔ نفاذ خلع کے جو قاعدے قرار دئے ہیں ان سب میں اسی اصول سے کام لیا ہے۔

اسباب میں سب سے مقدم انکا مسئلہ ہے کہ الطلاق مع استقامة حال الزوجین حرام یعنی جب تک زوجین کیحالت استقامت پر ہے طلاق دینا حرام ہے ضرورت اور مجبوری کی حالت میں طلاق کو جائز قرار دیا ہے اُسکا طریقہ ایسا رکھا ہے جس سے اصلاح اور رجعت کی امید منقطع نہو یعنی یہ کہ تین بار کرکے طلاق دے اور ہر طلاق میں ایک مہینہ کا فاصلہ ہو تاکہ اس اثنا میں شوہر کو اپنے ارادے کے فیصلہ کرنیکے لئے کافی وقت ملے اگر وہ اس ارادے سے باز آنا چاہے تو باز آسکے۔ اور مستحب یہی ہے کہ باز آئے اس وسیع مدت میں بھی اگر اصلاح و آشتی کی توقع نہو۔ اور تجربے سے ثابت ہوجائے کہ فریقین کی باہمی کسیطرح اصلاح پذیر نہیں ہے تو مجبوراً طلاق دے طلاق کے بعد اُس کو مہر ادا کرنا۔ اور تین مہینہ تک زوجہ کی خورد ونوش کی کفالت کرنی ہوگی اس سے یہ مقصد ہے کہ جب تک وہ دوسرا شوہر نہ پیدا کرسکے گذر اوقات کے لئے اُسکو تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور مہر کی رقم عام مصارف میں کام آئے اسباب میں امام صاحب کے مسائل جو اور ائمہ سے مختلف ہیں ہم انکو ذیل میں یکجائی طور پر لکھتے ہیں جس سے اندازہ ہوسکے گا کہ امام صاحب نے معاملہ نکاح کو کیسا مہتم بالشان اور مضبوط معاملہ سمجھا ہے اور ہر حالت میں اُس کے قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

(۱) جبتک فریقین کیحالت میں استقامت ہو طلاق حرام ہے۔	امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں
(الف) ایک بار تین طلاق دینا حرام ہے اور اس کا مرتکب عاصی ہے۔	امام شافعی اور امام احمد حنبل کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں۔

(۳) مہر کی تعداد کسی حالت میں دس درہم سے کم نہیں ہو سکتی۔ اس سے یہ مقصد ہے کہ مرد کو فسخ طلاق پر آسانی سے جرأت نہ ہو کیونکہ یہ تعداد غریب اور مفلس کے لیئے ہے جسکو اس رقم کا ادا کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے امیروں کو دو چار ہزار کا ادا کرنا	امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک ایک حبہ بھی مہر ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مرد بے دریغ بے سوچے سمجھے طلاق دینے پر جرأت کر سکتا ہے اور عورت کو بوجہ اس کے کہ تفریق کے بعد محض مفلس اور نادار رہ گئی تکلیف کا احتمال ہے۔
(۴) خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔	امام شافعی کے نزدیک نصف واجب ہوتا ہے۔
(۵) جسمانی بیماریاں مثل برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہیں ہو سکتیں۔	امام شافعی و مالک کے نزدیک ان کی وجہ سے فسخ نکاح ہو سکتا ہے۔
(۶) اگر کوئی شخص مرض الموت میں طلاق دے اور عدت کے زمانہ میں اُس کا انتقال ہو جائے تو عورت کو میراث ملیگی۔	امام شافعی کے نزدیک نہیں ملے گی۔
(۷) طلاق رجعی کی حالت میں وطی حرام نہیں ہے یعنی زوجیت کا تعلق ایسی معمولی بیزاری سے منقطع نہیں ہوتا۔	امام شافعی کے نزدیک حرام ہے گویا وہ بائنہ ہو چکی
رجعت کیلئے اظہار زبانی کی ضرورت نہیں ہر فعل جس سے رضامندی ظاہر ہو رجعت کیلئے کافی ہے مطلب یہ ہے کہ آسانی دیجائے تاکہ رجعت بادنیٰ مسامحت ہو سکے۔	امام شافعی کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار رجعت ہو ہی نہیں سکتی۔
(۸) رجعت پر گواہ مقرر کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ورنہ بعض حالتوں میں گواہ نہ مل سکے اور رجعت کی مدت قریب الانقضا ہو تو طلاق بائن ہو جائیگی۔	امام مالک کے نزدیک بغیر استشہاد کے رجعت صحیح نہیں ہے۔

النکاح ما الفقہ

نکاح کے قواعد مرتب ہونے کیلئے یہ ایک نہایت ضروری امر ہے کہ فریقین کے حقوق نہایت فیاضی اور اعتدال کے ساتھ قائم کئے جائیں۔ عورتوں کو مردوں کیساتھ جن باتوں میں مساوات حاصل ہے وہ باطل نہونے پائے کیونکہ نکاح سے عورت کو اپنے امن و راحت کی توقع ہونی چاہیئے نہ یہ کہ اُسکے اصلی حقوق میں زوال آئے یہ اسلام کی خاص فیاضی ہے جسکی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں ملسکتی کہ اس نے معاملہ نکاح میں عورتوں کے حقوق نہایت وسعت

کے ساتھ قائم کئے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے اس اصول کو تمام مسائل میں محفوظ رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان مسائل میں جہاں اور ائمہ نے اُن سے اختلاف کیا ہے صریح غلطی کی مثلاً خلعہ کا معاملہ جو طلاق سے مشابہ ہے۔

عورتوں کے حقوق

اس باب میں تو سب ائمہ متفق ہیں کہ جسطرح مرد کو طلاق کا حق دیا گیا ہے اسیطرح عورت کو کچھ معاوضہ دیکر خلع کا اختیار ہے۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ اس معاوضہ کی کیا صورت ہے۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ اگر عورت کا قصور ہے اور خود اسکی بدسلوکی تفریق کا سبب ہوئی ہے تو اس مہر کی مقدار کے برابر شوہر کو معاوضہ دینا چاہیئے۔ مرد اگر اس مقدار سے زیادہ معاوضہ کا خواہاں ہو تو مکروہ ہے لیکن اگر مرد کی شرارت ہے تو عورت بغیر کسی جرمانہ ادا کرنے کے خلع کی مستحق ہے اور مرد کو خلع کا معاوضہ لینا مکروہ ہے۔ امام شافعی و امام مالک کے نزدیک اول اگر مرد جسقدر چاہے معاوضہ لے سکتا ہے۔ اور اسپر عورت کو مجبور کر سکتا ہے اس سے بڑھکر یہ کہ گو شرارت و زیادتی مرد کی ہو تاہم وہ عورت سے معاوضہ لے سکتا ہے۔ اور جسقدر چاہے لے سکتا ہے حالانکہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ عورت بے گناہ بھی ہو اور معاوضہ بھی ادا کرے۔

رسوم نکاح

اخیر بحث یہ ہے کہ نکاح کن دستورات کے ساتھ عمل میں آئے۔ ان رسوم میں صرف دو مقصود پیش نظر ہیں اول یہ کہ فریقین کی رضامندی محقق ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ واقعہ عقد کا اشتہار ہو جائے۔ ان اغراض کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ نے نہایت مناسب قاعدے قرار دئے ہیں یعنی یہ کہ فریقین ایسے الفاظ استعمال کریں جس سے ظاہر ہو کہ انہوں نے معاملہ نکاح کو قبول کر لیا ہے اور یہ کہ عقد نکاح دو گواہوں کے سامنے عمل میں آئے یہ دونوں سادہ اور آسان شرطیں ہیں جو ہر موقع پر استعمال کیجا سکتی ہیں لیکن بعض ائمہ نے بخلاف اسکے ان شرطوں میں ایسی سخت قیدیں لگائی ہیں جنکی پابندی نہایت مشکل ہے امام شافعی کا مذہب ہے کہ گواہان نکاح عادل ہونے چاہئیں ورنہ نکاح صحیح نہیں۔ عدالت کے جو معنی مجتہدین اور خاصکر امام شافعی نے بیان کئے ہیں اُس کے لحاظ سے ہزاروں میں ایک آدھ عادل ہو سکتا ہے اسی لئے اگر یہ قید ضروری سمجھی جاوے تو صحیح نکاح کا وجود ڈھونڈے نہ مل سکے امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک ضروری ہے کہ گواہ مرد ہوں لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورتیں بھی گواہ ہو سکتی ہیں اور یہی قرین عقل بھی ہے۔ امام شافعی نے یہ بھی قید لگائی ہے کہ خاص تزویج کے الفاظ استعمال کئے جائیں حالانکہ خاص الفاظ کی پابندی کا کچھ حاصل نہیں جو الفاظ اس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً ہبہ، تملیک وغیرہ سب عقد نکاح کے لئے کافی ہیں۔

چوتھی خصوصیت ذمیوں کے حقوق

(۴) ایک بڑی خصوصیت جو حنفی فقہ کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اسنے ذمیوں یعنی ان لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہیں لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں نہایت فیاضی اور آزادی سے حقوق بخشے ہیں اور یہ وہ خصوصیت ہے جسکی نظیر کسی امام اور مجتہد کے مسائل میں نہیں ملتی۔ اگرچہ ذمیوں کے حقوق کی حفاظت خود شارع علیہ السلام کی ہدایتوں میں

جابجا موجود ہے لیکن چونکہ وہ عام کلیات ہیں اسکے علاوہ شارع کے بعض اقوال بظاہر اسکے خلاف معلوم ہوتے ہیں اسلیے اُن کی تعبیر مطالب میں اختلافات پیدا ہوئے ہیں تاہم کچھ شبہ نہیں کہ جو تعبیر امام ابوحنیفہ نے کی وہی صحیح تعبیر تھی اسلام نہایت وسیع دنیا پر حکمران رہا ہے اور اُسکی حدود حکومت میں سینکڑوں غیر قومیں آباد تھیں اور ہیں اس لئے اگر اُنکے حقوق کی واجبی حفاظت نہ کیجائے تو ایک دن بھی امن قائم نہیں رہ سکتا۔ امام ابوحنیفہ نے ذمیوں کو جو حقوق دیئے ہیں دنیا میں کسی گورنمنٹ نے کبھی کسی غیر قوم کو نہیں دیئے۔ یورپ جسکو اپنے قانون انصاف پر بڑا ناز ہے بیشک نئے بانی دعوی کر سکتا ہے لیکن عملی مثالیں نہیں پیش کر سکتا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کے یہ احکام اسلامی گورنمنٹوں میں عموماً نافذ تھے اور خاصکر ہارون رشید اعظم کی وسیع حکومت انہیں احکام پر قائم تھی سب سے بڑا مسئلہ قتل وقصاص کا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے یعنی اگر مسلمان ذمی کو عمداً قتل کر ڈالے تو مسلمان بھی اُس کے بدلے قتل کیا جاویگا اور اگر غلطی سے قتل کیا ہے تو جو خون بہا مسلمان کے قتل بالخطا سے لازم آتا ہے وہی ذمی کے قتل سے بھی لازم آئیگا۔

کتاب الخراج
[illegible]

تذکرہ امام رازی نے اپنی کتاب مناقب الشافعی میں حنفیوں کو طعنہ دیا ہے کہ اُنکے نزدیک ابوبکر صدیق کا خون اور ایک ذلیل ذمی کا خون برابر ہے یعنی اگر ابوبکر صدیق بے جرم کسی ذمی کو قتل کر ڈالتے تو حنفیوں کے نزدیک وہ بھی قتل کئے جانیکے مستحق تھے حنفیوں نے اس مسئلہ کی تعمیم میں کہیں یہ مثال نہیں دی ہے۔ امام رازی نے اس غرض سے کہ وہ اس مسئلہ کو بدنما کرکے دکھائیں خود یہ مثال فرض کی ہے لیکن ہم فخر کیساتھ اس طعنہ کو قبول کرتے ہیں بے شبہ انصاف اور حق کی حکومت میں شاہ وگدا مقبول ومردود کا ایک رتبہ ہے بے شبہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہے کہ اس نے اپنی رعایا کو اپنے برابر سمجھا اسلام کو اس انصاف پر ناز ہو سکتا ہے اور اگر امام رازی کو عار آتی ہے تو آئیے خود صحابہ کا کیا قول اور کیا عمل تھا؟ حضرت علی کا قول ہے من کانت لہ ذمتنا فدمہ کدمنا ودیتہ کدیتنا یعنی ذمی کا خون ہمارا خون ہے اور اُسکی دیت ہماری دیت ہے حضرت علی پر موقوف نہیں تمام مہاجرین وانصار کا یہی قول تھا اور اسی پر عمل تھا عبید اللہ جو حضرت عمر فاروق کے فرزند تھے انہوں نے حضرت عمر کے زخمی ہونیکے وقت دو شخصوں کو جو کافر تھے اور جنپر اُنکا شبہہ تھا قتل کر ڈالا۔ جب حضرت عثمان مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے مہاجرین وانصار کو بلایا اور اس بارہ میں رائے پوچھی۔ تمام مہاجرین نے بالاتفاق کہا کہ عبید اللہ کو قتل کرنا چاہیئے۔

امام ابوحنیفہ نے ذمیوں کیلئے اور جو قواعد مقرر کئے وہ نہایت فیاضانہ قواعد ہیں وہ تجارت میں مسلمانوں کیطرح آزاد ہیں۔ ہر قسم کی تجارت کر سکتے ہیں۔ اور اُن سے اسی شرح سے ٹیکس لیا جائیگا جسطرح مسلمانوں سے لیا جاتا ہے جزیہ جو اُن کی محافظت کا ٹیکس ہے اُس کی شرح حسب حیثیت قائم کیجائیگی مفلس شخص جزیہ سے بالکل معاف ہے اگر کوئی شخص جزیہ کا باقی دار ہو کر مرجائے تو جزیہ ساقط ہو جائیگا ذمیوں کے معاملات انہی کی

شریعت کے موافق فیصل کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ مثلاً اگر کسی مجوسی نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا تو اسلامی گورنمنٹ اس نکاح کو اس کی شریعت کے موافق صحیح تسلیم کریگی۔ ذمیوں کی شہادت انکے باہمی مقدمات میں مقبول ہوگی ذمیوں کی اعزازی حالت یہ ہے کہ وہ حرم محترم میں جا سکتے ہیں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں آباد ہوسکتے ہیں تمام مسجدوں میں بغیر اجازت کے داخل ہوسکتے ہیں بجز اُن خاص شہروں کے جو مسلمانوں نے آباد کئے ہیں ہر جگہ وہ اپنی عبادت گاہ بنا سکتے ہیں۔ وہ اگر حربی کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیں تو سپہ سالار انپر اعتماد کرسکتا ہے اور اُن سے ہر طرح اعانت لے سکتا ہے۔

اس قسم کے اور احکام ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے عموماً تمام معاملات میں ذمیوں کے حقوق مسلمانوں کے برابر قرار دیئے ہیں، بلکہ سچ یہ ہے کہ بعض امور میں تو انہوں نے اعتدال سے زیادہ فیاضی کی ہے مثلاً اس امر میں کہ ذمی کس حالت میں عہد سے باہر ہوجاتا ہے اُن کا مذہب ہے کہ بجز اس حالت کے کہ ان کے پاس جمعیت ہو اور وہ گورنمنٹ سے مقابلہ پیش آئیں۔ اور کسی صورت میں اُن کے حقوق باطل نہیں ہوتے مثلاً کوئی ذمی جزیہ نہ ادا کرے، یا مسلمان عورت کیساتھ زنا کا مرتکب ہو۔ یا کافروں کی جاسوسی کرے۔ یا کسی مسلمان کو کفر کی ترغیب دے۔ یا خدا اور رسول کی شان میں بے ادبی کرے تو ان تمام حالتوں میں وہ سزا کا مستحق ہوگا لیکن باغی نہ سمجھا جائیگا اور اُس کے حقوق باطل نہیں گے۔

اب اس کے مقابلہ میں اور ائمہ کے مسائل دیکھو امام شافعی کے نزدیک کسی مسلمان نے گو بجبر اور عمداً کسی ذمی کو قتل کیا ہو تاہم وہ قصاص سے بری رہیگا صرف دیت دینی ہوگی یعنی مالی معاوضہ ادا کرنا ہوگا۔ وہ بھی مسلمان کی دیت کی ایک ثلث اور امام مالک کے نزدیک نصف تجارت میں یہ سختی ہے کہ ذمی اگر تجارت کا مال ایک شہر سے دوسرے شہر کو لیجائے تو سال میں جتنی بار لیجاوے ہر بار اُس سے نیا ٹیکس لیا جاویگا۔ جزیہ کے متعلق امام شافعی کا مذہب ہے کہ کسی حال میں ایک اشرفی سے کم نہیں ہوسکتا اور بوڑھے اندھے اپاہج مفلس تارک الدنیا تک اس سے معاف نہیں بلکہ امام شافعی سے ایک اور روایت ہے کہ جو شخص مفلس ہونیکی وجہ سے جزیہ ادا نہیں کرسکتا وہ اسلام کی عملداری میں رہنے پائے خراج جو انپر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مقرر کیا گیا تھا اُسپر اضافہ ہوسکتا ہے مگر کسی صورت میں کمی نہیں ہوسکتی ذمیوں کی شہادت گو فریقین مقدمہ ذمی ہوں کسی حال میں مقبول نہیں اس مسئلہ میں امام مالکؒ و امام شافعی دونوں متفق الرائے ہیں ذمی کبھی حرم میں داخل نہیں ہوسکتا اور نہ وہ مکہ اور مدینہ منورہ میں آباد ہوسکتا ہے امام شافعی کے نزدیک عام مسجدوں میں اجازت کیساتھ داخل ہوسکتا ہے لیکن امام مالک اور امام حنبل کے نزدیک اُس کو بالکل اجازت نہیں مل سکتی ذمی اسلامی حدود حکومت میں کہیں اپنی عبادت گاہ نہیں بنا سکتا۔ ذمیوں پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا اور وہ اسلامی فوج میں نہیں شریک ہوسکتے۔ ذمی اگر کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے یا کسی مسلمان عورت سے

ساتھ زنا کا مرتکب ہو تو اسیوقت اُس کے تمام حقوق باطل ہو جاوینگے اور وہ کافر حربی سمجھا جاویگا یہ احکام بھی عیسائیوں اور یہودیوں کیساتھ خاص ہیں امام شافعی کے نزدیک بُت پرستوں کو جزیہ ادا کرنے پر بھی اسلامی حدود میں رہنے کی اجازت نہیں۔

یہ تمام احکام ایسے سخت ہیں جنکا تحمل ایک ضعیف سے ضعیف محکوم قوم بھی نہیں کرسکتی اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی وغیرہ کا مذہب سلطنت کیساتھ نہ نبہ سکا مصر میں بے شبہ ایک مدت تک گورنمنٹ کا مذہب شافعی تہا لیکن اس کا نتیجہ تھا کہ عیسائی اور یہودی قومیں اکثر بغاوت کرتی تہیں۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں ذمیوں کے متعلق چند ایسے احکام بھی مذکور ہیں جو نہایت سختی اور تنگدلی پر مبنی ہیں اور چونکہ وہ اس طریقہ سے ظاہر کئے گئے ہیں کہ گویا وہ خاص امام ابوحنیفہ کے مسائل ہیں اسلئے غیر قوموں کو مذہب حنفی پر بلکہ عموماً مذہب اسلام پر حملہ کرنیکا موقع ملا ہے ہدایہ میں ہے کہ ذمیوں کو ضرور ہے کہ وہ ہتیار نہ لگائیں۔ زنار پہنیں۔ اُن کے گھروں پر علامت بنا دی جاوے جس سے ظاہر ہو کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ وغیرہ وغیرہ صاحب ہدایہ نے ان احکام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ذمیوں کی تحقیر ضروری ہے۔

فتاوی عالمگیری میں اس سے بھی زیادہ سخت وبیرحمانہ احکام ہیں لیکن یہ جو کچھ ہے متاخرین فقہا کی ایجاد ہے ورنہ امام ابوحنیفہ کا دامن اس داغ سے پاک ہے۔

امام ابوحنیفہ سے جو کچھ اس باب میں مروی ہے وہ صرف اسقدر ہے[1] کہ ذمی زنار باندہیں اور ایسے زین پر سوار ہوں جنکی شکل ہتیلی کی سی ہوتی ہے۔ البتہ قاضی ابویوسف صاحب[2] نے بعض اور احکام اسپر بڑہائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ذمی مسلمانوں کے ساتھ وضع قطع لباس سواری میں مشابہت نہ اختیار کریں۔ اور لمبی ٹوپیاں اوڑھیں اور انکے زین کے آگے گول لکڑی ہو اور اُن کی جوتیوں کے تسمے دوہرے ہوں اور اُن کی عورتیں کجاوؤں پر نہ سوار ہوں قاضی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ذمیوں کے بارہ میں یہی احکام صادر کئے تھے۔ اور اُس کی وجہ خود حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ذمیوں کی وضع سے مسلمانوں کی وضع سے الگ رہے۔

بلاشبہہ یہ حضرت عمر کے احکام ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ احکام ذمیوں کی تحقیر کیوجہ سے صادر ہوئے تھے سخت غلطی ہے افسوس ہے کہ اس غلطی کا ارتکاب اکثر متاخرین فقہا نے کیا ہے بیشبہہ حضرت عمرؓ کا ایک طبعی مذاق تھا کہ وہ قومی امتیاز کو پسند کرتے تھے۔ انہوں نے اہل فوج کو اکثر فرمانوں میں لکھا ہے کہ وہ جارڑوں میں دھوپ کھانا نہ چھوڑیں گھوڑوں پر رکاب کے سہارے سے سوار نہوں موٹے کپڑے استعمال کریں جس سے مقصد یہ تہا کہ اہل عرب اپنے ملک ووطن کی خصوصیت کو محفوظ رکھیں اسی بنا پر انہوں نے اہل عجم کو جنہوں نے اسلام نہیں قبول کیا تہا

[1] دیکھو جامع صغیر امام محمد ۱۲ [2] قاضی ابویوسف صاحب نے یہ احکام کتاب الخراج میں لکھے ہیں ۱۲

تھا تاکید کی کہ وہ اپنی قومی خصوصیتوں کو ضائع نہ ہونے دیں۔ اہل عجم زمانۂ اسلام سے پہلے زنار باندھتے
تھے لمبی[1] ٹوپیاں اوڑھتے تھے۔ اُن کے زین آجکل کے انگریزی زین کے مشابہ ہوتے تھے اُن کی عورتیں اونٹوں
پر نہیں سوار ہوتی تھیں۔ چنانچہ انہیں رسوم و عادات کی نسبت حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اہل ذمہ انکی پابندی کریں
یہی احکام ابوحنیفہ اور قاضی ابویوسف نے قائم رکھے جن کا مقصد صرف اسقدر ہے کہ دونوں قومیں اپنی اپنی
خصوصیات پر قائم رہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اہل ذمہ اسلامی شہروں میں اپنی عبادتگاہیں نہ بنائیں لیکن
اُن کا مقصد صرف اسقدر تھا کہ امن و امان میں خلل نہ ہو اور مسلمان رعایا جو اکثر عرب کی نسل سے تھے اور ناقوس
کی صداؤں سے اُن کے کان آشنا نہ تھے فساد پر نہ آمادہ ہوں اس حکم نے ذمیوں کے حق میں چنداں دقت بھی
نہیں پیدا کی مسلمانوں نے جو شہر آباد کئے وہ دو چار شہر سے زیادہ نہ تھے باقی تمام ملک انہیں کے شہروں سے
معمور تھا جو غیر قوموں کے آباد کئے ہوئے تھے اور جہاں ذمیوں کو عموماً عبادتگاہوں کے بنانے کی اجازت
تھی اسلامی شہروں میں بھی یہ قید اسوقت تک قائم رہی جبتک فتنہ کا احتمال رہا جب یہ خوف جاتا رہا تو ذمیوں کو
عام اجازت ملگئی چنانچہ بغداد میں جو خاص اسلامی شہر تھا سینکڑوں ہزاروں چرچ اور گرجے تعمیر ہوئے۔

لفظ نص کا اطلاق قرآن اور حدیث دونوں پر کیا جاتا ہے

(۵) ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں اور جن ائمہ کا اختلاف ہے ان میں امام ابوحنیفہ جو
پہلو اختیار کرتے ہیں وہ عموماً نہایت قوی اور مدلل ہوتا ہے نص کا لفظ قرآن حدیث دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے
اور اس لحاظ سے وہ احکام بھی نصی کہے جاتے ہیں جو قرآن سے نہیں بلکہ صرف حدیث سے ثابت ہیں لیکن اس
موقع پر ہم اُنسے بحث نہیں کر سکتے اور اسکے مختلف وجوہ ہیں اول تو یہ کہ اس قسم کے مسائل نہایت کثرت
سے ہیں جن کا مختصر سے مختصر حصہ بھی اس کتاب میں نہیں آ سکتا اگرچہ چند مسائل نمونہ کے طور پر بیان کئے جائیں
تو بدگمانوں کو اس سوء ظن کا موقع باقی رہتا ہے کہ چند قوی مسائل لے لئے اور ضعیف چھوڑ دئے دوسری بڑی
وجہ یہ ہے کہ آج ان مسائل کا فیصلہ مجتہدانہ نہیں ہو سکتا۔ حدیث کے متعلق بہت بڑی بحث صحت و عدم
صحت کی پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس نے مسائل فقہ میں ائمہ کو مختلف الآرا کر دیا ہے ایک امام کے نزدیک ایک
حدیث قابل حجت ہے دوسرے کے نزدیک نہیں اس بحث کے تصفیہ کیلئے جو سامان ہمارے ملک میں موجود ہے وہ
بالکل ناکافی ہے اور اس سے کسی حدیث کی نسبت مجتہدانہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا بڑا مرحلہ اسماء الرجال کا ہے اس فن کی جو
کتابیں ہمارے ملک میں موجود ہیں مثلاً تہذیب الکمال مزی تہذیب التہذیب میزان الاعتدال طبقات الحفاظ تہذیب
الاسماء و اللغات وغیرہ ان میں جرح و تعدیل کے متعلق ائمہ کے جو اقوال مذکور ہیں اکثر انکا سلسلہ سند مذکور نہیں
حیثیت سے اُنکے ثبوت و عدم ثبوت کا تصفیہ نہیں ہو سکتا اُسکے علاوہ اکثر جروح مبہم ہیں اور جن جرحوں

[1] خلیفہ منصور نے اپنے درباریوں کو اسی قسم کی ٹوپیوں کے اوڑھنے پر مجبور کیا تھا جسکی نسبت مورخین لکھتے ہیں کہ منصور نے عجم کی تقلید کی ۱۲

کو مفسر قرار دیا ہے وہ بھی ابہام سے خالی نہیں۔ قدما نے اس فن میں جو تصنیفات لکھیں اُن سے بلا شبہ یہ مباحث
طے ہو سکتے ہیں لیکن وہ یہاں میسر نہیں آتیں علمائے حنفیہ نے خاص اس بحث پر کہ حنفی فقہ کے مسائل احادیث
صحیحہ سے ثابت ہیں، بہت سی کتابیں لکھی ہیں جسکو زیادہ شوق ہو ان تصنیفات کیطرف رجوع کر سکتا ہے
لیکن قرآن مجید میں اس بحث کا بڑا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کے ثبوت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا
اسلئے نزاع کا مدار صرف اسپر رہجاتا ہے کہ جو مسئلہ اُس سے مستنبط کیا گیا صحیح طور پر کیا گیا یا نہیں اس حالت میں بحث
مختصر رہجاتی ہے اور نہایت آسانی سے اسکا تصفیہ ہو جاتا ہے قرآن مجید سے جو احکام ثابت ہیں اُن کی تعداد بھی کچھ
کم نہیں ہے اور فقہ کے مہمات مسائل ہیں اس لئے اگر یہ ثابت ہو کہ حنفی فقہ کے مسائل نصوص قرآن سے زیادہ
مطابق ہیں تو مہمات مسائل میں فقہ حنفی کی ترجیح بآسانی ثابت ہو جائے گی اسکے ساتھ یہ بھی ثابت ہو جائیگا کہ
امام ابوحنیفہ کو حیثیت اجتہاد میں تمام ائمہ پر ترجیح ہے کیونکہ اجتہاد کا مدار زیادہ تر استنباط اور استخراج ہی پر ہے۔

اس بدگمانی کی تردید کہ فقہ حنفی کے مسائل حدیث کے مخالف ہیں

ان وجوہ کی بناپر اگرچہ ہم صرف اُن مسائل پر اکتفا کرتے ہیں جو قرآن سے ثابت ہیں تاہم حدیث کے متعلق
ایک اجمالی بحث ضروری ہے جس سے بدگمانوں کو سوء ظن کا موقع نہ ہو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے
مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں ان لوگوں میں سے بعض نے الزام دیا ہے کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی
مخالفت کی بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانہ تک احادیث کا استقصا نہیں کیا گیا تھا
اسلئے بہت سی حدیثیں اُنکو نہیں پہنچیں لیکن یہ خیال محض لغو اور بے سروپا ہے امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں
جمع نہیں ہوئی تھیں لیکن جب جمع ہو چکیں اُس وقت بڑے بڑے محدثین اُنکے مسائل کو کیوں تسلیم کرتے رہے وکیع بن
جراح جنکی روایتیں صحیح بخاری میں بکثرت موجود ہیں اور جنکی نسبت امام ابن احمد حنبل کہا کرتے تھے کہ میں نے اُنسے
بڑھ کر کسی کو حافظ العلم نہیں دیکھا وہ امام ابوحنیفہ کے مسائل کی تقلید کرتے تھے خطیب بغدادی نے اُنکے حال
میں لکھا[1] کان یفتی بقول ابی حنیفۃ۔ یحیی بن سعید القطان جو فن جرح و تعدیل کے موجد ہیں اکثر مسائل
میں امام ابوحنیفہ کے پیرو تھے خود اُنکا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہ[2]۔ امام طحاوی جو حافظ الحدیث تھے
اور مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے تھے پہلے شافعی تھے پھر امام ابوحنیفہ کے مسائل اختیار کئے اور کہا کرتے تھے
کہ میں ابوحنیفہ کا مقلد نہیں ہوں بلکہ مجھکو اُن سے توارد ہے طحاوی امام بخاری اور مسلم کے ہمزبان ہیں اور وہ زمانہ تھا
جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہو گیا تھا۔ متاخرین میں علامہ ماردینی حافظ زیلعی ابن الہمام قاسم بن قطلوبغا
وغیرہم کی نسبت قلت نظر کا کون گمان کر سکتا ہے؟ یہ لوگ عموماً حنفی مسائل کے حامی ہیں۔
اس کے علاوہ جو لوگ عموماً حافظ الحدیث تسلیم کئے گئے ہیں اُن کے مسائل امام ابوحنیفہ سے کیوں موافق ہیں

[1] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ ترجمہ وکیع بن الجراح ۱۲ [2] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲

اولی ہیں سب سے بڑے محدث امام احمد حنبل ہیں جنکی شاگردی پر بخاری و مسلم کو ناز تھا اور جنکی نسبت محدثین کا عام قول ہے کہ جس حدیث کو احمد حنبل نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں۔ امام احمد حنبل بہت سے مسائل میں امام شافعی کے مخالف اور امام ابوحنیفہ کے موافق ہیں۔ خوارزمی نے لکھا ہے کہ فروع و جزئیات چھوڑ کر امہات فقہ کے متعلق ایک سو پچاس مسئلوں میں انکو امام ابوحنیفہ کیساتھ اتفاق ہے اور امام شافعی سے اختلاف ہمنے خود بہت سے مسائل میں تطبیق کی ہے جس سے خوارزمی کے دعوی کی تردید ہوتی ہے۔ سفیان ثوری امام احمد حنبل کو محدثین نے امام المحدثین تسلیم کیا ہے اُن کے مسائل امام ابوحنیفہ کے مسائل کیموافق ہیں۔ قاضی ابویوسف کہا کرتے تھے کہ واللہ سفیان اکثر متابعۃ منی لابی حنیفۃ یعنی خدا کی قسم سفیان مجھ سے زیادہ ابوحنیفہ کی پیروی کرتے ہیں" صحیح ترمذی میں سفیان ثوری کے مسائل مذکور ہیں جو زیادہ تر شافعی کے مخالف اور ابوحنیفہ کیموافق ہیں۔

اس خیال کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض محدثین مثلاً امام بخاری ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے متعدد مسائل کی نسبت تصریح کی ہے کہ حدیث کے خلاف ہیں ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے رد میں ایک مستقل باب لکھا ہے لیکن یہ خیال کرنیوالوں کی کوتاہ نظری ہے۔ اکثر ائمہ نے ایک دوسرے پر صریح اعتراض کیا ہے۔ امام شافعی امام مالک کے بااخلاص شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے کہ آسمان کے نیچے موطائے امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔

باوجود اس کے انہوں نے امام مالک کے رد میں ایک مستقل رسالہ لکھا جسمیں دعوی کیا ہے کہ امام مالک کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس رسالہ کا دیباچہ نقل کیا ہے اور خود ہماری نظر سے گذرا ہے لیث بن سعد جو مشہور محدث ہیں کہا کرتے تھے کہ امام مالک نے ستر مسئلوں میں حدیث کی مخالفت کی ہے چنانچہ میرا ارادہ ہے کہ میں اُن کو اس امر کی نسبت خط لکھوں" امام شافعی بھی اس اعتراض سے نہیں بچے اور کیونکر بچ سکتے تھے۔ جہر بسم اللہ و قنوت فی الفجر و ترک توریث ذوی الارحام وغیرہ مسائل میں اُن کا مذہب صریح حدیثوں کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتہادی امور ہیں اور اُن کی بنا پر ہم کسی کو مخالف حدیث نہیں کہہ سکتے جس حدیث کو ایک مجتہد صحیح سمجھتا ہے ضرور نہیں کہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی صحیح ہو پھر اس مرحلے کے طے ہونیکے بعد استنباط و استدلال کی بحث باقی رہتی ہے جسمیں مجتہدین بہت کم متفق الرائے ہو سکتے ہیں کیونکہ استنباط و استدلال کے اصول جداگانہ ہیں امام بخاری کا جزء القراءۃ ہمنے دیکھا ہے جامع صحیح میں جہاں وہ امام ابوحنیفہ کیطرف اشارہ کرتے ہیں اُس سے بھی ہم واقف ہیں بیشبہ اُن مسئلوں میں امام بخاری کا دعوی ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب حدیث کے مخالف ہے لیکن امام بخاری کی تحریر اور امام ابوحنیفہ کا فتوی دونوں ہمارے سامنے ہیں اور ہم خود سمجھ سکتے ہیں کہ اُن مسائل میں امام صاحب کا مذہب حدیث کے مخالف ہے یا امام بخاری کے فہم و اجتہاد کے مخالف ہے قراءت فاتحہ کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا استدلال اس آیت پر ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا امام بخاری جزء

القراءت میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت خطبہ کے بارے میں اُتری ہے یعنی نماز سے اسکو تعلق نہیں۔ امام بخاری کا یہ جواب کس قدر حیرت انگیز ہے اگر رسالہ جزء القراءۃ خود ہماری نظر سے نہ گذرا ہوتا تو ہم کو مشکل سے یقین آتا کہ واقعی یہ امام بخاری کا قول ہے اول تو بیسیوں روایتوں سے ثابت ہے کہ یہ آیت نماز میں اُتری ہے لیکن اگر ہم انہی کے قول کو تسلیم کریں تو یہ کون نہیں جانتا کہ موقع ورود کے خاص ہونے سے آیت کا حکم جو صریحی عام ہے خاص نہیں ہو سکتا۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ امام و مقتدی کو آمین آہستہ کہنی چاہئے۔ امام بخاری برخلاف اسکے جہر کے قائل ہیں اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو" لیکن اس حدیث میں جہر کا کہاں ذکر ہے اور مطلق آمین کہنے سے تو امام ابوحنیفہ کو بھی انکار نہیں۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ نبیذ تمر سے بشرطیکہ مسکر نہو وضو جائز ہے امام بخاری اسکے خلاف ترجمۃ الباب باندھتے ہیں اور حدیث نقل کرتے ہیں کہ کل ما اسکر حرام۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ مقتدی کیلئے قراءۃ فاتحہ ضروری نہیں۔ امام بخاری وجوب کے مدعی ہیں اور جامع صحیح میں باب باندھا ہے کہ امام و مقتدی پر ہر نماز میں خواہ سفر میں ہو یا حضر میں۔ نماز خواہ جہری ہو یا سری قراءت واجب ہے اس دعوی پر دو حدیثیں پیش کی ہیں ایک یہ کہ "کوفہ والوں نے حضرت عمر کے پاس سعد بن ابی وقاص کی شکایت کی حضرت عمر نے انکو معزول کر دیا۔ اور بجائے انکے عمار کو مقرر کیا۔ کوفہ والے عمار کے بھی شاکی ہوئے کہ انکو تو نماز پڑھنی بھی نہیں آتی۔ حضرت عمر نے عمار کو بلا بھیجا اور اُنسے کہا کہ ان لوگوں کا یہ گمان ہے۔ عمار نے کہا واللہ میں اُن کے ساتھ رسول اللہ کی سی نماز پڑھتا تھا تو پہلی دو رکعتوں میں دیر تک قیام کرتا تھا اور دو اخیر کی رکعتوں میں تخفیف کرتا تھا۔

اس حدیث سے قراءت فاتحہ کا وجوب کیونکر ثابت ہوا حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو تاویلیں کی ہیں اُنسے اگر بہزار وقت وجوب پر استدلال بھی ہو تو کیا اُس کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے امام ابوحنیفہ نے حدیث کی مخالفت کی۔!!

حقیقت یہ ہے کہ کسی مجتہد کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اُسکو احکام کے متعلق حدیثیں نہیں پہنچیں سخت غلطی ہے لیکن چونکہ حدیثوں کا معیار صحت وجوہ استنباط طرق استدلال تمام مجتہدین کے نزدیک متحد نہیں۔ اس لئے مسائل میں اختلاف کا پیدا ہونا ضرور تھا۔

اب ہم اس ضمنی بحث کو چھوڑ کر اصل مقصد کیطرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارا دعوی ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیتیں جن سے کوئی مسئلہ فقہی مستنبط کیا گیا ہے۔ اُن کو وہی معنی صحیح اور واجب العمل ہیں جو امام ابوحنیفہ نے قرار دیے ہیں۔ قرآن مجید میں احکام کی آیتیں سو سے متجاوز ہیں اسلئے ہم اُنکا استقصا تو نہیں کر سکتے البتہ مثال کے طور پر متعدد مسائل کا ذکر کرتے ہیں جنسے ایک اجمالی خیال قائم ہو سکتا ہے۔"

امام صاحب کا مذہب ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں۔ امام شافعی دو فرض اور اضافہ کرتے ہیں یعنی نیت اور ترتیب امام مالک بجائے انکے موالات کو فرض کہتے ہیں۔ امام احمد حنبل کا مذہب ہے کہ وضو کیوقت بسم اللہ کہنا ضروری

حسن گمانی بائتر دید کہ فقہ حنفی کے مسائل حدیث کے خلاف ہیں

فرائض وضو

اور اگر قصداً نہ کہا تو وضو باطل ہے۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ آیت میں صرف چار حکم مذکور ہیں اسلیے جو چیزیں ان احکام کے علاوہ ہیں وہ فرض نہیں ہو سکتی نیت و موالات و تسمیہ کا تو آیت میں کہیں وجود نہیں۔ ترتیب کا گمان البتہ واؤ کے حرف سے پیدا ہوتا ہے لیکن علمائے عربیت نے متفقاً طے کر دیا کہ واؤ کے مفہوم میں ترتیب داخل نہیں۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں ترتیب کی فرضیت کیلئے متعدد دلیلیں پیش کی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ انکا رتبہ تاویل سے بڑھکر نہیں۔ بڑا استدلال یہ ہے کہ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ میں حرف فا تعقیب کیلئے ہے جس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منہہ کا پہلے دھونا فرض ہے اور جب ایک رکن میں ترتیب ثابت ہوئی تو باقی ارکان میں بھی ہونی چاہیئے۔ دوسری دلیل یہ لکھی ہے کہ وضو کا حکم خلاف عقل حکم ہے اس لیے اس کی تعمیل بھی اسی ترتیب سے فرض ہونا چاہیئے جس طرح آیت میں مذکور ہے کیونکہ وضو کا حکم جسطرح خلاف عقل ہے۔ ترتیب بھی خلاف عقل ہے۔ امام رازی کی دلیلیں جس رتبہ کی ہیں خود ظاہر ہیں اُس پر رد و قدح کی ضرورت نہیں۔

امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعی اس کے مخالف ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا یعنی اگر تم بیمار ہو۔ یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص غائط[۱] سے آئے یا تم نے عورت کو چھوا ہو۔ اور تم کو پانی نہ ملے تو تم تیمم کرو۔

عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا

امام صاحب فرماتے ہیں کہ عورت کے چھونے سے جماع و مقاربت مراد ہے اور یہ قرآن مجید کا عام طرز ہے کہ ایسے امور کو صریحاً تعبیر نہیں کرتا، لطف یہ ہے کہ اسی لفظ کا ہم معنی لفظ "مس" جسکے معنی چھونے کے ہیں خدا نے اس آیت میں مالم تمسوھن جماع کے معنی میں استعمال کیا ہے اور خود امام شافعی تسلیم کرتے ہیں کہ وہاں جماع ہی مقصود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں ملامستہ کے ظاہری معنے لینے ایسی غلطی ہے جو ہرگز اہل زبان سے نہیں ہو سکتی اس آیت میں غائط کا لفظ بھی تو ہے اسکو تمام مجتہدین کنایہ قرار دیتے ہیں۔ ورنہ ظاہری معنی لیے جائیں تو لازم آئے کہ جو شخص ہموار زمین میں سے ہو کر آئے اُس پر وضو کرنا واجب ہو۔"

میری رائے میں اگرچہ امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن اُن کا استدلال اس آیت پر نہیں ہے وہ حدیث سے استنباط کرتے ہونگے غالباً اُن کے بعد انکے مقلدوں نے حنفیہ کے مقابلہ کے لیئے آیت سے استدلال کیا اور اُس کو امام شافعی کیطرف منسوب کر دیا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہیں۔ امام مالک و شافعی کی رائے ہے کہ ہر فرض کے لیئے نیا تیمم کرنا چاہیئے۔ امام صاحب کا استدلال ہے جو حیثیت وضو کے حکم کی ہے وہی تیمم کی ہے اور جب ہر نماز کے

---

[۱] غائط کے معنی ہموار زمین کے ہیں لیکن اس سے جائے ضرور یعنی پاخانہ مراد ہے ۱۲

لئے نئے وضو کی ضرورت نہیں تو تیمم کی بھی ضرورت نہیں البتہ جن لوگوں کا مذہب ہے کہ ایک وضو سے کئی نمازیں نہیں ادا ہو سکتیں وہ تیمم کی نسبت بھی یہ حکم لگا سکتے ہیں لیکن وضو و تیمم میں تفریق کرنی جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے کی محض بے وجہ ہے۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ اثناء نماز میں تیمم کو اگر پانی ملجائے تو تیمم جاتا رہیگا۔ امام مالک و احمد حنبل اس کے مخالف ہیں۔ امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ قرآن میں تیمم کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہے کہ لَمْ تَجِدُوا مَاءً یعنے جب پانی نہ ملے صورت میں جب شرط باقی نہیں رہی تو مشروط بھی باقی نہیں رہا۔

امام صاحب کا قول ہے کہ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں اور فارسی زبان میں تکبیر کہنا درست ہے امام شافعی وغیرہ مخالف ہیں امام صاحب کا استدلال ہے کہ جس آیت سے تکبیر کی فرضیت ثابت کیگئی ہے یعنی وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ اسمیں زبان کی کوئی خصوصیت نہیں اور چونکہ اس پر فاء تعقیب داخل ہے اسلئے نماز کا وجود تکبیر سے موخر ہونا ضرور ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر گو فرض ہے لیکن نماز میں داخل نہیں۔ اور جزو نماز نہیں۔

امام صاحب کا مذہب ہے کہ مقتدی کو قرارت فاتحہ ضروری نہیں امام شافعی و امام بخاری وجوب کے قائل ہیں امام صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہیں وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا جب قرآن پڑھا جاوے تو سنو اور چپکے رہو! اگرچہ اس آیت سے سری نمازوں میں بھی ترک قرارۃ کا حکم ثابت ہوتا ہے لیکن خاصکر جہری نماز کیلئے تو وہ نص قاطع ہے جسکی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی تعجب ہے کہ شافعیہ نے ایسے صاف اور صریح آیت کے مقابلہ میں حدیثوں سے استدلال کیا ہے حالانکہ حدیثیں جو اس باب میں وارد ہیں خود متعارض ہیں جس درجہ کی وجوب قرارت کی حدیثیں موجود ہیں اُسی درجہ کی ترک قرارت کی بھی ہیں۔

امام بخاری نے اس بحث میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ آیت کے استدلال کا جواب دیں لیکن جواب ایسا دیا ہے جسکو دیکھہ کر تعجب ہوتا ہے إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ترجمہ یعنی سوائے اسکے نہیں ہے کہ حرام کیا خدا نے تمپر مردہ کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو اور اُس چیز کو جسپر خدا کے سوا اور کسی کا نام لیا جاوے لیکن جو شخص مجبور ہو بشرطیکہ نافرمان اور حد سے گذر جانے والا نہ ہو تو اُسپر گناہ نہیں اس آیت سے بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں جنمیں مجتہدین کو باہم اختلاف ہے ان تمام مختلف فیہ مسائل میں امام ابوحنیفہ نے آیت کا جو مطلب قرار دیا ہے وہی صحیح ہے پہلی بحث یہ ہے کہ مردہ کے کیا معنی ہیں امام ابوحنیفہ وہی عام معنی لیتے ہیں جو عام اطلاق میں شائع ہے امام شافعی نے اس کو بہت وسعت دی ہے یہانتک کہ وہ مردہ جانوروں کے بالوں اور ہڈیوں کو بھی مردہ کہتے ہیں اس بنا پر اُنکی رائے ہے کہ ان چیزوں سے ان کی قسم کا متمتع مثلاً پوستین وغیرہ کا استعمال جائز نہیں امام مالک بال اور کھال کا کام میں لانا ناجائز قرار دیتے ہیں

پانی پر قادر ہونا

باب الصلوٰۃ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں

مقتدی کو قرارت ضروری نہیں

لیکن ہڈی کا استعمال اُن کے نزدیک بھی حرام ہے۔

امام شافعی نے اور امام مالک نے مردہ کے جو معنی لئے ہیں چونکہ صاف غلط معلوم ہوتے ہیں اسلئے اُنکے مقلدوں نے تاویلیں کیں۔ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ ہڈی کو مردہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ خدا نے قرآن میں فرمایا ہے من یحی العظام یعنی ہڈی کو کون زندہ کریگا۔ اور زندہ وہی چیز ہو سکتی ہے جو پہلے مر چکی ہو اسیطرح خدا نے زمین کو مردہ کہا ہے" امام رازی کی یہ تاویل نہایت تعجب خیز ہے اس قسم کے اطلاقات مجازی اطلاق ہیں جن پر احکام کی تفریع نہیں ہو سکتی۔ امام رازی نے زمین کا مردہ ہونا قرآن مجید سے ثابت کیا ہے تو زمین اور خاک کے استعمال کو بھی ناجائز قرار دینا چاہیے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ خون جسکو اس آیت میں حرام کہا ہے اس سے کیا مراد ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ دم مسفوح ہے یعنی جس خون میں روانی ہو۔ اس بنا پر مچھلی کے خون کو حرام نہیں کہتے۔ امام شافعی کے نزدیک اس میں کوئی تخصیص نہیں اور ہر قسم کا خون حرام ہے امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ یہ تخصیص خود خدا نے کی ہے چنانچہ دوسرے موقع پر فرمایا قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا اس آیت میں خون کی تحریم کو مسفوح کے ساتھ مقید کر دیا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ باغ و لاعاد سے کیا مراد ہے امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ کھانے میں بغاوت و عدوان نہ ہو یعنی جو شخص مجبور ہو اور جاں بلب ہو اُسکو مردہ و سور کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن اس شرط پر کہ سد رمق سے زیادہ نہ کھائے اور کسی دوسرے مضطر سے چھین کر نہ کھائے۔ امام شافعی بغاوت اور عدوان کے یہ معنی لیتے ہیں کہ اس شخص نے سلطان وقت سے بغاوت نہ کی ہو اور گنہگار نہ ہو اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص جو سلطان وقت سے باغی ہو کسی موقع پر فاقہ سے جاں بلب ہو جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اُس کو مردہ یا سور کا گوشت بقدر سد رمق کھانا جائز ہے۔ بخلاف اس کے امام شافعی کا قول ہے کہ وہ اگر باغی نہ ہوتا تو کھانا جائز تھا لیکن بغاوت کی حالت میں اُس کو یہ اجازت نہیں ملسکتی۔

امام شافعی نے ان الفاظ کے جو معنی لئے اولاً تو سیاق عبارت سے بالکل بیگانہ ہیں دوسری اصول شرع اُسکی مساعدت نہیں کرتے۔ شریعت نے ضرورت کے وقت جن چیزوں کی رخصت یا اجازت دی ہے وہ کسی جرم و عصیان سے باطل نہیں ہوتی۔ جھوٹ بولنا گناہ ہے اور بعض حالتوں میں مثلاً جب جان کا خوف ہو اُسکی اجازت دی گئی ہے کیا ایک گنہگار شخص اس اجازت سے متمتع نہیں ہو سکتا؟ صورت متنازعہ میں اگر اُس شخص کو اسلئے کھانے کی اجازت نہیں دیگئی کہ اُسکا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تو حرام کی کیا تخصیص ہے اُس کے لئے تو حلال غذا کی بھی اجازت نہ ہونی چاہیئے۔

یہ مسائل تو نصّی تھے امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے ایک قیاسی مسئلہ قائم کیا ہے اور امام شافعی نے اُس سے مخالفت کی ہے یعنی ایک شخص پیاس سے جاں بلب ہو اور بجز شراب کے اور کوئی چیز مل نہ سکے تو اُس کو شراب پینے کی اجازت ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور امام شافعی اگر ظاہریوں کی طرح شراب کے منکر ہوتے تو اس جواب سے کچھ تعجب نہ ہوتا لیکن قیاس کے قائل ہو کر یہ مخالفت محل تعجب ہے کیونکہ یہ حالت اور جس حالت کا ذکر قرآن میں صریحاً ہے دونوں کی علت مشترک ہے یعنی حفاظت نفس پھر حکم کے نہ مشترک ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

جنایات

جنایات کے بارے میں جو احکام قرآن مجید میں وارد ہیں اُن کی تعبیر جس صحت کے ساتھ امام ابوحنیفہ نے کی کسی دوسرے مجتہد نے نہیں کی زمانہ جاہلیت میں قصاص کے جو قاعدے رائج تھے نہایت ناانصافی اور جہالت پر مبنی تھے اسلام نے نہایت خوبی سے اُس کی اصلاح کی اور ایسے احکام مقرر کئے جن سے بڑھکر نہ کبھی ہوئے نہ ہو سکتے جاہلیت میں قصاص کا اعتبار مقتول قاتل کی حیثیت سے کیا جاتا تھا جو معزز قبیلے تھے وہ دوسرے قبیلوں سے اس طرح قصاص لیتے تھے کہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو اپنی عورت کے بدلے انکے مرد کو اور اپنے مرد کے بدلے دوسرے قبیلہ کے دو مردوں کو قتل کرتے تھے خدا نے قصاص کا عام حکم صادر فرمایا جسکا یہ مطلب ہے کہ قصاص کا حکم کسی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے قاتل ہر حالت میں مقتول کے بدلے مارا جائیگا خواہ شریف ہو یا رذیل، مرد ہو یا عورت غلام ہو یا آزاد مسلم یا ذمّی۔ زیادہ توضیح کیلئے اُن صورتوں کی خاص طور پر نفی کی جو عرب میں اسلام سے پہلے جاری تھیں چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی ترجمہ یعنی تم پر مقتول کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا۔ آزاد آزاد کے بدلے غلام غلام کے بدلے عورت عورت کے بدلے۔

زمانہ جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ قتل عمد کے بارے میں مالی معاوضہ دیدینا کافی سمجھا جاتا تھا اور اُس کو دیت کہتے تھے اسلام نے اُس کو باطل کیا اور دیت کو جو ایک قسم کا جرمانہ ہے صرف شبہ عمد اور قتل خطاء کی حالت میں جائز رکھا اور اُس کی مقدار مسلمان و ذمی کیلئے یکساں مقرر کی چنانچہ خدا نے ارشاد فرمایا کہ وما کان لمؤمن ان یقتل مومنا الا خطاءً ومن قتل مومنا خطاءً فتحریر رقبة مومنة ودیة مسلمة الی اهله الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدو لکم وهو مومن فتحریر رقبة مومنة وان کان من قوم بینکم وبینهم میثاق فدیة یعنی مسلمان کی شان نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو اُس کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کے اہل کو دیت دینی ہوگی۔ اور اگر مقتول اُس قوم سے ہو کہ تمہارے اور انکے درمیان میثاق ہے تو دیت دینی ہوگی۔ اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا۔

یہ احکام نہایت صاف اور صریح طور پر قرآن سے ثابت ہوتے ہیں اور امام ابوحنیفہ انہیں احکام کے قائل ہیں لیکن امام شافعی وغیرہ نے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے جسکی نسبت ہم افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ یقیناً انکی غلطی ہے۔

پہلا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی و امام مالک و امام احمد حنبل قائل ہیں کہ غلام کے بدلے آزاد قتل نہیں کیا جا سکتا" غلام اور آزاد میں ایسا بیرحمانہ تفرقہ کرنا ہرگز قرآن سے ثابت نہیں ہوتا۔ اگر الحر بالحر کی تخصیص سے استدلال ہے تو الانثیٰ بالانثیٰ کی تخصیص سے لازم آتا ہے کہ عورت کے بدلے مرد قتل کیا جاوے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم قرار دیتے ہیں حالانکہ دیت کے جو الفاظ خدا نے مومن کے حق میں استعمال کئے وہی اُن لوگوں کے حق میں بھی ارشاد کئے جو مسلمانوں سے میثاق و معاہدہ رکھتے ہیں بے شبہہ یہ اسلام کی نہایت فیاض دلی ہے کہ اُس نے مسلمان و ذمی کا حق برابر رکھا لیکن افسوس ہے کہ ایسے فیاضانہ حکم کی لوگوں نے غلط تاویل کی۔

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی قتل عمد کی حالت میں بھی مالی معاوضہ ادا کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں قتل عمد کی حالت میں قصاص کا حکم ہے دیت کی کہیں اجازت نہیں اور یہی اقتضائے عقل ہے جاہلیت میں قتل مقدمات دیوانی کی حیثیت رکھتا تھا اور اسوجہ سے مالی معاوضہ اسکا بدل ہو سکتا تھا لیکن اسلامی ایسی غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔

چوتھا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی کیفیت قتل میں مساوات کو لازمی قرار دیتے ہیں یعنے اگر قاتل نے پتھر سے سر پھوڑ کر کسی کو مارا ہو تو وہ بھی پتھر سے سر توڑ کر مارا جائے یا کسی نے آگ سے جلا کر مارا ہو تو وہ آگ سے جلا کر مارا جائے لیکن اس قسم کی مساوات پر قرآن کا کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔

پانچواں اختلاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قتل عمد کی حالت میں کفارہ لازم نہیں آتا امام شافعی قصاص و کفارہ دونوں لازمی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں کفارہ کا حکم قتل خطا کیساتھ مخصوص ہے قتل عمد میں کفارہ کا کچھ ذکر نہیں

وراثت کے بعض احکام میں جو نہایت مہتم بالشان ہیں امام ابوحنیفہ نے جو پہلو اختیار کیا وہ نہایت صریح طور سے قرآن سے ثابت ہے وراثت کے قاعدے جو اسلام نے مقرر کئے ہیں۔ وہ تمام دنیا کے قواعد وراثت سے الگ ہیں اور ایسے دقیق اور نازک اصول پر مبنی ہیں جو علانیہ اس بات کی دلیل ہیں کہ خدا کے سوا اور کوئی اُن احکام کا واضع نہیں ہو سکتا۔ وراثت کا اصلی اصول یہ ہے کہ متوفی اگر اپنی جائداد کسی خاص شخص کو دیجاتا تو اُسی کو ملتی لیکن جب اُس نے کوئی ہدایت نہیں کی تو اُسپر لحاظ ہوگا کہ اُسکے فطری تعلقات کن کن لوگوں کیساتھ کس کس تفاوت کیساتھ تھے جو لوگ یہ تعلقات رکھتے ہیں وہ اسی تفاوت درجات کیساتھ اُس کی جائداد کے مالک ہونگے گویا متوفی کی یہ معنوی ہدایت ہے کہ لوگوں کو اسی مناسبت سے دیا جائے جس نسبت سے میرے تعلقات اُن کے ساتھ تھے دوسرا اصول جو پولٹیکل اکانمی کا عام اصول ہے یہ ہے کہ دولت کا بہت سے اشخاص میں تقسیم ہونا اس سے اچھا ہے کہ دو ایک شخص تک محدود رہے۔ یہ عمدہ اصول تمام اور قوموں کی نگاہ سے رہ گئے اور اس وجہ سے انکا قانون وراثت بھی

وراثت

ناتمام اور محدود رہگیا جیسا ئیوں کے قانون میں بڑے بیٹے کو جائداد پہنچتی ہے۔ دوسرے بھائیوں کو کچھ دشت بر داشتہ ملتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں صرف اولاد مذکور جائداد کی مالک ہے۔ باپ بھائی وغیرہ محروم مطلق ہیں لیکن اسلام نے نہایت وقت نظر سے اُن نازک تعلقات پر نگاہ کی جو ورثہ کو متوفی کیساتھ ہیں اور اُسی نسبت سے تین درجے قرار دیے ذوی الفروض عصبات۔ ذوی الارحام ان تینوں درجوں کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے اور خاصکر ذوی الارحام کا ذکر ان آیتوں میں لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ امام ابوحنیفہ نے توریث کے احکام میں یہ تینوں مراتب قائم رکھے۔ لیکن امام شافعی و امام مالک نے ذوی الارحام کو سرے سے خارج کردیا چنانچہ اُن کے نزدیک نانا بھتیجا بھانجے وغیرہ کسی حال میں ورثہ نہیں پا سکتے اُن بزرگوں نے ذوی الارحام کو عام سمجھا ہے اور ذوی الفروض و عصبات اُسکے افراد قرار دیئے ہیں جیساکہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے

نکاح و طلاق

نکاح وطلاق کے متعلق قرآن میں بہت سے احکام مذکور ہیں جنمیں سے بعض بعض میں مجتہدین مختلف الآراء ہیں ان اختلافی مسائل میں دو مسئلے نہایت مہتم بالشان ہیں اور ہم اس موقع پر انہیں کا ذکر کرتے ہیں۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک گو عورت بالغہ اور عاقلہ ہو تاہم کسی حالت میں بغیر ولی کی ولایت کے نکاح نہیں کر سکتی امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عاقلہ اپنے نکاح کی آپ مختار ہے اس دعوی پر دونوں طرف سے قرآن کی آیتیں اور حدیثیں پیش کی گئیں ہیں احادیث کی بحث کا تو یہ محل نہیں۔ قرآن مجید سے امام شافعی کا جو استدلال ہے اور جس کو خود اُنہوں نے کتاب الام میں بڑے شد و مد سے لکھا ہے وہ اس آیت پر مبنی ہے واذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن۔ ترجمہ اور جب تم طلاق دو عورتوں کو اور وہ اپنی مدت کو پہنچیں تو اُن کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں" امام شافعی کہتے کہ تعضلوهن اولیائے نکاح سے خطاب ہے اور اُن کو حکم دیا گیا ہے کہ عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیائے نکاح کو روکنے کا حق حاصل ہے ورنہ نہی کی کیا ضرورت ہے" امام شافعی نے اس مطلب کی تائید میں آیت کی شان نزول کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ معقل بن یسار نے اپنی بہن کی شادی اپنے چچیرے بھائی سے کردی تھی شوہر نے چند روز کے بعد طلاق دیدی لیکن عدت گذر جانیکے بعد اسکو ندامت ہوئی اور اُس نے دوبارہ نکاح کرنا چاہا عورت بھی راضی ہوگئی معقل نے سُنا تو بہن کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے نکاح کردیا تھا اُس نے طلاق دیدی۔ اب میں کبھی اُس سے نکاح ہونے دونگا اسپر یہ آیت اُتری" امام شافعی نے آیت کے جو معنی لیئے اگر ہم نے خود اُن کی کتاب میں اُسکو تصریحاً نہ دیکھا ہوتا تو ہم کو مشکل سے یقین آتا کہ یہ اُنہیں کا قول ہے۔

اوّل ہم کو اس پر غور کرنا چاہیئے کہ آیت کے یہ معنی ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں اسقدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ طلقتم

ہیں شوہروں کی طرف خطاب ہے اور جب یہ مسلم ہے تو ضرور ہے کہ تعضلوہن میں بھی انہیں کیطرف خطاب ہو ورنہ عبارت بالکل بے ربط ہوگی کیونکہ اس تقدیر پر آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اے شوہرو جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پہونچ چکیں تو اے نکاح کے اولیا تم ان عورتوں کو نکاح سے نہ روکو" اس عبارت کی بے ربطی میں کون شبہہ کر سکتا ہے؟ شرط میں تو شوہروں سے خطاب تھا اور جزا میں اُنسے کچھ واسطہ نہ رہے اور اولیائے نکاح سے تخاطب کیا جائے - یہ کونسا طریقہ کلام ہے؟ امام رازی باوجودیکہ شافعی ہیں تاہم انہوں نے تفسیر کبیر میں صاف تصریح کی ہے کہ یہ معنے بالکل غلط ہیں - اور خدا ایسی بے ربط عبارت بول نہیں سکتا" اگر ہم یہ معنے تسلیم بھی کر لیں تو امام شافعی کا استدلال تمام نہیں ہوتا کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ جو شخص ایک کام سے روکا جائے وہ اس کام کا حق بھی رکھتا ہو -

اب ہم اس آیت کا صحیح محل بیان کرتے ہیں جاہلیت میں اکثر دستور تھا کہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے اور اس غیرت سے کہ عورت اُن کے ہمبستر رہ چکی ہے دوسرے کے آغوش میں نہ جائے اُس عورت کو دوسرا نکاح بھی نہیں کرنے دیتے تھے اس بری رسم کو خدا نے مٹایا اور یہ آیت نازل کی جسکا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اے شوہرو جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ چکیں تو اُن کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے (یعنی جنکو اب وہ شوہر بنانا چاہتی ہیں) نکاح کریں - امام ابوحنیفہ نے اس آیت کے یہی معنی لیئے ہیں اور اس سے وہ استدلال کی زیادہ تائید ینکحن کے لفظ سے ہوتی ہے کیونکہ اس لفظ میں نکاح کے فعل کو عورتوں کی طرف منسوب کیا ہے نہ اولیائے نکاح کیطرف -

دوسرا مسئلہ تین طلاقوں کا ہے - اس قدر تو چاروں ائمہ مجتہدین کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر کوئی شخص ایکبار تین طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائیگی اور پھر رجعت نہو سکیگی لیکن اسمیں اختلاف ہے کہ اسطرح طلاق دینا جائز اور مشروع ہے یا نہیں - امام شافعی کے نزدیک مشروع ہے اور خدا نے اسکی اجازت دی ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام اور ممنوع ہے اور طلاق دینے والا گنہگار ہے - امام ابوحنیفہ کا استدلال یہ ہے کہ خدا نے جو طلاق کا یہ طریقہ بتایا ہے اور وہ اس آیت پر محدود ہے الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان یعنی طلاق دوبار کرکے ہے پھر یا تو بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یعنی رجعت کر لینا ہے یا احسان کیساتھ چھوڑ دینا ہے - پس اس آیت میں طلاق کا جو طریقہ بتایا گیا ہے صرف وہی شرعی طلاق ہو سکتا ہے بعض لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر ایکبار تین طلاق دینا شرعاً جائز نہیں تو اُسکے نفاذ کے کیا معنی حالانکہ نفاذ سے امام ابوحنیفہ کو بھی انکار نہیں اس کا جواب ایک بڑی نازک بحث پر مبنی ہے جسکا یہ موقع نہیں مگر اجمالاً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کسی کام کا ممنوع ہونا اور چیز ہے اور نافذ ہونا دوسری چیز ہے باپ کا اولاد کو کم و بیش حصہ بخش دینا جائداد کا ہبہ کرنا شرعاً ممنوع ہے لیکن اگر

کوئی ناانصاف باپ ایسا کرے تو اُسکا نفاذ ضرور ہوگا۔

اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں لیکن یہ نہیں چھپانا چاہیئے کہ ہم امام ابوحنیفہؒ کی نسبت یہ عام دعویٰ کرتے ہیں کہ اُن کے مسائل صحیح اور یقینی ہیں۔ امام ابوحنیفہ مجتہد تھے پیغمبر نہ تھے اس لئے اُنکے مسائل میں غلطی کا ہونا امکان نہ صرف امکان بلکہ ہم وقوع کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ خود اُنکے خاص شاگردوں نے بہت سے مسائل میں اُنسے مخالفت کی۔ مدت رضاعت۔ قضاء قاضی کا ظاہراً و باطناً نافذ ہونا۔ قاتل بالمثقل۔ نکاح محرمات میں حد کا نہ لازم آنا۔ ان تمام مسائل میں ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کے مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہوسکتی۔ اسلئے اور یہی مسائل ہیں لیکن ہمارا مقصد اس تحقیق سے صرف یہ ہے کہ ایک مجتہد کا جیسا صاحب الرائے ہونا ممکن ہے امام صاحب اس حد تک صاحب الرائے تھے

خاتمہ

امام صاحب کے تلامذہ

ایشیائی ملکوں میں اگرچہ شاگردی اور اُستادی کا تعلق عموماً نہایت قوی تعلق ہوتا ہے لیکن بعض شاگردوں کو مختلف وجوہ سے کچھ ایسی خصوصیت ہوجاتی ہے کہ جہاں اُستاد کا نام آتا ہے ممکن نہیں کہ انکا نام نہ آئے جیسا کہ ہم اس کتاب کے پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں امام ابوحنیفہ کی درس و تدریس کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ خلافت کی حدود حکومت اس سے زیادہ وسیع نہ تھیں۔ حافظ ابوالمحاسن شافعی نے نوسو اٹھارہ شخصوں کے نام لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقہ درس سے مستفید ہوئے تھے۔ اس گروہ میں چند بزرگ ایسے ہیں جنکی بیوگرافی کے بغیر امام صاحب کی تاریخ ناتمام رہتی ہے چالیس شخص جو امام صاحب کے ساتھ فقہ کی ترتیب و تدوین میں شریک تھے اُنکے شاگرد اور ارادت مند خاص تھے۔ امام صاحب کی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہے۔ اسلئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ امام صاحب کی تاریخ میں اُن لوگوں کا ذکر چھوڑ دیا جائے جو ایسے بڑے کام میں اُنکے شریک اور مددگار تھے۔ ان لوگوں کے حالات صرف امام ابوحنیفہ کی تاریخ سے وابستہ نہیں ہیں۔ بلکہ اُس سے عام طور پر حنفی فقہ کے متعلق ایک اجمالی خیال قائم ہوتا ہے جیسے اُن لوگوں کی عظمت شان سے فقہ حنفی کی خوبی اور عمدگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی امام صاحب کا بلند رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کے شاگرد اس رتبہ کے ہونگے وہ خود کس پایہ کا ہوگا خطیب بغدادی نے وکیع بن الجراح کے حال میں جو ایک مشہور محدث تھے لکھا ہے کہ ایک موقع پر وکیع کے پاس چند اہل علم جمع تھے کسی نے کہا کہ اس مسئلہ میں ابوحنیفہ نے غلطی کی وکیع نے کہا ابوحنیفہ کیونکر غلطی کر سکتے ہیں۔ ابو یوسف و زفر قیاس میں یحییٰ بن زائدہ حفص بن غیاث حبان مندل۔ حدیث میں قاسم بن معن لغت و عربیت میں۔ داؤد الطائی و فضیل بن عیاض زہد و تقویٰ میں اس رتبہ کے لوگ جس شخص کے ساتھ ہوں وہ غلطی کر سکتا ہے اور کرتا بھی تو یہ لوگ اُسکو کب غلطی پر رہنے دیتے

شاگرد کا رتبہ و اعزاز اُستاد کیلئے باعث فخر خیال کیا جاتا ہے۔ اگر یہ فخر صحیح ہے تو اسلام کی تمام تاریخ میں کوئی شخص امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر اس فخر کا مستحق نہیں ہے۔ امام صاحب اگر یہ دعویٰ کرتے تو بالکل بجا تھا۔ جو لوگ امام صاحب کے شاگرد تھے وہ بڑے بڑے ائمہ مجتہدین کے شیخ اور اُستاد تھے۔ امام شافعی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ میں نے امام محمد سے ایک بار شتر علم حاصل کیا ہے۔ یہ وہی امام محمد ہیں جو امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں اور جنکی تمام عمر امام صاحب کی حمایت میں صرف ہوئی۔ انصاف یہ ہے کہ امام صاحب کے بعض شاگرد خصوصاً قاضی ابو یوسف و امام محمد اس رتبہ کے عالم تھے کہ اگر امام ابو حنیفہ کی تبعیت سے الگ ہو کر مستقل اجتہاد کا دعویٰ کرتے تو انکا جدا طریقہ قائم ہو جاتا اور امام مالک و شافعی کیطرح اُن کے بھی ہزاروں لاکھوں مقلدین بن جاتے۔

امام صاحب کے زمانہ میں جو مذہبی علوم نہایت اوج و ترقی پر تھے وہ فقہ حدیث اسماء الرجال تھے یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ جو لوگ ان علوم کے ارکان تھے اکثر امام صاحب ہی کے شاگرد تھے اور شاگرد بھی برائے نام شاگرد نہ تھے بلکہ مدتوں امام صاحب کی صحبت میں رہے اور اُن کی فیض صحبت کا ہمیشہ اعتراف کرتے رہے فقہ کے متعلق تو غالباً کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن حدیث کی نسبت اس دعوی پر لوگوں کو تعجب ہوگا اور تعجب بیجا ہے کیونکہ امام صاحب کی شاگردی کے تعلق سے جو لوگ مشہور ہوئے وہ اکثر فقیہ ہی تھے۔ محدثین میں جو امام کے شاگرد ہیں اگرچہ بجائے خود شہرت عام رکھتے ہیں لیکن اُن کی شاگردی کا تعلق چنداں مشہور نہیں ہے اس موقع پر جن لوگوں کے نام لکھونگا اس تعلق کا ذکر بھی خصوصیت کیساتھ کرونگا اور رجال کی نہایت معتبر کتاب کا حوالہ دونگا۔ امام صاحب کے بیشمار شاگردوں میں سے ہم اُن چالیس شخصوں کا مختصر تذکرہ لکھنا چاہتے تھے جو امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ میں شریک تھے لیکن افسوس ہے کہ ہم انمیں سے صرف چند شخصوں کا نام معلوم کر سکتے ہیں یعنی قاضی ابو یوسف۔ زفر۔ اسد بن عمرو۔ عافیۃ الاودی۔ داؤد الطائی۔ قاسم بن معن۔ علی بن مسہر۔ یحیی بن زکریا۔ حبان۔ مندل۔ چنانچہ ان لوگوں کے مختصر حالات ہم ذیل میں لکھتے ہیں لیکن علاوہ بعض ان شاگردوں کا ذکر بھی ضرور ہے جو حدیث و رجال کے فن میں امام وقت تھے چنانچہ پہلے ہم انہی سے شروع کرتے ہیں۔

یحیی بن سعید القطان

تلامذہ محدثین

فن رجال کا سلسلہ انہی سے شروع ہوا۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ فن رجال میں اول جس شخص نے لکھا وہ یحیی بن سعید القطان ہیں۔ انکے بعد انکے شاگردوں یعنی یحیی بن معین علی بن المدینی امام احمد حنبل عمرو بن علی الفلاس ابو خیثمہ نے اس فن میں گفتگو کی اور انکے بعد انکے شاگردوں یعنی امام بخاری و مسلم وغیرہ نے۔ حدیث میں انکا یہ پایہ تھا کہ جب حلقہ درس میں بیٹھتے تو امام احمد حنبل علی بن المدینی وغیرہ مؤدب کھڑے ہو کر ان سے حدیث کی تحقیق کرتے اور نماز عصر جو ان کے درس کا وقت تھا مغرب تک برابر کھڑے رہتے۔ راویوں کی تحقیق و تنقید میں یہ کمال پیدا کیا تھا کہ جسکی حدیث چھوڑ دیا کرتے تھے ابن معین بھی اسکو چھوڑ دیتے تھے امام احمد حنبل کا مشہور قول ہے کہ

لہ فتح المغیث و دراسات اللبیب ۱۲ لہ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ یحیی القطان ۱۲

ما رأیت بعینی مثل یحیی بن سعید القطان[۵۱] یعنی میں نے اپنی آنکھوں سے یحیی کا مثل نہیں دیکھا اس فضل و کمال کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے حلقہ درس میں اکثر شریک ہوتے اور اُنکی شاگردی پر فخر کرتے۔ اُس وقت تک تقلید معین کا رواج نہیں ہوا تھا تاہم اکثر مسائل میں وہ امام صاحب ہی کی تقلید کرتے تھے خود اُنکا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہ[۵۲] یعنی ہم نے امام ابوحنیفہ کے اکثر اقوال اخذ کئے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں وکیع بن جراح کا ذکر کیا ہے لکھا ہے یفتی بقول ابی حنیفۃ وکان یحیی القطان یفتی بقولہ ایضاً یعنی وکیع امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوی دیتے تھے اور یحیی قطان بھی انہیں کے قول پر فتوی دیتے تھے ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی

عبد اللہ بن المبارک

محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں اُن کا ذکر[۵۳] ان لفظوں سے کیا ہے۔ وہ امام جسکی امامت وجلالت پر ہر باب میں عموماً اجماع کیا گیا ہے جسکے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے جسکی محبت سے مغفرت کی امید کیجا سکتی ہے حدیث میں جو اُن کا پایہ تھا اُسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ محدثین اُن کو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے پکارتے تھے۔ ایک موقع پر اُن کے شاگردوں میں سے ایک شخص نے اُنسے خطاب کیا کہ یا عالم المشرق امام سفیان ثوری جو مشہور محدث ہیں اس موقع پر موجود تھے بولے کہ کیا غضب ہے عالم مشرق کہتے ہو! وہ عالم الشرق والغرب ہیں" امام احمد حنبل کا قول ہے کہ عبداللہ بن المبارک کے زمانہ میں اُنسے بڑھکر کسی نے حدیث کی تحصیل میں کوشش نہیں کی خود عبداللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ میں نے چار ہزار شیوخ سے حدیث سیکھی جنمیں سے ہزار سے روایت کی[۵۴] صحیح بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے سیکڑوں حدیثیں مروی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ فن روایت کے بڑے بڑے ارکان میں سے ہیں حدیث و فقہ میں اُن کی بہت سی تصنیفات ہیں لیکن افسوس ہے کہ آج اُنکا پتہ نہیں اُنکے فضل و کمال زہد و تقوی نے اسقدر لوگوں کو مسخر کر لیا تھا کہ بڑے بڑے امرا و سلاطین کو وہ رتبہ حاصل نہ تھا۔ ایکدفعہ خلیفہ ہارون رشید رقہ گیا۔ اسی زمانہ میں عبداللہ بن المبارک بھی رقہ پہنچے اُنکے آنیکی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑے اور اسقدر کشمکش ہوئی کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں۔ ہزاروں آدمی ساتھ ہوئے اور ہر طرف گرد چھا گئی ہارون الرشید کی ایک حرم نے جو برج کے غرفہ سے یہ تماشہ دیکھ رہی تھی حیرت زدہ ہوکر پوچھا کہ یہ کیا حال ہے۔ لوگوں نے کہا خراسان کا عالم آیا ہے جسکا نام عبداللہ بن المبارک ہے بولی کہ حقیقت میں سلطنت اسکا نام ہے ہارون الرشید کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہو سکتا[۵۵]

یہ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگردوں میں ہیں اور امام صاحب کے ساتھ اُنکو خاص خلوص تھا اُن کو اعتراف تھا کہ جو کچھ مجھکو حاصل ہوا امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے فیض سے حاصل ہوا۔ اُن کا مشہور قول ہے کہ لولا ان اللہ تعالی

---

۵۱ میزان الاعتدال علامہ ذہبی دیباچہ ۵۲ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ ابوحنیفہ ۱۲ ۵۳ تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ۱۲
خلاصہ تہذیب الکمال ترجمہ عبداللہ بن المبارک ۱۲ ۵۵ تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المبارک ۱۲

اغاثنی بابی حنیفۃ وسفیان کنت کسائر الناس[۱] یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ وسفیان کے ذریعے میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں ایک عام آدمی سے بڑھکر نہوتا۔ امام ابوحنیفہ کی شان میں اُن کے اشعار اکثر منقول ہیں خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں اشعار نقل کئے ہیں جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

رایت اباحنیفۃ حین تولی ۔۔۔ ویطلب علمہ بحراً عزیز

مرو کے رہنے والے تھے ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ میں مقام ہیت وفات پائی۔

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدۃ محدث

مشہور محدث تھے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صرف اُن لوگوں کا تذکرہ لکھا ہے جو حافظ الحدیث کہلاتے تھے۔ چنانچہ یحییٰ کو بھی انہیں لوگوں میں داخل کیا ہے۔ اور اُن کے طبقہ میں سب سے پہلے انہیں کا نام لکھا ہے علی بن المدینی جو امام بخاری کے مشہور استاذ ہیں کہا کرتے تھے کہ یحییٰ کے زمانہ میں یحییٰ پر علم کا خاتمہ ہوگیا[۲] صحاح ستہ میں انکی روایت سے بہت سی حدیثیں ہیں وہ محدث اور فقیہ دونوں تھے اور ان دونوں فنون میں بہت بڑا کمال رکھتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں انکا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے احد الفقہاء الکبار والمحدثین الاثبات یہ امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور مدت تک اُن کے ساتھ رہے تھے یہانتک کہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو صاحب ابی حنیفہ کا لقب دیا ہے یہ تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک اعظم تھے امام طحاوی لکھا ہے کہ وہ تیس برس تک شریک رہے[۳] اگرچہ یہ مدت صحیح نہیں ہے لیکن کچھ شبہ نہیں ہے کہ وہ بہت دن تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے اور خاصکر تصنیف وتحریر کی خدمت انہیں سے متعلق تھی[۴] میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ کوفہ میں اول جس شخص نے تصنیف کی وہ یحییٰ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ تحریر کا کام یحییٰ سے متعلق تھا اس لئے بعض لوگوں نے انہیں کو مستقل مصنف سمجھ لیا۔ مدائن میں منصب قضا پر ممتاز تھے اور وہیں ۱۸۲ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔

وکیع بن الجراح

فن حدیث کے ارکان میں شمار کئے جاتے ہیں۔ امام احمد حنبل کو اُن کی شاگردی پر فخر تھا چنانچہ جب اُن کی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو اُن لفظوں سے شروع کرتے تھے۔ یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے روایت کی کہ تیری آنکھوں نے اسکے مثل نہ دیکھا ہوگا۔ یحییٰ ابن معین جو فن رجال کے ایک رکن خیال کئے جاتے ہیں انکا قول تھا کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جسکو وکیع پر ترجیح دوں[۵] اکثر ائمہ حدیث نے اُن کی شان میں اس قسم کے الفاظ کہے ہیں بخاری و مسلم میں اُن کی روایت سے حدیثیں مذکور ہیں۔ فن حدیث و رجال کے متعلق اُن کی رائیں نہایت مستند خیال کی جاتی ہیں

۱ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲ ۲ میزان الاعتدال علامہ ذہبی ترجمہ یحییٰ ۱۲ ۳ الجواہر المضیۃ ترجمہ یحییٰ ۱۲ ۴ تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ترجمہ وکیع بن جراح ۵ تہذیب الاسماء واللغات ۱۲

یہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد خاص تھے اور اُن سے بہت سی حدیثیں سُنی تھیں اکثر مسائل میں امام صاحب کی تقلید کرتے تھے اور انہیں کے قول کے موافق فتوی دیتے تھے خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے وکان یفتی بقول ابی حنیفۃ وکان قد سمع منہ شیئاً کثیراً علامہ ذہبی نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں اسکی تصدیق کی ہے ۱۸۲ھ میں وفات پائی

یزید بن ہارون

فن حدیث کے مشہور امام ہیں۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث اُن کے شاگرد تھے امام حنبل علی بن المدینی یحییٰ بن معین ابن ابی شیبہ وغیرہ نے اُن کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا ہے علامہ نووی نے لکھے تلامذہ کی نسبت لکھا ہے کہ انکا شمار نہیں ہو سکتا یحییٰ بن ابی طالب کا بیان کیا ہے کہ ایکبار میں اُن کے حلقہ درس میں شریک تھا۔ لوگ تخمینہ کرتے تھے کہ حاضرین کی تعداد کم و بیش ستر ہزار تھی کثرت حدیث میں لوگ انکی مثال دیتے تھے خود انکا بیان ہے کہ مجھکو بیس ہزار حدیثیں یاد ہیں علی بن المدینی (امام بخاری کے اُستاد) کہا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ کسی کو حافظ حدیث نہیں دیکھا۔

فن حدیث میں ان کو امام ابو حنیفہ سے تلمذ تھا۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں اُن لوگوں کے نام لکھے ہیں جنہوں نے امام صاحب سے حدیثیں روایت کیں اُنکا نام بھی لکھا ہے۔ یہ ایک مدت تک امام صاحب کی صحبت میں رہے اور اسوجہ سے ان کو امام صاحب کے اخلاق و عادات پر رائے قائم کرنیکا کافی موقع ملا تھا انکا قول ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کی صحبت اٹھائی لیکن ابو حنیفہ سے کسی کو بہتر نہیں پایا ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۶ھ میں وفات پائی

حفص بن غیاث

بہت بڑے محدث تھے خطیب بغدادی نے انکو کثیر الحدیث لکھا ہے اور علامہ ذہبی نے اُن کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے امام احمد حنبل علی بن المدینی وغیرہ نے اُنسے حدیثیں روایت کیں۔ یہ اس خصوصیت میں ممتاز تھے کہ جو کچھ روایت کرتے تھے زبانی کرتے تھے کاغذ یا کتاب پاس نہیں رکھتے تھے چنانچہ اسطرح جو حدیثیں روایت کیں اس کی تعداد تین یا چار ہزار ہے یہ امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں ہیں امام صاحب کے شاگردوں میں چند بزرگ نہایت مقرب اور با اختصاص تھے جنکی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ تم میرے دل کی تسکین اور میرے غم کے مٹانیوالے ہو حفص کی نسبت بھی امام صاحب نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں خطیب نے تاریخ بغداد میں انکی نسبت لکھا ہے کہ امام حنیفہ کے مشہور شاگردوں میں تھے۔ مدت تک دنیاوی تعلقات سے آزاد رہے لیکن اخیر میں ضرورتوں نے بہت تنگ کیا اتفاق یہ کہ انہی دنوں یعنی ۱۷۷ھ میں ہارون الرشید نے انکو عہدہ قضا پیش کیا اور قضا کی خدمت سپرد کی چونکہ قرض سے زیر بار تھے مجبوراً قبول کر لینا پڑا۔ قاضی ابو یوسف قاضی القضاۃ تھے اور قضاۃ کا تمام سررشتہ انکے اہتمام میں تھا چنانچہ ہارون الرشید نے قاضی صاحب کے مشورہ سے حفص کو منتخب کر دیا [illegible]

[illegible] حافظ [illegible] تذکرۃ الحفاظ [illegible]
[illegible] میزان الاعتدال [illegible] تہذیب الاسماء واللغات [illegible] تہذیب الاسماء [illegible] تہذیب التہذیب [illegible]
[illegible] ترجمہ امام ابو حنیفہ [illegible] میزان الاعتدال [illegible] ترجمہ حفص [illegible]

بن زیاد سے کہا کہ حفص کے فیصلے ہمارے مرافعہ میں آئیں تو اُن کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے لیکن جب اُن کے فیصلے دیکھے تو اعتراف کیا کہ حفص کے ساتھ تائید الٰہی ہے[1]۔

۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ تیرہ برس کوفہ میں اور دو برس بغداد میں قاضی رہے ۱۹۶ھ میں وفات پائی

ابو عاصم النبیل

انکا نام ضحاک بن مخلد ہے مشہور محدث ہیں صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں اُن کی روایت سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ انکی توثیق پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے نہایت پارسا اور متورع تھے۔ امام بخاری نے روایت کی ہے کہ ابو عاصم نے خود کہا کہ جب سے مجھکو معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے میں نے آجتک کسی کی غیبت نہیں کی۔

انکا لقب نبیل تھا جسکے معنے معزز کے ہیں اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ لقب کیوں ہوا؟ ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ شعبہ نے کسی وجہ سے قسم کھالی کہ میں حدیث نہیں روایت کرونگا چونکہ وہ بہت بڑے محدث تھے اور انکے درس سے ہزاروں طلبا مستفید ہوتے تھے لوگوں کو بہت تشویش ہوئی ابو عاصم نے یہ حال سنا تو اسیوقت شعبہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں اپنے غلام کو آپ کی قسم کے کفارہ میں آزاد کرتا ہوں آپ قسم توڑ ڈالیے اور حدیث کا درس دیجیے شعبہ کو انکی شوق اور ہمت سے تعجب ہوا اور فرمایا کہ انت نبیل اسوقت سے یہ لقب مشہور ہو گیا[2] یہی امام صاحب کے مخصوص شاگردوں میں تھے[3] خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی نے اُن سے پوچھا کہ سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہیں یا ابو حنیفہ بولے کہ موازنہ تو اُن چیزوں میں ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوں۔ ابو حنیفہ نے فقہ کی بنیاد ڈالی اور سفیان صرف فقیہ ہیں۔

۲۱۲ھ میں نوے برس کی عمر میں وفات پائی۔

عبد الرزاق بن ہمام

علامہ ذہبی نے انکا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے احد الاعلام الثقات بہت بڑے نامور محدث تھے صحیح بخاری و مسلم وغیرہ اُن کی روایتوں سے مالامال ہیں۔ امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ حدیث کی روایت میں آپنے عبد الرزاق سے بڑھکر کسی کو دیکھا ہے؟ بولے نہیں! بڑے بڑے المحدث مثلاً سفیان بن عیینہ یحیی بن معین۔ علی بن المدینی امام احمد حنبل فن حدیث میں اُن کے شاگرد تھے طالبان حدیث بہت دور دست قطع منازل کر کے انکی خدمت میں سیکھنے جاتے تھے یہانتک کہ بعضوں کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے پاس اس قدر دور دراز سے مسافتیں طے کر کے لوگ نہیں گئے۔

---

[1] الجواہر المضیئہ ترجمہ حفص بن غیاث ۱۲ [2] الجواہر المضیئہ ترجمہ ابو عاصم ۱۲ [3] الجواہر المضیئہ ۱۲ [4] انساب سمعانی و تاریخ یافعی ترجمہ عبد الرزاق بن ہمام ۱۲

حدیث میں اُن کی ایک ضخیم تصنیف موجود ہے جو جامع عبدالرزاق کے نام سے مشہور ہے امام بخاری نے اعتراف کیا ہے کہ میں اس کتاب سے مستفید ہوا ہوں علامہ ذہبی نے اس کتاب کی نسبت میزان الاعتدال میں لکہا ہے کہ علم کا خزانہ ہے ان کو ابوحنیفہ سے فن حدیث میں تلمذ تہا عقود الجمان کے مختلف مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کی صحبت میں زیادہ رہے ہیں چنانچہ اُن کے اخلاق و عادات کے متعلق اُن کے اکثر اقوال کتابوں میں مذکور ہیں انکا قول تہا کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے بڑہکر کسی کو حلیم نہیں دیکہا۔

۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۱ھ میں انتقال کیا۔

داؤد الطائی

خدا نے عجب حسن قبول دیا تہا صوفیہ ان کو بہت بڑا مرشد کامل مانتے ہیں تذکرۃ الاولیا میں ان کے مقامات سالکیہ مذکور ہیں فقہا بلانزاع اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام القاب کے مستحق تھے۔ محارب بن دثار جو مشہور محدث تھے کہا کرتے تھے کہ داؤد اگر اگلے زمانہ میں ہوتے تو خدا قرآن مجید میں انکا قصہ بیان کرتا

ابتدا میں فقہ و حدیث کی تحصیل کی پھر علم کلام میں کمال پیدا کیا اور بحث و مناظرہ میں مشغول ہوئے ایک دن کسی موقع پر ایک شخص سے گفتگو کرتے کرتے اس پر کنکری پھینک ماری اُسنے کہا داؤد تمہاری زبان اور ہاتھ دونوں دراز ہو چلے" ان پر عجیب اثر ہوا بحث و مناظرہ بالکل چھوڑ دیا۔ تاہم تحصیل کا مشغلہ جاری تہا برس دن کے بعد کل کتابیں دریا میں ڈبو دیں اور کل چیزوں سے قطع تعلق کر لیا امام محمد کا بیان ہے کہ میں داؤد سے اکثر مسئلے پوچھنے جاتا۔ اگر کوئی ضروری اور عملی مسئلہ ہوتا تو بتا دیتے ورنہ کہتے کہ بھائی مجھے اور ضروری کام ہیں" یہ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں خطیب بغدادی ابن خلکان۔ علامہ ذہبی اور دیگر مورخین نے جہاں ان کے حالات لکھیں ہیں امام صاحب کی شاگردی کا ذکر خصوصیت کیساتھ کیا ہے۔ تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک تھے اور اس مجلس کے معزز ممبر تھے ۱۶۰ھ میں وفات پائی ان بزرگوں کے سوا اور بھی نامور محدثین مثلاً فضل بن دکین۔ حمزہ بن حبیب الزیات۔ ابراہیم بن طہمان سعید بن اوس۔ عمر بن میمون فضل بن موسیٰ وغیرہ امام صاحب کے تلامذہ میں داخل ہیں لیکن ہمنے صرف اُن لوگوں کا ذکر کیا ہے جو تلامذہ خاص کہے جا سکتے ہیں اور جو مدتوں امام صاحب کی صحبت سے مستفید ہوئے ہیں۔

فقہا جو تدوین فقہ میں شریک تھے

قاضی ابویوسف

اُن کی منزلت اور عظمت شان اس قابل تھی کہ اُنکا مستقل تذکرہ لکہا جاتا اور جب ہی اُنکے علمی کمالات

ـــــــــــــــــــ

؎ تاریخ ابن خلکان ۱۲۔

کا اندازہ بھی ہو سکتا لیکن یہ فرصت کے کام ہیں خدا کسی کو توفیق دیے تو یہ کام پورا ہو سکتا ہے۔ اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے میرا اسی قدر فرض ہے کہ اُن کی مختصر تاریخ لکھدوں جس سے اُن کی لائف اور علمی کمالات پر ایک اجمالی رائے قائم ہو سکے۔ انکا نسب انصار سے ملتا ہے اِن کے مورث اعلیٰ سعد بن حبتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ اُن کے باپ ایک غریب آدمی تھے اور مزدوری محنت کر کے زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ ۱۱۳ھ یا ۱۱۷ھ میں مقام کوفہ پیدا ہوئے۔ انکو اگرچہ لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا لیکن باپ کی مرضی نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھیں اور گھر میں چار پیسے کما کر لائیں تاہم جب قاضی صاحب موقع اور فرصت پاتے علما کی صحبت میں جا بیٹھتے۔ ایک دن امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس میں حاضر تھے کہ انکے باپ پہنچے اور وہاں سے زبردستی اُٹھا لائے۔ گھر پر آکر سمجھایا کہ بیٹا ابو حنیفہ کو خدا نے رزق کیطرف سے اطمینان دیا ہے تم انکی ریس کیوں کرتے ہو؟ قاضی صاحب نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا اور باپ کیساتھ رہنے لگے۔ امام ابو حنیفہ نے دو چار دن کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ یعقوب اب نہیں آتے اُن کو امام صاحب کی جستجو کا حال معلوم ہوا تو حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی۔ امام صاحب نے چپکے سے ایک تھیلی حوالہ کی گھر پر آکر دیکھا تو اُس میں سو درہم تھے۔ امام صاحب نے اُنسے یہ بھی کہدیا کہ جب خرچ ہو چکے تو مجھ سے کہنا اسیطرح برابر اُن کو مدد دیتے رہے۔ یہانتک کہ قاضی صاحب نے تمام علوم میں کمال حاصل کیا اور استاد وقت بن گئے۔

قاضی صاحب نے امام ابو حنیفہ کے علاوہ اور بہت سے ائمہ وقت کی خدمت میں علم کی تحصیل کی۔ اعمش ہشام بن عروہ، سلیمان تیمی، ابو اسحق شیبانی یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں محمد بن اسحق سے مغازی و سیر پڑھی۔ محمد بن ابی لیلیٰ سے فقہ کے مسائل سیکھے۔ خدا نے ذہن و حافظہ ایسا قوی دیا تھا کہ ایک ہی زمانہ میں ان تمام علوم کی تحصیل کرتے تھے۔ حافظ ابن عبد البر نے جو ایک مشہور محدث ہیں لکھا ہے کہ ابو یوسف محدثین کے پاس حاضر ہوتے ایک جلسہ میں پچاس ساٹھ حدیثیں سنکر یاد کر لیتے۔

اساتذہ

امام ابو حنیفہ جبتک زندہ رہے قاضی صاحب اُنکے حلقہ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے اُن کی وفات کے بعد دربار سے تعلق پیدا کرنا چاہا۔ چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۶ھ میں اُن کو قاضی کی خدمت دی۔ مہدی کے بعد اُسکے جانشین ہادی نے بھی اُن کو اُسی عہدہ پر بحال رکھا لیکن ہارون الرشید نے ان کی لیاقتوں سے واقف ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وہ عہدہ تھا جو اُس وقت تک اسلام کی تاریخ میں کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا بلکہ زمانہ مابعد میں بھی بجز قاضی احمد بن داؤد کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ قاضی صاحب نے سر رشتہ قضا میں جو ترقیاں کیں اُن کی تفصیل خود اُن کی لائف میں لکھی جائے تو لکھی جا سکتی ہے

عہدۂ قضا

جمعرات کے دن ظہر کے وقت ربیع الاول کی پانچویں تاریخ ۱۸۲ھ میں وفات پائی محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ مرتے وقت یہ الفاظ اُن کی زبان پر تھے۔ الٰہی خدا تو جانتا ہے کہ میں نے کوئی فیصلہ عمداً خلاف واقع نہیں کیا [illegible]

وفات

ہمیشہ کوشش رہی کہ جو فیصلہ تیری کتاب اور تیرے پیغمبر کے طریقہ کے موافق ہو جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تھا تو میں امام ابوحنیفہ کو واسطہ بناتا تھا اور جہانتک مجھکو معلوم ہو ابوحنیفہ تیری احکام کو خوب سمجھتے تھے اور عمدًا حق کے راستہ سے باہر نجاتے تھے قاضی صاحب بہت بڑے دولتمند تھے لیکن دولت کا استعمال اچھی طرح کیا مرتے وقت وصیت کی کہ چار لاکھ روپیہ مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ۔ کوفہ۔ بغداد کے محتاجوں کو دئے جائیں۔

تبحر حدیث

قاضی صاحب متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے مورخ ابن خلکان نے ہلال بن یحییٰ کا قول نقل کیا ہے کہ ابویوسف تفسیر مغازی ایام العرب کے حافظ تھے اور فقہ انکا ادنےٰ سا علم تہا الحدیث میں انکا یہ پایہ تھا کہ حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں انکا ترجمہ لکھا ہے یحییٰ بن معین کہا کرتے تھے کہ اہل الرائے میں ابویوسف سے بڑھکر کوئی شخص کثیر الحدیث نہیں" امام احمد حنبل کا قول ہے کہ "کان منصفا فی الحدیث" مزنی جو امام شافعی کے مشہور شاگرد ہیں کہا کرتے تھے ابویوسف اتبع القوم للحدیث[1] خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں امام احمد حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ اول جب مجھکو علم حدیث کا شوق پیدا ہوا تو ابویوسف کی خدمت میں حاضر ہوا" یحییٰ بن معین و امام احمد حنبل اور بہت سے ائمہ حدیث نے قاضی صاحب سے حدیثیں روایت کیں اس سے زیادہ اُنکی عظمت وشان کی کیا دلیل ہوگی[2]

فقہ میں جو انکا پایہ ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے امام ابوحنیفہ کو خود اُنکے کمال کا اعتراف تہا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے امام صاحب عیادت کو گئے واپس آئے تو ساتھیوں سے کہا کہ خدانخواستہ اگر یہ شخص ہلاک ہوا تو دنیا کا علم ہلاک ہوا" اور ائمہ بھی اُن کے حدت ذہن اور قوت فہم کے معترف تھے۔ امام اعمش اُس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے انہوں نے قاضی صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے جواب بتلایا امام اعمش نے کہا اس پر کوئی سند بھی ہو قاضی صاحب نے فرمایا ہاں وہ حدیث جو فلاں موقع پر آپ نے مجھ سے بیان کی تھی۔ امام اعمش نے کہا کہ "یعقوب! یہ حدیث مجھ کو اسوقت سے یاد ہے جب تمہارے والدین کا عقد بھی نہیں ہوا تہا لیکن اُسکا صحیح مطلب آج ہی سمجھ میں آیا[3]

قاضی صاحب پہلے شخص ہیں جس نے فقہ حنفی میں تصنیفیں کیں مختلف علوم میں اُن کی تصنیفات ہیں اور ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اُنکی مفصل فہرست بھی نقل کی ہے لیکن ہماری نگاہ سے صرف کتاب الخراج گزری ہے اسلیئے ہم اُسکے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ ہارون الرشید نے خراج و جزیہ وغیرہ کے متعلق قاضی صاحب سے یادداشتیں طلب کیں تھیں۔ قاضی صاحب نے اُس کے جواب میں چند تحریریں بھیجیں۔ یہ کتاب انہیں تحریروں کا مجموعہ ہے اگرچہ اسمیں بہت سے مضامین ہیں لیکن زیادہ تر خراج کے مسائل ہیں اور اسی لیئے اُسکو زمانہ کا قانون مالگذاری

---

[1] یہ اقوال علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کئے ہیں ۱۲ [2] قاضی صاحب کی نسبت کتب رجال میں جرحیں بھی منقول ہیں مگر وہ عموماً ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ خود وہ جرحیں بتلا رہی ہیں کہ انکا منشا اجتہادی مسائل کا اختلاف ہے ۱۲ [3] ابن خلکان ترجمہ قاضی ابویوسف [4] یہ کتاب مصر کے مطبع میریہ میں سنہ ۱۳۰۲ھ میں چھاپی گئی ۱۲

کہہ سکتے ہیں اس کتاب میں زمین کے اقسام بلحاظ حیثیت اور بلحاظ تنوع - لگان کی مختلف شرحیں کاشت کاروں کی حیثیتوں کا اختلاف، پیداوار کی قسمیں اس قسم کے امور مراتب کو اس خوبی اور دقت نظر کے ساتھ منضبط کیا ہے اور ان کے متعلق قواعد قرار دیئے ہیں کہ اس زمانہ کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے طرز تحریر میں ایک یہ بڑی خوبی ہے کہ نہایت آزادانہ ہے قواعد اور ہدایتوں کے ساتھ خلیفہ وقت کو متوجہ کیا ہے -

آزادانہ کیسا ایفوں کا انجام دیا

قاضی صاحب کی تاریخ زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر ہے وہ یہ ہے کہ ہارون الرشید جیسے جبار اور خود پرست بادشاہ کے دربار میں وہ اپنے فرائض اس جرأت اور آزادی سے ادا کرتے تھے جس کی مثال ایشیائی سلطنتوں میں بہت کم مل سکتی ہے کتاب الخراج میں ایک جگہ وہ ہارون الرشید کو لکھتے ہیں کہ اے امیر المومنین! اگر تو اپنی رعایا کے انصاف کے لیئے مہینہ میں ایک بار بھی دربار کرتا اور مظلوموں کی فریاد سنتا تو میں امید کرتا ہوں کہ تو ان اشرار اُن لوگوں میں نہ ہوتا جو رعیت سے پردہ کرتے ہیں اور اگر تو دو ایک دربار بھی کرتا تو یہ خبر تمام اطراف میں پھیل جاتی اور ظالم اپنے ظلم سے باز آتے بلکہ اگر عمال و صوبہ داروں کو یہ خبر پہنچے کہ تو برس دن میں ایک دفعہ انصاف کے لیئے بیٹھتا ہے تو ظالموں کو کبھی ظلم پر جرأت نہ ہونے پائے -

قاضی صاحب کے سوا کس کو جرأت تھی کہ ہارون الرشید کو یہ الفاظ لکھتا -

مخالفین کی بیہودہ آمیزی

تعجب ہے کہ ایسا اور پاکیزہ نفس بھی دشمنوں کے حملہ سے نہیں بچا، قاضی صاحب کے مخالفین نے ان کو خوشامدی اور زمانہ ساز کہا ہے اور اس مضمون کی چند اور روایتیں بھی گھڑلی ہیں بعض مورخین جن کو رطب و یابس سے کچھ بحث نہیں ان بیہودہ روایتوں کو نقل بھی کر دیتے ہیں جو کوتاہ بینوں کیلئے ہوئے بس است کا کام دیتی ہے اس قسم کی بعض حکایتیں تاریخ الخلفا میں منقول ہیں -

لیکن یہ ظاہر ہے کہ کتاب الخراج کے فقرے جو ہم نے نقل کئے ہیں جس قطعیت کیساتھ ثابت ہیں اُن کے مقابلہ میں ان روایتوں کا کس حد تک اعتبار ہو سکتا ہے -

حاطب اللیل مورخین ایک طرف بعض محدثین نے بھی مخالفت کے جوش میں [illegible] حق کی پروا نہ کی -

بیہقی نے امام شافعی کے حالات میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اس [illegible] ہارون الرشید کے دربار میں گرفتار ہو کر آئے تو قاضی ابویوسف اور امام [illegible] الرشید کو امام شافعی کے قتل کی رائے دی اور کہا کہ اگر جلد تدارک نہیں کیا جائیگا تو یہ شخص [illegible] پہنچائیگا

افسوس امام بیہقی کو باایں ہمہ محدثیت یہ بھی خیال نہ آیا کہ قاضی ابویوسف [illegible] کر چکے تھے لیکن خدا کا شکر ہے کہ خود محدثین ہی نے اس روایت کی تکذیب کی حافظ ابن حجر نے جیسے بڑھ کر [illegible] بعد محدث نہیں ہوا امام شافعی کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جو ابھی مصر میں چھاپی گئی ہے [illegible]

[illegible]

کو نقل کرکے لکھتے ہیں۔ فہی مکذوبۃ وغالب ما فیہا موضوع وبعضہا ملفق من روایات ملفقۃ واقبح ما فیہا من الکذب قولہ فیہا ان ابا یوسف ومحمد بن الحسن حرضا الرشید علی قتل الشافعی یعنی روایت جھوٹی ہے اور اُسکا اکثر حصہ موضوع ہے اور بعض حصے دوسری مختلط روایتوں سے ماخوذ ہیں اور جو صریح جھوٹ اسمیں ہے وہ یہ ہے کہ ابو یوسف ومحمد بن الحسن نے ہارون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی ترغیب دی ہے۔

قاضی صاحب کی طرف بعض اولیات بھی منسوب ہیں مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ قاضی ابو یوسف پہلے شخص ہیں جنہوں نے علماء کے لئے ایک خاص لباس تجویز کیا جو آجتک برتا جاتا ہے ورنہ اسسے پہلے تمام لوگوں کا ایک لباس تھا

امام محمد بن الحسن الشیبانی

یہ فقہ حنفی کے دوسری بازو ہیں ان کا اصلی وطن دمشق کے متصل ایک گاؤں تھا جس کو حرستا کہتے ہیں اُن کے والد وطن چھوڑکر واسط چلے آئے اور وہیں سکونت اختیار کی امام محمد ۱۳۵ھ میں یہیں پیدا ہوئے سن رشد کا آغاز تھا کہ کوفہ جانا ہوا یہاں علوم کی تحصیل شروع کی اور بڑے بڑے محدثین وفقہا کی صحبت اٹھائی مسعر بن کدام۔ امام سفیان ثوری۔ مالک بن دینار۔ امام اوزاعی وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں۔ کم و بیش دو برس تک امام ابو حنیفہ کی صحبت میں رہے۔ امام صاحب کی وفات کے بعد قاضی ابو یوسف سے بقیہ تحصیل کی پھر مدینہ منورہ گئے اور تین برس تک امام مالک سے حدیث پڑھتے رہے۔ آغاز شباب ہی میں ان کے فضل وکمال کے چرچے پھیل گئے تھے بیس برس کے سن میں مسند درس پر بیٹھے اور لوگوں نے اُن سے استفادہ شروع کیا ہارون رشید نے اُن کے فضل وکمال سے واقف ہوکر قضا کی خدمت دی اور اکثر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ۱۸۹ھ میں رے گیا تو ان کو بھی ساتھ لے گیا رے کے قریب نبویہ ایک گاؤں ہے وہاں پہنچکر قضا کی۔ اتفاق یہ کہ کسائی جو مشہور نحوی گزرا ہے وہ بھی اس سفر میں ساتھ تھا اور اس نے بھی یہیں انتقال کیا۔ ہارون الرشید کو نہایت صدمہ ہوا اور کہا آج فقہ اور نحو دونوں کو ہم دفن کر آئے۔ علامہ یزیدی نے جو ایک مشہور ادیب اور ہارون الرشید کے درباریوں میں تھے جانگداز مرثیہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

فقلت اذا ما اشکل الخطب من لنا ۔ بایضاح یوما وانت فقید

ترجمہ یعنے ہم نے کہا کہ جب تو نہ رہا تو ہمارے لئے مشکلات کا حل کرنیوالا کہاں سے آئے گا۔ امام محمد نے اگرچہ زندگی کا بڑا حصہ دربار کے تعلق سے بسر کیا لیکن آزادی اور حق گوئی کا سررشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹا ۱۷۶ھ میں یحییٰ علوی نے جب علم بغاوت بلند کیا تو ہارون الرشید انکا سروسامان دیکھکر حواس باختہ ہوگیا اور دیکر صلح چاہا کی معاہدہ صلح قلمبند ہوا اور یحییٰ کے اطمینان کے لئے بڑے بڑے علماء فضلاء فقہاء اور محدثین نے اُس پر دستخط کئے یحییٰ صلح پر راضی ہوکر بغداد میں آئے تو چند روز کے بعد ہارون الرشید نے نقض عہد کرنا چاہا تمام علماء سے فتوے ہارون الرشید

کے خوف سے فتویٰ دیدیا کہ صورت موجودہ میں نقض عہد جائز ہے لیکن امام محمد نے علانیہ مخالفت کی اور اخیر تک اپنے اصرار پر قائم رہے۔

امام محمد جس رتبہ کے شخص تھے اُسکا اندازہ ائمہ مجتہدین کے قول سے ہو سکتا ہے امام شافعی کا قول ہے کہ امام محمد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اُتر رہی ہے۔ اُنہیں کا قول ہے کہ میں نے امام محمد سے ایک بار شتر کے برابر علم حاصل کیا۔

امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ یہ دقیق مسائل کہاں سے حاصل ہوئے فرمایا محمد بن الحسن کی کتابوں سے[۱]

امام محمد کے حلقہ درس سے اگرچہ اور بہت سے علما تعلیم پاکر نکلے لیکن اُن سب میں امام شافعی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ ہماری زمانے کے کم نظروں کو اس سے تعجب ہوگا اگلے زمانہ میں بھی ابن تیمیہ نے امام شافعی کی شاگردی سے انکار کیا تھا لیکن حق کو کون دبا سکتا ہے؟ تاریخ و رجال کی آج سیکڑوں کتابیں موجود ہیں وہ کیا شہادت دے رہی ہے؟ بے شبہ امام شافعی کو امام محمد کی فیض صحبت نے بڑی بڑی کمالات کے رستے دکھائے اور اس کا خود انکو اعتراف تھا۔ حافظ ابن حجر امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں کان محمد بن الحسن جلیل المنزلۃ عند الخلیفۃ فاختلفت الیہ وقلت ھو اولی من جہۃ الفقہ فلزمتہ وکتبت عنہ[۵] یعنی محمد بن الحسن خلیفہ کے ہاں بہت معزز تھے اسلیئے میں ان کے پاس آتا جاتا تھا میں نے اپنے جی میں کہا کہ وہ فقہ کے لحاظ سے بھی عالی رتبہ ہیں اسلیئے میں نے ان کی صحبت لازم پکڑی اور اُن کا درس قلم بند کرتا رہا"

امام محمد خود بھی امام شافعی کی نہایت عزت کرتے تھے اور تمام شاگردوں کی نسبت اُن کے ساتھ خاص مراعات کیساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن ہارون الرشید کے دربار میں جارہے تھے راہ میں امام شافعی ملے جو اُنکی ملاقات کو آرہے تھے اُسیوقت گھوڑے سے اُتر پڑے اور نوکر سے کہا کہ خلیفہ کے پاس جا اور عذر بیان کر کہ میں اسوقت حاضر نہیں ہوسکتا۔ امام شافعی نے کہا کہ میں اور کسی وقت حاضر ہونگا۔ امام محمد نے کہا نہیں دربار جانا کچھ ضرور نہیں[۶]"۔ امام محمد و امام شافعی میں اکثر مناظرات بھی رہتے تھے اسی بنا پر بعضوں کو اُن کی شاگردی سے انکار ہے لیکن اس زمانہ کی اُستادی و شاگردی میں یہ اُمور معیوب نہ تھے اور در اصل آج بھی معیوب نہیں۔

امام محمد کی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہے اور اُنکی تصنیفات عموماً اسی فن کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ لیکن وہ تفسیر حدیث۔ ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ میں نے قرآن مجید کا عالم امام محمد سے بڑھکر نہیں دیکھا[۷]"۔ ادب و عربیت میں اگرچہ اُن کی کوئی تصنیف موجود نہیں لیکن فقہ کے جو مسائل نحو کی جزئیات پر مبنی ہیں اکثر جامع کبیر میں مذکور ہیں اور ایسے

---

[۱] یہ تمام اقوال محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں نقل کئے ہیں ۱۲ [۵] دیکھو تہذیب التہذیب مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۱۹ [۶] نوادر الجمیس صفحہ ۱۲۷۹ ۱۲ [۷] الجواہر المضیئۃ ترجمہ امام محمد ۱۲

ثابت ہوتا ہے کہ اس فن میں اُن کا کیا پایہ تھا چنانچہ ابن خلکان وغیرہ نے خصوصیت کے ساتھ اسکا ذکر کیا ہے۔
حدیث میں اُن کی کتاب موطا مشہور ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الحجج جو امام مالک کے رد میں لکھی ہے اسمیں اکثر حدیثیں
روایت کی ہیں اور متعدد مسائل میں جوش ادعا کے ساتھ کہا ہے کہ مدینہ والوں کو دعویٰ ہے کہ وہ حدیث کے پیرو
ہیں۔ حالانکہ ان مسائل میں صریح اُن کے خلاف حدیثیں موجود ہیں "

امام محمد کی تصنیفات تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور آج فقہ حنفی کا مدار انہی کتابوں پر ہے ہم ذیل میں اُن کتابوں
کی فہرست لکھتے ہیں جنمیں امام ابوحنیفہ کے مسائل روایتاً مذکور ہیں اور اس لئے وہ فقہ حنفی کے اصلی اصول خیال کئے جاتے ہیں

مبسوط اصل میں یہ کتاب قاضی ابو یوسف کی تصنیف ہے۔ انہیں مسائل کو امام محمد نے زیادہ توضیح اور
خوبی سے لکھا۔ یہ امام محمد کی پہلی تصنیف ہے۔

جامع صغیر مبسوط کے بعد تصنیف ہوئی۔ اس کتاب میں امام محمد نے قاضی ابو یوسف کی روایت سے امام
ابوحنیفہ کے تمام اقوال لکھے ہیں۔ کل ۵۳۲ مسئلے ہیں جنمیں سے ایک سو ستر مسئلوں کے متعلق اختلاف رائے بھی لکھا ہے اس کی کتاب میں تین قسم کے مسائل
(۱) جنکا ذکر بجز اس کتاب کے اور کہیں نہیں پایا جاتا (۲) اور کتابوں میں بھی مذکور ہیں لیکن اُن کتابوں میں امام محمد
نے تصریح نہیں کی تھی کہ یہ خاص ابوحنیفہ کے مسائل ہیں اس کتاب میں تصریح کر دی ہے۔
(۳) اور کتابوں میں مذکور تھے لیکن اس کتاب میں جن الفاظ سے لکھا ہے اُن سے بعض نئے فائدے مستنبط ہوتے ہیں
اس کتاب کی تیس چالیس شرحیں لکھی گئیں جن کے نام اور مختصر حالات کشف الظنون وغیرہ میں ملتے ہیں۔

جامع کبیر جامع صغیر کے بعد لکھی گئی۔ بہت ضخیم کتاب ہے۔ اس میں امام ابوحنیفہ کے اقوال کے ساتھ قاضی ابو یوسف
اور امام زفر کے اقوال بھی لکھے ہیں۔ ہر مسئلہ کے ساتھ دلیل بھی لکھی ہے متاخرین حنفیہ نے اصول فقہ کے جو مسائل
قائم کئے ہیں زیادہ تر اسی کتاب کی طرز استدلال و طریق استنباط سے کئے ہیں بڑے بڑے نامور فقہا نے اس کی
شرحیں لکھی ہیں جن میں سے ۴۲ شرحوں کا ذکر کشف الظنون میں ہے۔

زیادات جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آتے وہ اس میں درج کئے ہیں اسی لئے زیادات نام رکھا

کتاب الحجج - امام محمد امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ گئے اور تین برس تک امام مالک سے موطا
پڑھی۔ اہل مدینہ کا طریقہ فقہ جدا تھا۔ بہت سے مسائل میں وہ لوگ امام ابوحنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے امام محمد نے
مدینہ سے آکر یہ کتاب لکھی۔ اس میں اول وہ ابوحنیفہ کا قول نقل کرتے ہیں پھر مدینہ والوں کا اختلاف بیان
کرکے حدیث۔ اثر۔ قیاس سے ثابت کرتے ہیں کہ ابوحنیفہ کا مذہب صحیح ہے اور دوسروں کا غلط امام رازی نے
مناقب الشافعی میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے یہ کتاب چھپ گئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے میں نے اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دیکھا ہے۔

سیر صغیر و کبیر یہ سب سے آخر تصنیف ہے اول سیر صغیر لکھی اُس کا ایک نسخہ امام اوزاعی کی نظر سے گذرا انہوں نے

ی سے کہا کہ اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت" امام محمد نے سُنا تو سیر کبیر لکھنی شروع کی تیار ہوئی تو ساٹھ جزوں
میں آئی۔ امام محمد اس ضخیم کتاب کو ایک خچر پر رکھوا کر ہارون الرشید کے پاس لے گئے ہارون الرشید کو پہلے سے خبر ہو چکی
تھی اُس نے قدردانی کے لحاظ سے شہزادوں کو بھیجا کہ خود جا کر امام محمد سے اُس کی سند لیں۔

ان کتابوں کے علاوہ امام محمد کی اور تصنیفات بھی فقہ میں موجود ہیں مثلاً کیسانیات جرجانیات رقیات ہارونیات
لیکن یہ کتابیں فقہا کی اصطلاح میں ظاہر الروایہ میں داخل نہیں بلکہ کتاب الحج جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے وہ بھی اس سلسلہ سے خارج ہے

امام زفر

فقہ میں اگرچہ انکا رتبہ امام محمد سے زیادہ مانا جاتا ہے لیکن چونکہ ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے اور ان کے حالات
بھی بہت کم معلوم ہیں اس لئے صاحبین سے ان کو مؤخر رکھنا پڑا۔

یہ عربی النسل تھے شروع زمانہ میں انکو حدیث کا توغل تھا اور اسی وجہ سے جیسا کہ علامہ نووی نے تہذیب اللغات
میں تصریح کی ہے صاحب الحدیث کہلاتے تھے پھر فقہ کی طرف توجہ کی اور اخیر عمر تک یہی مشغلہ رہا۔

یحییٰ بن معین جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں انکا قول ہے کہ زفر صاحب الرائے ثقہ مامون ہیں[1] بعض لوگوں نے
ان کی تضعیف بھی کی ہے لیکن وہ مبہم ہے اور قابل اعتماد نہیں۔

اُن کو خاصکر قیاسی احکام میں نہایت کمال تھا امام ابوحنیفہ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ اقیس اصحابی وکیع
بن الجراح جنکا ذکر اوپر گذر چکا ان سے استفادہ کرتے تھے قضا کا عہدہ بھی ان کو ملا تھا ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۸ھ میں وفات کی

قاسم بن معن

بہت بڑے نامور شخص تھے صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے روایت کی ہے ان کو حدیث و فقہ میں بھی کمال تھا
لیکن عربیت و ادب میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے امام محمد ان کی خدمت میں استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے تھے
خلیفہ نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا مجبوراً قبول کرنا پڑا لیکن تنخواہ کبھی نہیں لی۔

ابوحنیفہ کو ان سے خاص محبت تھی یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنکی نسبت امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ
میرے دل کی تسلی اور میرے غم کو مٹانے والے ہو ان کو بھی امام صاحب کے ساتھ نہایت خلوص تھا ایک شخص
نے پوچھا کہ آپ فقہ و عربیت دونوں کے امام ہیں ان دونوں علموں میں سے وسیع کون سا علم ہے فرمایا کہ "واللہ
امام ابوحنیفہ کی ایک تحریر کل فن عربیت پر بھاری ہے" ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔

اسد بن عمرو

یہ پہلے شخص ہیں جن کو امام ابوحنیفہ کی مجلس تصنیف میں تحریر کا کام سپرد ہوا تھا۔ بہت بڑے رتبہ کے
شخص تھے امام احمد حنبل نے ان سے روایت کی ہے اور یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے ہلال رازی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ

[1] تہذیب اللغات والاسماء علامہ نووی ۱۲

ہارون الرشید مکہ معظمہ گیا طواف سے فارغ ہوکر کعبہ میں داخل ہوا اور ایک جگہ بیٹھ گیا تمام اہل دربار اور اعیان ہاشم کھڑے تھے مگر ایک شخص ہارون الرشید کے برابر بیٹھا تھا مجھکو نہایت تعجب ہوا لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اسد بن عمرو ہیں۔[1]

علی بن المسہر

فن حدیث امام اعمش و ہشام بن عروہ سے حاصل کیا تھا۔ امام بخاری و مسلم نے انکی روایت سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ امام احمد حنبل اُن کے فضل و کمال کا اعتراف کرتے تھے امام سفیان ثوری نے امام ابوحنیفہ کی تصنیفات پر جو اطلاع حاصل کی انہیں کے ذریعہ سے کی موصل کے قاضی تھے سنہ ۱۸۹ھ میں انتقال کیا۔[1]

عافیہ بن یزید

یہ وہی بزرگ ہیں جنکی نسبت امام ابوحنیفہ مجلس تصنیف میں فرمایا کرتے تھے کہ "جبتک عافیہ نہ آجکیں کسی مسئلہ کو قلمبند نہ کرو" علامہ ذہبی نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ کان من خیار القضاۃ۔

حبان

کثیر الروایۃ تھے۔ ابن ماجہ میں اُن کی روایت سے متعدد حدیثیں موجود ہیں۔ امام ابوحنیفہ انکی قوت حفظ کے بہت مداح تھے۔ سنہ ۱۷۲ھ میں وفات کی۔

مندل

حبان کے بھائی تھے، امام اعمش و ہشام بن عروہ و عبدالملک بن عمیر و عاصم احول و امام ابوحنیفہ سے حدیثیں روایت کیں، نہایت متورع اور پرہیزگار تھے سنہ ۱۶۸ھ میں انتقال ہیں کیا ان کے بھائی حبان نے نہایت باثر مرثیہ لکھا ہے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسکے چند اشعار نقل کئے ہیں، دو شعر یہ ہیں۔

فاذا اذکر فقد ان اخی	انقلبت فی فراشی ارقا
واخی ای اخ مثل اخی	قد جری فی کل خیر سبقا

افسانۂ یاران کہن خواندم و رفتم — دریاب کہ لعل و گہر افشاندم و رفتم

۱۵ دسمبر سنہ ۱۸۹۳ء بمقام علی گڈھ

شبلی نعمانی

---

[1] الجواہر المضیہ ۲ [illegible] یہ حالات جمیع و صرف الجواہر المضیہ سے معلوم ہوئے ہیں ۱۲